خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا
اکبر الہ آبادی

مُردوں کی مسیحائی

نا عبدالماجد دریابادی مدظلہ کے مقالاتِ سیرتؐ

مرتبہ

غلام دستگیر رشید ایم اے (عثمانیہ)

ناشر

ادارہ اشاعت اردو
عابد روڈ۔ حیدر آباد دکن

قیمت درجہ اول آرٹ پیپر [illegible]
درجہ دوم [illegible] اعلیٰ کاغذ

پہلا ایڈیشن ایک ہزار
جنوری ۱۹۴۳ء

پروپرائٹرز

سید عبدالقادر اینڈ سنس

مالک اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹرز حیدرآباد دکن

مطبوعہ
اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹرز حیدرآباد

فہرستِ مضامین

مُردوں کی مسیحائی

عرضِ ناشر

انسان جسے پہلے ہی ظلوم و جہول کے لقب سے ملقب کر دیا گیا ہے۔ اپنی زبان اور اپنے قلم میں اتنی طاقت کہاں سے لائے کہ خدائے بزرگ و برتر کی بے پایاں اور لامحدود نعمتوں کا شکریہ ادا کر سکے۔ آج سے تقریباً پچاس برس پہلے ایک صاف دِل شخص نے (اللہ اُس کو اپنی رحمتوں میں جگہ دے) کتابوں کی ایک دُکان کھولی جس کا تجارتی نام سیّد عبد القادر اینڈ سنس تھا۔ دُکان دار نے خدمت کرنے کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا اور قدر دانوں نے قدر دانی کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اللہ کی رحمتوں نے ساتھ دیا اور یہ دُکان بڑھتے بڑھتے ایک بڑا تجارتی فرم بن گیا۔ اس طرح اس فرم سے ایک چھوٹا سا چھاپہ خانہ قائم کیا۔ معارف پرور سلطان العلوم نے محبوب ولی عہد دولتِ آصفیہ کے لقب گرامی سے منسوب کر کے اعظم اسٹیم پریس نام عطا فرمایا۔ خدا کی رحمت دیکھئے اور قدر دانوں کی قدر دانی کہ آج وہ جنوبی ہند کا عظیم الشان مطبع اور سب سے زیادہ نفیس کام کرنے والا چھاپہ خانہ ہے، لیکن کام یہیں ختم نہیں ہو جاتا ہے۔

ع - گیسوئے اُردو ابھی منّت پذیرِ شانہ ہے۔

کاغذ بہت گراں ہے سامان طباعت نایاب ہے۔ لیکن اس تجارتی فرم نے بڑے نازک اوقات میں جرأت کے ساتھ خدمت کی ہے۔ اور آج بھی خدمت کر رہا ہے۔ چوہدری محمد اقبال سلیم گاہندری کے عاملانہ اشتراک سے اس فرم نے ایک وسیع ادارہ "ادارۂ اشاعت اُردو" کے نام سے قایم کیا ہے۔ جس کی پہلی کتاب آج آپ کے سامنے پیش کرنے کی عزت حاصل کی جاتی ہے۔

ہماری زبان آج ترقی کے اُس زینہ پر ہے جہاں ضرورت ہے کہ ادبیات، سیاسیات، علمی تحقیقات، ادب عالیہ، ادب نسواں، اور ادب اطفال کو اس کا مناسب مقام دیا جائے۔ "ادارۂ اشاعت اُردو" اسی عزم کے ساتھ قایم کیا گیا ہے۔ کہ مذکورہ بالا اصناف ادب کو ترقی دی جائے۔ بالفعل اس کا کام تین شعبوں میں منقسم ہے۔ ادب عالیہ، ادب نسواں، ادب اطفال۔ بلند بانگ دعاوی اور لمبی لمبی باتیں نہ کارآمد ہوتی ہیں اور نہ اچھی سمجھی جاتی ہیں۔

مشک آنست کہ خود ببوید۔

اللہ سے دعا ہے کہ بیش از بیش خدمت کا موقعہ عطا فرمائے۔ اور آپ سے درخواست ہے۔ کہ اس سلسلہ میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔ وَمَا توفیقی اِلّا بِاللّٰہ

ہماری زیرِ طبع کتابیں حسب ذیل ہیں :-

(۱) "یقین و عمل" از عبد القدوس ہاشمی ۔ دُنیا کی موجودہ بے چینی کا جائزہ اور اُس کا علاج ۔

(۲) مضامین عبد الماجد دریابادی ۔

(۳) "محمدؐ علی"۔ مولانا محمدؐ علی مرحوم کی زندگی اور مولانا عبد الماجد دریابادی کا قلم ۔

(۴) "محسوساتِ ماہر"۔ شاعرِ حیات جناب ماہر القادری کے کلام کا اوّلین مجموعہ ۔

(۵) "نغماتِ ماہر"۔ شاعرِ حیات جناب ماہر القادری کے کلام کا دوسرا مجموعہ ۔

(۶) "جمہوریہ چین"۔ از عابد علی خان ۔

(۷) "گرداب"۔ احمد ندیم قاسمی ۔ افسانوں کا مجموعہ ۔

(۸) "نغمہ و فریاد" ۔ جوہر فریادی کے کلام کا مجموعہ ۔

(۹) "مضامین جمال الدین افغانی ۔ یعنی فیلسوفِ مشرق افغانی کے خیالات ۔ عبد القدوس ہاشمی کی ترجمانی

سیّد عبد القادر اینڈ سنس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹرز و پبلشرز
و مالکان اعظم اسٹیم پریس ۔ حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

عرضِ نیاز

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم
چو غلامِ آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر کس زبان سے ادا ہو کہ توفیقِ الٰہی کی رفاقت نے صدق لانے والوں کے ساتھ تصدیق و تائید کی نسبت بخشی۔ ع بریں مژدہ گر جاں فشانم رواست

پندرہ سولہ برس پہلے جامعہ عثمانیہ میں علم کا طالب بن کر داخل ہوا تو اخبار "سچ" بھی میرے لئے اس علم کا ایک چشمۂ فیض ثابت ہوا جسے قرآن کی زبان میں (صدق) کہتے ہیں اور جس کے قائل و حامل کو صدّیق۔ یہ استفادہ اب تک بفضلِ ایزدی جاری ہے۔ اس کا جو پہلو جاءَ بالصدق (سچی بات لے کر آیا) کا مصداق ہوتا ہے، بفضلہ دل میں صدّق بہٖ (سچ مانا) کی کیفیت بڑھاتا ہے۔ زاد اللہ فیوضہٗ۔

دیگر مباحث کے ساتھ ساتھ، وقتاً فوقتاً مدیرِ محترم مولانا عبدالماجد صاحب

کے قلم سے سیرتِ نبویؐ پر چند نہایت بلیغ اور ایمان پرور مقالات شائع ہوتے رہے، دل کی دیرینہ تمنا تھی کہ یہ سدا بہار پھول ایک بصیرت افروز گلدستہ کی صورت میں ناظرین کے سامنے آجائیں۔ آج محترم مدیر صدق کی اجازت سے مجھے اس کی ترتیب اور ادارہ اشاعت اردو کو اس کی اشاعت کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ للّٰہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست ؛ آخر آمد زپس پردہ تقدیر پدید

جناب مولوی سیّد عبدالرزاق صاحب، جناب مولوی سیّد عبدالوہاب صاحب مالکان "ادارہ واعظم اسٹیم پریس" اور چودھری محمد اقبال سلیم صاحب گاہندری مہتمم "ادارہ اشاعت اردو" اس حسنِ اقدام پر قابلِ مبارک باد ہیں۔

زندگی کا حقیقی جوہر حسنِ سیرت ہے۔ زندگی کی رفعت اور عظمت کا مدار صرف سیرت پر ہے۔ انسانی فطرت کا بہترین مظہر سیرت ہی ہے۔ سیرت فطرت انسانی کے لوازم کا ایک اخلاقی نظام ہے۔ جس کا اعلیٰ نمونہ ایک متوازن، مربوط اور مرصع شخصیت پیش کرتی ہے۔ سوسائٹی اور انسانی اجتماع کا خمیر ایسی ہی سیرت و شخصیت سے عبارت ہوتا ہے ؎

جوہرِ طینت آدم زخمیرِ دگر است
تو توقع زگلِ کوزہ گراں می داری

سیرت کی تکمیل بڑی صبر آزما ہوتی ہے۔ زندگی کی قدر و قیمت کا

معیار سیرت کی بلندی اور اس کا وزن ہے۔ زندگی میں حقیقی کامیابی کے لئے سب سے زیادہ ضروری اور اہم استوار سیرت ہے۔ پاکیزہ سیرت ہی نے بڑوں کی یاد کو دوام اور ان کے ذکر کو رفعت بخشی ہے۔ کمال سیرت کیا ہے علم و عمل کے اعلیٰ صفات کا توازن۔

انبیاء علیہم السّلام کی سیرت ہی تاریخ انسانی کا بہترین باب ہے۔ محاسن انسانی کا جامع ترین نمونہ سیرت محمدؐی یعنے "خُلق عظیم" ہے۔ آنحضرت صلعم کا اسوۂ حسنہ انسانیت کی سب سے زیادہ قیمتی متاع ہے جس کی اشاعت اور اتباع کے بغیر صحیح انسانی تربیت ممکن نہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سیرت نگاری کا نازک ترین مرحلہ درپیش ہوتا ہے۔ سیرت نگاری بقول شخصے عبارت ہے آئینہ کی عکس ریزی اور مصور کی قلم کاری سے۔ یوں بھی سیرت نگاری سارے فنون لطیفہ سے کہیں زیادہ اہم اور بلند ہے۔ لیکن "خُلق عظیم" کے نقش و نگار بنانے میں اندازہ فرمائیے کہ سیرت نگار کی ذمہ داری کس حد تک بڑھ جاتی ہے ؎

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ اینجا
(عزت بخاریؒ)

توفیق الٰہی سے مولانا عبدالماجد صاحب (زاد اللہ اخلاصہم) نے یہ نازک مرحلے بڑی کامیابی سے طے فرمائے ہیں۔ ایک

سچی بات۔

سچے سیرت نگار کی طرح آپ کا مطالعۂ سیرت نبویؐ بڑا گہرا ہے۔ صاحبِ سیرت کے ظاہر و باطن کے مشاہدہ اور احساس میں آپ نے کمال پیدا کیا ہے۔ علمِ دین اور معرفت کا یہی منتہائے مقصود ہے۔ سیرتِ مبارک کے جن پہلوؤں پر آپ نے قلم اٹھایا ہے، ان سے آپ کی دقتِ نظر اور عمقِ فکر صاف ظاہر ہے۔ تلاش و تحقیق کا کمال آئینہ ہے۔

آپ نے اس مایوس کن ماحول کی تصویر کے اہم خط و خال بڑی خوبی سے پیش کئے ہیں جس میں "خُلقِ عظیم" کا انقلاب انگیز فیضِ تربیت شروع ہوا۔ تبلیغ و تعمیر میں آنحضرتؐ کی آواز کے خلاف کیوں گردولت، امارت، حکومت، اور مذہبی اجارہ داروں کا ایکا تھا۔ اس کے مقابلہ میں تنگدستوں، ضعیفوں اور شکستہ حالوں کی ایک جماعت کو کامیابی اور کامرانی کی بشارتِ الٰہی کیوں کر ملی، کیونکہ اس پر ان کے ایمانِ محکم ہی نے، ان کو کامرانی کی منزلوں تک پہنچایا۔ جب ہم ان مقامات سے گذرتے ہیں جہاں افضل ترین رسولؐ اس حال میں پیش کیا گیا ہے کہ لوگ لڑ رہے ہیں، وہ صلح کرا رہا ہے، قوم چھیننے میں مصروف ہے، یہ بانٹنے میں، دنیا تحصیل و فراہمی میں لگی ہے، یہ عطا و بخشش میں، عالم مخلوق پرستی میں مبتلا ہے اور اس کے دل کو خالق کی لو لگی ہے تو سیرت نگار کے احساس صداقت اور کمال ہنر کا پتہ چلتا ہے۔

ان میں سے اکثر مضامین قرآن پاک کی بعض سورتوں کی تفسیر ہیں، واقعات سیرت کی روشنی میں۔ یہی اس تفسیر کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔ رسولِ واجب التعظیم کے خلقِ عظیم کی زبان عائشہؓ نے "(کان خلقہ القرآن)" کے الفاظ میں ترجمانی فرمائی۔ اس مجموعہ کے بعض مقالات اسی حقیقت کے نہایت بلند پایہ نمونے ہیں۔

قرآن اور سیرت نبیؐ کا ربط، دین کی معرفت کا انتہائی مقام ہے ؎

آشکارا دیدنش اسرائے ما
در ضمیرش مسجدِ اقصائے ما

خدا کی یہ کتاب حاملِ کتابؐ کی صداقت پر دلیل شاہد ہے تو حاملِ کتاب اصل کتاب پر گواہ ع

ایں دو شمع اند کہ از یکدگر افروختہ اند

جو کچھ علوم قرآن کی بابت، بربنائے حقیقت کہا جاسکتا ہے۔ وہی سیرت نبیؐ کی بابت حرف بحرف صحیح ہے۔ جس طرح حکمت قرآن انسانی ترقی کے سارے ممکنات کو حاوی ہے۔ سیرۃ نبویؐ بھی اپنی جامعیت میں سیرت انسانی کی ترقی کے سارے مدارج پر حاوی ہے۔ قرآن علمِ ایمانی کی لامحدود کائنات ہے۔ اور سیرتِ نبویؐ اسی عمل کا ایک لامحدود عالم اس باب میں اجتہاد اور نئے نئے نتائج

کا استنباط نہ ختم ہوا ہے نہ کبھی ہو گا۔ رسولؐ اسلام کے ذکر کی رفعت کسی نقطہ پر ٹھیری ہے نہ ٹھیرے گی۔ ہر اداشناس نبوّت کی نظر، عبدیت کے اس پیکر کامل کے (صلی اللہ علیہ وسلم) چند خاص خط و خال پر پڑتی ہے۔ اہل نظر اس سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ ذکر رسولؐ کا یہ مجموعہ لطیف بھی گوناگوں خصوصیات و امتیازات کا حامل ہے۔

ان مقالات میں بڑی خوبی سے اُس ہمہ گیر انقلاب کی تشریح کی گئی ہے جو رسولؐ اسلام کی نظر کیمیا اثر کی بدولت ظہور میں آیا جس عظیم الشان انقلاب سے فیض پانے والوں کی کایا پلٹ کر رہ گئی۔ جس انقلاب کا اثر یہ ہوا کہ مشرک، توحید الٰہی کے داعی بن گئے۔ جو بدمستی کے دلدادہ تھے، وہ دُنیا میں حُرمتِ شراب کے علمبردار بن گئے۔ جو چور اور اُچکے تھے، ان کا احساس دیانت اتنا نازک ہو گیا کہ دوستوں کے گھر کھانے میں بھی ان کو تامل ہوتا تھا۔ جو لٹیرے تھے وہ اس درجہ متدین ہو گئے کہ ان کے معمولی سپاہی ہزاروں اور لاکھوں کا مالِ غنیمت کمالِ دیانت سے اپنے سپہ سالاروں کے ہاں پہونچا دیتے تھے۔ لوٹ کھسوٹ پر بسر کرنے والے سُود کو حرام اور زکواۃ و صدقات کے نظام کے قایم کرنے والے بن گئے۔ زرپرست سرمایہ داری کو اس طرح مٹانے لگے کہ لوگ زکواۃ لیکر پھرتے تھے اور لینے والا نہ ملتا تھا۔ وہ جن کی نظر میں انسانی جان کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی، اور اپنی بیٹیوں تک کو زندہ دفن کرتے تھے

جان کا ایسا احترام کرنے لگے کہ کسی مُرغ کا بھی بغیرِ حق قتل ہونا پسند نہ کرتے تھے۔ ظلم جن کی اُفتادِ طبیعت تھی اپنی جان و مال کے دشمنوں تک کے ساتھ عدل کا لحاظ کرتے تھے۔ اسی حیرت انگیز انقلاب کی تفسیر کی بدولت اس کتاب کا نام مُردوں کی مسیحائی تجویز ہوا جو اس کے اوّلین مقالہ کا عنوان بھی ہے۔ درحقیقت یہ اسم بامسمیٰ ہے۔

مقالاتِ نکاح و طلاق، سیرتِ نبویؐ کے درحقیقت متعلقہ پہلوؤں اور اُس ہمہ گیر انقلاب کے ان اقدار کو واضح کرتے ہیں جو نظامِ وحیاتِ ازدواج میں نمودار ہوئے۔ تمدنِ جدید جن کا اپنی اصلاح میں حد درجہ محتاج ہے۔ ایک مضمون مستشرقین کے اُن دقیق تلبیسات اور خفی دجل و کید کو بے نقاب کرتا ہے جو سیرت نگاری کے سلسلہ میں وہ اختیار کرتے ہیں۔ غیروں کی تصانیفِ سیرت کے مطالعہ میں یہ ایک رہنما ہے۔ آپ نے نمایاں واقعات کے ساتھ ساتھ واقعاتِ سیرتِ پاک کے کئی ایسے اشاروں کو بھی الفاظ کا جامہ پہنایا ہے جن کی روح پرور خاموشی اور کشش کا بھولنا ممکن نہیں۔ اس کے بغیر بے شمار خفیف اشارے اور جلوے ہماری نگاہوں سے اوجھل رہتے۔ اس کی اہمیت اور دلکشی آپ کی بصیرت کی ادا شناسی اور مہارتِ نفسیات کا اظہار کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ صاحبِ سیرتؐ کے اصلی اور بنیادی اجزاء ہمیشہ آپ کے پیشِ نظر رہتے ہیں جس کے باعث دیگر اجزاءِ سیرت کا اصلی محل و مقام پہچاننے

میں حقیقی رہبری حاصل ہوتی ہے۔ سیرت کے اس مرقع کی بابت بے اختیار زبان پر آجاتا ہے کہ ع

من نیز حاضر می شوم تصویرِ جاناں در بغل

معنوی محاسن کے علاوہ ادبی نقطۂ نظر سے یہ مقالات انشاء اور حسنِ بیان کے نہایت بلند پایہ نمونے ہیں۔ جگہ جگہ آداب نبوت کے شایانِ شان تعبیر کے انداز مصنف کی تہذیب باطن، لطافتِ ذوق ادب شناسی اور خوش بیانی کے کمالات کے آئینہ دار ہیں۔ سیرت نگاری کا ایسا ہی کمال اپنی صداقت سے پڑھنے والوں کے ایمان ویقین کو بڑھاتا اور مضبوط کرتا ہے۔ حُسنِ عقیدت، کمالِ تحقیق، اور حُسنِ تعبیر کا یہ نادر مجموعہ اُردو کے سیرت و ادب کے ذخیرہ میں نہایت گراں بہا اضافہ ہے۔ دوامی قدر و قیمت کا حامل ہے۔ خدا مصنف کو ہم سب کی طرف سے بہترین جزا دے۔ آمین بحق طٰہٰ و یٰسین

یہ تو سیرت نگاری کے انسانی ممکنات و کمالات کا ذکر ہے ورنہ ؎

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

محتاجِ دُعا نیاز کیش
غلام دستگیر رشید

مردوں کی مسیحائی

مُردوں کی مسیحائی

گمراہی کی سیاہ چادر۔ انسان زندہ بنایا گیا ہے لیکن یہی زندہ کبھی مُردہ بھی ہو جاتا ہے۔ دنیا روشن پیدا کی گئی ہے لیکن یہی روشنی کبھی تاریکی میں بھی تبدیل ہو جاتی ہے۔ روئے زمین کے مختلف حصوں میں بڑے بڑے ہادی و رہنما آئے اور گذر چکے۔ لیکن اب ایک مدت سے دنیا اُنکی ہدایتوں سے محروم ہے[1]۔ بارش اپنے موسم میں زمین کو خوب سیراب کر چکی تھی، لیکن اب جلتی اور تپتی ہوئی زمین کے ہونٹوں پر پیاس سے خشکی کی پپڑیاں جمی ہوئی ہیں۔ آخری نبی حضرت مسیحؑ کے زمانہ کو ساڑھے پانچ سو سال کی مدت گذر چکی ہے، اور اب سطح زمین نورانیت کے فیض سے یکسر محروم ہے۔ دن کی روشنی چھپ چکی ہے، اور عالم انسانیت پر رات کی سیاہی چھائی ہوئی ہے۔ کسی ایک ملک کی تخصیص نہیں، آفتاب کے طلوع ہونے کی جگہ، مشرق، اور آفتاب کے غروب ہونے کی جگہ، مغرب، سب گمراہی و سرگشتگی کی اسی سیاہ چادر میں لپٹے ہوئے ہیں[2]۔

---

[1] علیٰ فترۃٍ من الرسل (مائدہ، ع ۳)

[2] یورپ اس زمانہ میں مذہبی، اخلاقی، تمدنی، سیاسی، ہر حیثیت سے جن گندگیوں میں مبتلا تھا، اُسکی تفصیل اردو میں لیکی کی تاریخ "اخلاق یورپ" (مترجمہ عبدالماجد) کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔ لیکی کے علاوہ ڈریپر، ملّمین، اور دوسرے بیشمار مصنفین میں سے جس جس نے بھی مسیحی قوموں کی تاریخ، پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی کی لکھی ہے، سب نے اسی داستان کو اپنے رنگ میں دہرایا ہے۔ ڈریپر کے الفاظ ملاحظہ ہوں:-
"یہ وہ زمانہ تھا کہ کلیسائے عیسوی کا شیرازہ پادریوں کے حُبّ جاہ اور خباثت نفس کی وجہ سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰ پر)

بحر و بر، شرق و غرب، عرب و عجم سب کی روحانی زندگی موت سے
ظہر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس (روم ع ۵)
تبدیل ہو چکی ہے، اور کائنات انسانی کی ساری فضا شقاوت، نفس پرستی،
بدی و بدکاری، شرارت و نفاق کے گہرے بادلوں سے سیاہ ہو رہی ہے!

محروم عرب - یہ حال سارے عالم انسانیت کا ہے، لیکن براعظم ایشیا کے جنوب و مغرب کا وہ حصہ، جو عرب کے نام سے موسوم ہے، اس عموم میں ایک خصوصیت رکھتا ہے - یہ سرزمین جس طرح مادی حیثیت سے بنجر ہے، شاید اسی طرح ابتک فطرت کی روحانی بارشوں اور بخششوں سے بھی محروم ہے - اس کی تباہ کاریاں اور تیرہ بختیاں سارے عالم کے لئے ایک نمونہ عبرت ہیں - بیمار کل دنیا ہے لیکن عرب کا مریض دق میں مبتلا ہے - خشک سالی سب کہیں ہے، لیکن یہاں قحط شدید پڑا ہوا ہے - اس کی اخلاقی پستی حد سے گذر چکی ہے، اس کی روحانی بیماریاں تقریباً لاعلاج ہو چکی ہیں، اس کی سرکشی و تباہ کاری، خود پرستی

(باقی سلسلہ حاشیہ صفحہ ۲) پراگندہ ہو رہا تھا، اجتہادات کرشان اجماع بخشنے کے بہانے سے اکثر کونسلوں کے اجلاس منعقد ہوتے تھے لیکن انعقاد کا اصل مقصد پوشیدہ رکھا جاتا تھا۔ بسا اوقات ان کونسلوں میں جبر، ارتشا، وبددیانتی کا سماں نظر آتا تھا۔ مغرب میں بطریق کا عہدہ دولتمندوں عیش و عشرت اور شکوہ و طمطراق کی ایسی ہیئت آرا ترغیبات پیش کرتا تھا کہ اس عہدہ پر کسی پادری کے نامزد ہونے کے وقت خونریز ہنگاموں کا واقع ہونا سا واقعہ ہو گیا تھا .... یہ تمام فرقے اگرچہ عقائد میں ایک دوسرے کے حریف تھے، لیکن ایک بات قدرِ مشترک کے طور پر ایسی بھی تھی، جس پر ان سب کا اتفاق تھا، اور وہ بات تھی آپس کی باہمی نفرت و عداوت، جس نے ہر فرقہ کو دوسرے فرقہ کی جان کا دشمن بنا رکھا تھا (معرکہ مذہب و سائنس صفحہ ۸۰ ترجمہ مولوی ظفر علی خاں صاحب) لیکی کے بیانات کا نمونہ بھی قابل ملاحظہ ہے :-
"کلیسا کی اشاعت بربریوں کے درمیان ہو رہی تھی، جنہیں علم و تمدن سے کوئی مس نہ تھا۔ ظلم و جبر مکر و فریب آوارگی و اوباشی کی وہ گرم بازاری تھی کہ آدمی انکی داستانیں پڑھتے پڑھتے اکتا جاتا ہے۔

الاعراب اشد کفراً و نفاقاً و اجدر الا یعلموا حدود ما انزل اللہ علیٰ رسولہ (توبہ، ع ۱۲)

خدا فراموشی، عقائد کی خرابی، اور اعمال کی ابتری، نے اسے اس لایق بھی نہیں رکھا ہے، کہ کوئی بشری کوشش اصلاح حال میں کامیاب ہوسکے۔ رشد و ہدایت، پاکبازی و پاکیزہ خوئی حسن عمل و نیک کرداری کا کیا ذکر ہے، اب تو اس قوم کی ساری زندگی کا خلاصہ صرف ایک لفظ گمراہی یا ضلالت، میں بیان کیا جاسکتا ہے اور ضلالت بھی کیسی؟

وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین (جمعہ، ع ۱)

تاویل و توجیہ کی گنجایش سے ماورا ر بالکل واضح و صریح! ساری اصلاحوں کی بنیاد قلب کی صلاحیت پر ہوتی ہے۔ قلب میں جب تک نرمی و گداز باقی ہے، اس وقت تک اصلاح حال کی امید قائم کی جاسکتی ہے لیکن ان بدنصیبوں کی نوبت یہاں تک پہونچ چکی ہے، کہ ان کے سینوں میں انسانیت کی نرمی، اور قلبوں میں آدمیت کے چشمے خشک ہوچکے ہیں۔

فہی کالحجارۃ او اشد قسوۃ (بقرہ)

اور اس کے بجائے دلوں میں پتھروں کی سی سختی، بلکہ پتھروں سے بھی بڑھ کر سختی پیدا ہوگئی ہے، اور قبول حق کے گویا سارے دروازے انھوں نے

(باقی حاشیہ صفحہ ۳) ملکہ فریڈیگونڈ و ملکہ برنہالٹ کا نمبر اپنی خوں آشامیوں اور ہوسناکیوں کے لحاظ سے ایک سے ایک بڑھا ہوا تھا۔ اور جیسی یہ دونوں تو ملکہ تھیں، ہر طبقہ نے فسق و فجور و سیہ کاری کو اوڑھنا بچھونا بنا رکھا تھا۔۔۔۔ غرض اس زمانہ کی تاریخ کے جس کسی صفحہ کو ہم کھولتے ہیں، ہر جگہ ظلم و شقاوت سفاکی و فحش، بدچلنی و شہوت پرستی کے مناظر سے دوچار ہونا پڑتا ہے" (تاریخ اخلاق یورپ جلد ۲ صفحہ ۱۰۱ مترجمہ عبدالماجد)

اپنے ہاتھوں اپنے اوپر بند کر لیے ہیں! بدکاریوں اور بدکرداریوں میں مسلسل مبتلا رہتے رہتے ان کے دل و دماغ، انکی عقل و ذہن مسخ ہو چکے ہیں، حق و باطل، نیک و بد، نور و ظلمت کا فرق ان کی نظروں سے مٹ

اولئک کالانعام بل ہم اضل (فرقان)

چکا ہے۔ جانوروں کی سی کیفیت پیدا ہو گئی ہے، بلکہ اپنی کج فہمی، بے بصیرا اور تنگ نظری میں جانوروں سے بھی کچھ آگے نکل چکے ہیں!

مورخین کا بیان۔ یہ تصریحات اُس کتاب پاک کی ہیں، جو ہر قسم کے مبالغہ و افراط سے بالاتر ہے، اور جس کا ایک ایک حرف، صداقت و حقیقت کے اونچے سے اونچے معیار کا نمونہ ہے۔ تاہم بہتر ہوگا، کہ اس زمانہ کے "روشن خیال" اپنی تشفی کے لیے "محققین فن" و "ماہرین تاریخ" کے بیانات پر بھی ایک سرسری نظر کرتے چلیں۔

"دورِ جاہلیت کی متعدد خونی جنگیں مشہور چلی آتی ہیں، جو لڑائیاں اس شدت عناد کے ساتھ قائم رہتی تھیں یہ خانہ جنگیوں کی خصوصیت ہے۔ پشتہا پشت کے کسی بھولے بسرے واقعہ کا نثر یا نظم میں تذکرہ، عداوتوں کے خرمن میں چنگاری بنجانے کے لئے بالکل کافی ہوتا تھا، پھر ہر فرد، اگر نہیں، تو کم از کم ہر خاندان تو ضرور، اپنے تئیں ہر فیصلہ اور انتقام کا پورا مجاز سمجھتا تھا...... عورتوں اور ڈاڑھیوں کی توہین بات بات میں نکل آتی تھی کسی نے ذرا بھی بیجا شوخی کی، کسی نے ذرا بھی ہتک آمیز

بات کہی پس پھر مجرم کے خون کے بغیر جنگ نہیں فرو ہو سکتی۔ اور کینہ بھی اس بلا کا، کہ مہینوں بلکہ برسوں تک انتقام کا سلسلہ نہیں ختم ہوتا۔"
یہ الفاظ مشہور مورخ رومہ، ایڈورڈ گبن کے ہیں۔ (تاریخ زوال مملکت رومہ باب ۵۰)

"مکہ اور سارے جزیرہ نمائے عرب پر ایک بے اندازہ مدت سے روحانی موت طاری چلی آ رہی تھی۔ یہودیت، مسیحیت اور عقلیت، کا دماغ عرب پر کل اتنا ہی اثر ہوا تھا، کہ جیسے ایک پرسکون جھیل کی سطح پر کچھ ہلکی موجیں لہرانے لگیں، اور نیچے بدستور سکون قائم رہے۔ یہ لوگ وہم پرستی، شقاوت، و بدکاری میں ڈوبے ہوئے تھے، ایک عام دستور یہ تھا، کہ بڑے بیٹے کو باپ کی جائداد کے ساتھ اسکی بیویاں بھی ترکہ میں مل جاتی تھیں۔ جذبہ غرور، نیز افلاس کی بنا پر دختر کشی کی رسم بھی ان کے ہاں جاری تھی۔ ان کا مذہب شدید بت پرستی تھا . . . . حشر و جزائے کے عقیدہ سے گویا بالکل نا آشنا تھے۔"

"محمد کی بعثت سے قبل، عربوں میں مذہبی اصلاح کا ہو جانا ایسا ہی بعید از قیاس معلوم ہوتا تھا، جیسا کہ ان کا ملکی و سیاسی حیثیت سے ایک قوم بن جانا۔ دین عرب کی بنیاد بہت گہری بت پرستی پر تھی، جس کی اصلاح کی، مصری و شامی مسیحیت کی جانب سے صدیوں سے کوشش ہو رہی تھی اور ہمیشہ ناکامی ہی رہتی تھی۔"

یہ اعترافات سر ولیم میور کو کرنے پڑے ہیں۔ (لائف آف محمدؐ، باب ۱۲۔ نیز مقدمۃ الکتاب)

"انسان کی جان لے لینا سرے سے کوئی اخلاقی جرم ہی نہ تھا، نہ قتل اتفاقی و قتل عمد کے درمیان کوئی فرق کیا جاتا تھا.... قتل کا انتقام نہ لینا باعث توہین تھا...... شہوت پرستی و بے عصمتی کی گرم بازاری تھی۔ دوسرے کے مال کی حفاظت، پاس وفا، اور عزت کے جذبات کی، عرب جاہلیت میں کچھ قدر نہ تھی۔"

یہ شہادت اس مشہور دشمن اسلام کو دینی پڑی ہے، جسے دنیا آکسفرڈ یونیورسٹی کے پروفیسر مارگولیس کے نام سے پکارتی ہے۔ (محمدؐ بسلسلہ سوانح مشاہیر اقوام، باب اول)

"مکہ کے مادی تجارتی شہر میں غرض پرستی اور سودخواری کا دور دورہ تھا لوگوں کے وقت گزاری کے لئے عورتیں تھیں، شراب تھی جوا تھا۔ جسکی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون جاری تھا۔ بیوہ عورتوں، یتیموں، اور کمزوروں کا کوئی حق نہ تھا...... اللہ کے نام سے اہل مکہ ضرور واقف ہو گئے تھے، لیکن اپنی عملی زندگی میں انھوں نے اس سے کوئی سروکار نہیں رکھا تھا، اس لئے کہ خالق کے معنی ان کے نزدیک حاکم و مالک کے نہ تھے۔ اپنے نفع و نقصان اور حشر کا نہ سوچ کے لئے ان کے سر ہر صنف موجودات کے آگے جھکے ہوئے تھے۔"

تحقیقات، لیڈن یونیورسٹی (ہالینڈ) کے مشہور "تازہ" ماہر عربیات و اسلامیات، پروفیسر ہرگرونج کی ہے، جو امریکہ کی یونیورسٹیوں کے سامنے مخصوص اسی موضوع پر تقریریں کرنے کے لئے مقرر ہوئے تھے۔ (محمد ازم، باب اوّل)

خلاصۂ بیان کو ایک روشن خیال مسلمان کی زبان سے جنہوں نے اپنی قوم کے روشن خیالوں ہی کے لئے سیرت محمدی پر ایک ضخیم کتاب تالیف فرمائی ہے، سن لینا چاہیئے:—

"بتوں پر آدمیوں کی قربانی چڑھائی جاتی تھی۔ باپ کی منکوحہ بیٹے کو وراثت میں ملتی تھی۔ حقیقی بہنوں سے ایک ساتھ شادی جائز تھی۔ ازدواج کی کوئی حد نہ تھی۔ قماربازی، شراب خواری، زناکاری کا رواج عام تھا۔ بےحیائی کی یہ حالت تھی، کہ سب سے بڑا نامور شاعر امراء القیس، جو شاہزادہ بھی تھا، قصیدہ میں اپنی پھوپھی زاد بہن کے ساتھ اپنی بدکاری کا واقعہ مزے لے لے کر بیان کرتا ہے، اور یہ قصیدہ در کعبہ پر آویزاں کیا جاتا ہے۔ لڑائیوں میں لوگوں کو زندہ جلا دینا، مستورات کے پیٹ چاک کر دینا، معصوم بچوں کو تہ تیغ کرنا عموماً جائز تھا۔" (سیرۃ النبی مولانا شبلی، جلد اوّل، ص ۹۳)

فضا اور بعثت۔ یہ فضا ہے، جس میں ایک بیکس و بے یار و یتیم، ادران پڑھ بچہ اپنی آنکھیں کھولتا ہے۔ کارساز فطرت کی مشیت یہ ہوتی ہے کہ اسی بیکس و ناتواں کے ذریعہ سے، ایک قبیلہ کی نہیں،

ایک قوم کی نہیں، ایک ملک کی نہیں، سارے عالم، بلکہ سارے عالموں لیکون للعالمین نذیراً۔ کی اصلاح کا کام لیا جائے، اور انسے سارے جہانوں کی جانب یہ پیام دیکر بھیجا جائے، کہ فطرت سے بغاوت کرتے رہنے والوں کا بالآخر کیا انجام ہونیوالا ہے۔ پیامبر اپنا پیام پہونچاتا ہے، اور اس کے گردوپیش کی ساری شیطانی قوتیں دولت وقوت کے سایہ میں جمع ہوکر اس کی مخالفت وعداوت پر کمربستہ ہوجاتی ہیں۔ اس عالی ظرف کا ظرف، سالہا سال تک، ہر قسم کی تکلیف وتوہین، اذیت ورسوائی کے مقابلہ میں سپر بنا رہتا ہے تاآنکہ مخالفین کے حوصلے اور بڑھ جاتے ہیں، اور کھلم کھلا یہ مطالبہ ہونے لگتا ہے، اگر حق کی قوت ونصرت اس کے ساتھ ہے، تو آخر حق وباطل، نور وظلمت میں کھلا ہوا فرق، فرقان[1] اس پر کیوں نہیں نازل کردیا جاتا، جواب ملتا ہے، کہ فرقان تو شروع ہی سے اس کے ہمراہ ہے، قد تبین الرشد من الغی۔ حق وباطل کی راہیں تو آغاز ہی سے الگ الگ ہیں، البتہ اے بےبصرو، تم جو سوا مادی فتح وفیروزمندی کے کسی اور فرقان کو محسوس کرنے سے معذور رہو، اور دن رات اس قسم کے واہی تباہی خیالات اور بچوں کے سے مطالبات پیش کرتے رہتے ہو، کہ یہ پیمبر تو ہم ہی انسانوں کی طرح کھاتا پیتا، اور بازاروں میں مال ھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق لولا

---

[1] الفرقان ابلغ من الفرق لانہ یستعمل فی الفرق من الحق والباطل۔ (راغب)

انزل الیہ ملک فیکون نذیراً او یلقی الیہ کنز او تکون لہٗ
جنۃ یاکل منھا - چلتا پھرتا ہے، اُس کے ساتھ انسانی قویٰ سے
ماوراء کوئی فرشتہ کیوں نہ اُتارا گیا، یا اسے فکرِ معاش سے بے نیاز
کرنے اور عیش سے زندگی گزارنے کو غیب سے کوئی خزانہ اُس کے پاس
کیوں نہیں اتر آتا، یا اسے جنت کے موعودہ اور مفروضہ باغوں کی طرح
کوئی باغ کیوں نہیں نصیب ہوجاتا ! سو اپنی ان خام خیالیوں اور بے
مغزیوں کے جواب میں تیار ہوجاؤ" اسی دنیا میں فرقان اتر کر رہیگا
اور ایسا فرقان، جسے تمھارے مادی حواس بھی محسوس کرکے رہیں -
تم ایک غیبی قوت، فرشتے کے نزول کا مطالبہ کررہے ہو، اس نبی کا
مرتبہ تو کہیں بڑھ چڑھ کر ہے، اس کے غلاموں پر اُن اُن غیبی قوتوں کا
نزول ہوگا جس کی توجیہہ وتاویل، تاویل وتعلیل میں تمھارے بڑے
سے بڑے فلسفیوں اور حکیموں، عاقلوں اور داناؤں کی دانائی وزیرکی
عاجز رہ جائے گی - تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہٖ
اور آج تم ایک باغ کو انتہائی نعمت سمجھ رہے ہو کل دیکھنا کہ اسی بندہ
کے غلام، ان غلاموں کے غلام قیصر وکسریٰ کے تخت الٹ دیں گے،
رومہ وایران کی زبردست شہنشاہیاں زیروزبر کردیں گے، اور مصر
وافغانستان، عراق وایران، ترکی وہندوستان کے چمن وگلشن
سبزہ زار وگلستان ان کے قدموں سے پامال ہوکر رہیں گے -
ہدایت کی نورونشی - کیسی بابرکت، کس کثرت سے برکت نازل کرنیوالی

کس طرح دائمی و مسلسل برکت نازل کرنے والی، وہ پاک رات ہے جس نے
تبارک الذی جعل فی السماء بروجاً وجعل فیھا سراجاً وقمراً
منیرا۔ آسمان میں ستارے[1] اور روشن آفتاب[2] اور اُجالا کرنیوالا
چاند بنا دیا۔ جس پروردگار نے مادی رہنمائی و روشنی کے لیے سب کچھ
سامان مہیا کر دئے ہیں، کیا وہ اپنے بندوں کو روحانی روشنی و رہنمائی
کے سامان سے محروم رکھے گا؟ آفتاب اُسی وقت طلوع ہوتا ہے،
جب پہلے تاریکی اچھی طرح چھا چکی ہوتی ہے، دنیا کی روحانی تاریکی
اب اپنی انتہا کو پہونچ چکی ہے، وقت آگیا ہے، کہ سراج منیر، تمام
عالموں کے روشن کر دینے والے چراغ کا طلوع ہو۔ آفتاب جب
طلوع ہوتا ہے، تو اس کی تڑپ سے چاند بھی جگمگا اُٹھتا ہے، اور خود
روشن ہو کر دوسروں کو روشن کر دیتا ہے۔ اس آفتاب روحانی کی
ضیا باری بھی اسی شدت و قوت کی ہوگی، اس کی شعاعیں، دوسروں
کو منور کر کے انھیں خود چاند کی طرح نورانی و نور افگن بنا دیں گی پھر
یہ اُسی کارساز مطلق کا بنایا ہوا عام قانون فطرت ہے کہ رات اور
وھو الذی جعل اللیل والنھار خلفۃ لمن اراد ان یذکر
او اراد شکورا۔ دن ایک دوسرے کے پیچھے آتے رہتے
ہیں، اور جن کے دلوں میں نصیحت قبول کرنے اور بندہ شکر گزار بننے
کی صلاحیت ہے، ان کے درس کے لئے یہ قانون مادی بالکل کافی ہے۔

---

[1] عن قتادہ "قال البروج النجوم" (ابن جریر) [2] عن قتادہ قال السراج الشمس (ر)

جب عالم جسم و مادہ میں ہر رات کے بعد دن کا آنا لازمی ہے، تو کیا
کائناتِ جان و روح میں ہمیشہ تاریکی ہی چھائی ہوئی رہیگی؟ نفس پرستی
و خدا فراموشی کی طویل شب دیجور کا ختم ہوکر رہنا لازمی تھا، وہ ختم ہوئی
اور روحانیت کا آفتاب، اصلاح و ہدایت کا سورج طلوع ہوگیا۔

زندہ فرقان۔ اس زندہ فرقان کی عظمت کو دیکھو، اس نے
دیکھتے ہی دیکھتے تمھاری آنکھوں کے سامنے، اخلاق کی دنیا
میں کیا سے کیا انقلاب پیدا کر دیا۔ تم اس کے پیام میں طرح طرح
کی حجتیں نکالتے ہو، سرے سے رحمٰن ہی کے وجود میں شک کر رہے ہو
اور ڈھٹائی سے پوچھتے ہو، کہ وہ الرحمٰن؟ سو اپنے اس ان دیکھے رحمٰن
کی شانِ رحمت کو دیکھو، اس کی برکاتِ رحمانیت کا مشاہدہ کرو، کہ
تمھاری ہی بنجر سرزمین ہے، تمھاری ہی مردہ قوم ہے، تمھارے ہی گرد و پیش
کیسے کیسے بندگانِ رحمٰن پیدا ہو گئے ہیں، جو لوگوں سے بات بات پر
**وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونا واذا خاطبھم
الجاہلون قالوا سلما۔** (لڑنا، بلاوجہ الجھنا) تو الگ رہا صدیوں
کی اس عادت اور پشتہا پشت کی اس خصلت کو چھوڑ کر اب اس قدر
خاکسار و مسکین ہو گئے ہیں، کہ ہاتھ پیر کی زیادتیوں اور بات
چیت کی سختیوں کا ذکر نہیں، انکی رفتار تک انکی فروتنی و حلم
پر گواہی دے رہی ہے؟ اور از خود تو اب کسی سے کیا چھیڑ کریں گے!
جب دوسرے اپنی نادانی و سفاہت سے اپنی شرارت و خباثت سے

انھیں چھیڑتے ہیں، انکی دل آزاری کے لیئے ان پر اعتراضات کرتے
ہیں، تو اس کے معاوضہ میں بھی انکی جبین تحمل پر شکن نہیں پڑنے پاتی،
بلکہ حلم و آشتی، صلح و نرمی کے لہجہ میں اُن سے اپنی سلامتی چاہتے، یا انکے
حق میں سلامتی کی دعا کرتے ہوئے گذر جاتے ہیں! ابھی کل کی بات
ہے، کہ ساری ساری رات، شراب خواری، ناچ رنگ، اور
بیحیائی کے دوسرے مشغلوں میں کاٹ کر صبح کردیتے تھے، پر
آج وہی خدائے رحمٰن کے بندے ہیں، والذین یبیتون
لربهم سجدا و قیاما جو یہی نہیں، کہ اپنے اُن گندے مشغلوں
سے مجتنب ہو چکے ہیں، بلکہ اب انکی پوری پوری راتیں
نماز و عبادت کی، دعا و قرآن خوانی کی، اور تہجد کے سجود
و قیام کی نذر ہونے لگی ہیں! اور کچھ یہ نہیں، کہ یہ کسی کے ڈر اور
دباؤ سے کسی کی مروت میں، یا ریا و نمائش کی غرض سے کر رہے ہوں
بلکہ قانون پاداش عمل کی ہیبت ان کے دلوں پر طاری ہو چکی ہے،
والذین یقولون ربنا اصرف عنا عذاب جہنم ان عذابها
کان غراما انها ساءت مستقرا و مقاما - ہر بدی کے نتیجہ،
بد کا خوف ان پر غالب آچکا ہے، اور آخری سزاگاہ، دوزخ کی
سختیاں انکی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے پاتیں، اس لئے بکمال
خلوص و خضوع، اپنے پروردگار سے دعا کرتے رہتے ہیں، کہ ان سے
انھیں محفوظ رکھے، اور جب پر اس قدر ہیبت الٰہی غالب ہو گی، کہ وہ

لازمی طور پر اپنی زندگی کے ہر ہر جزئیہ میں نیکی و نیک کرداری، تقویٰ
و حسن عمل کی دوڑ میں برابر لگا رہے گا پس یہ نیک اور برگزیدہ بندے
**والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین
ذالک قواماً** - بھی محض حقوق اللہ کی ادائی میں مستعد نہیں،
بلکہ حقوق العباد کے ادا کرنے میں بھی ویسے ہی محتاط و ذوق شناس
ہیں۔ چنانچہ خرچ کے معاملہ میں، یہ گناہوں میں خرچ کرنے سے
رکے رہتے ہیں، عیاشی میں یہ نہیں خرچ کرتے، شراب خواری
میں یہ پیسہ نہیں برباد کرتے، نام و نمود کے لئے یہ اپنی تھیلیاں
نہیں کھولتے، اور جب طاعت میں خرچ کرنے کا وقت
آتا ہے، جب غریبوں اور بیکسوں کی امداد کا وقت آتا
ہے، جب اللہ کے نام پر پیسہ لگانے کی ضرورت پڑتی
ہے تو اس وقت ان کا ہاتھ نہیں رکتا، اس وقت یہی
سب سے بڑھ کر خرچ کرنے والے نکلتے ہیں، اور اس طرح
انکے مصارف، اسراف و بخل دونوں برائیوں سے بچکر
ٹھیک اپنے صحیح موقع اعتدال پر ہیں۔

حکمائے قدیم نے کبائر معاصی کو انسان کی تین قوتوں کا نتیجہ
بتایا تھا، قوت وہمیہ، قوت غضبیہ، قوت شہویہ - اور ان تینوں کے
نتائج شرک، قتل، و زنا کاری کی صورتوں میں ظاہر ہوتے تھے۔
علمائے یہاں کی تحقیق میں نفس انسانی کی تحلیل عقل، ارادہ

وجذبات کی عناصر ثلاثہ میں کی گئی ہے، اور ان تینوں میں جب اختلال و بدنظمی پیدا ہوگی، تو اہم گناہوں کی یہی تین صورتیں نمایاں ہونگی، انتہائی بدعقلی، نافہمی، وجہالت کا نتیجہ شرک ہے، قوت ارادی کا بے قابو ہو جانا، قتل و ہلاکت پر ختم ہوتا ہے۔ جذبات پر قابو نہ رکھنے کی آخری صورت زناکاری ہے۔ نسل انسانی جب کبھی اور جہاں کہیں بھی تباہ ہوئی ہے انھیں معاصی میں مبتلا ہو کر تباہ ہوئی ہے۔ عرب جاہلیت موجودہ جاہلین فرنگ کی طرح، خصوصیت کے ساتھ انھیں بلاؤں میں مبتلا تھے۔ "زندہ فرقان" کا اعجاز یہ تھا

اعجاز یا انقلاب۔ "زندہ فرقان" کا اعجاز یہ تھا، کہ اس زہریلی فضا، اس وبائی ماحول میں بھی اپنے مُرید، بندگان رحمن کو ان وباؤں کے اثرات سے بالکل محفوظ کر دیا، کہ یہ وہ لوگ ہیں جو نہ خدا کے سوا

والذین لا یدعون مع اللہ الٰھا اٰخر ولا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق ولا یزنون ومن یفعل ذٰلک یلق اثاما، یضٰعف لہ العذاب یوم القیٰمۃ ویخلد فیہ مھانا الا من تاب واٰمن وعمل عملا صالحا فاولٰئک یبدل اللہ سیاٰتھم حسنٰت وکان اللہ غفورا رحیما۔

کسی اور معبود کو پکارتے ہیں، نہ ناحق کسی کو قتل کرتے ہیں، اور نہ زنا کرتے ہیں، اور جانتے رہتے ہیں، کہ ان بداعمالیوں

میں پڑنے والے اپنے کیفر کردار کو پوری طرح پہونچ کر رہیں گے
البتہ ان بداعمالیوں کے بعد جس نے انھیں برا سمجھ کر ترک کر دیا، اور نیکی
کے راستہ کو پہچان لیا، اور پھر اسی راہ پر چلا بھی، سو خدائے غفور و رحیم
خواہ مخواہ تکلیف کسی کو نہیں دیتا، وہ انکی موجودہ نیکیوں سے انکی پچھلی
برائیوں کو محو کر دیگا۔ اور ایسا ہونا تو اس کے بنائے ہوئے قانون
فطرت کے عین مطابق ہے، اس لئے کہ جس کسی نے بدی کو بد سمجھ کر

ومن تاب وعمل صالحاً فانہ یتوب الی اللہ متاباً۔

ترک کر دیا یا بالفاظ دیگر اس سے توبہ کر لی، اور اس کے بعد نیک عمل
کرنے لگا، تو اس کے معنی ہی یہ ہیں، کہ اسنے شیطان سے اپنی دوستی
قطع کر کے، اللہ سے اپنا رشتہ جوڑ لیا، اور ٹیڑھے راستہ کو چھوڑ کر سیدھے
راستہ پر پڑ گیا۔

جھوٹ اور لغو سے بچاؤ۔ ابتک انکی زندگیوں کا سررشتہ جھوٹ
اور ناراستی، نمود و نمایش، ریا اور بناوٹ کے دامن سے وابستہ تھا،
آج یہ دیکھتے دیکھتے اتنے پاک و صاف ہو گئے ہیں، کہ خود جھوٹ بولنا

والذین لا یشہدون الزور واذا مروا باللغو مروا کراماً

اور جھوٹی کارروائیوں میں شریک ہونا تو در کنار، جھوٹی زندگی رکھنے
والوں کے پاس تک نہیں پھٹکتے۔ جھوٹ اور تصنع انکے شہود میں سرے
سے آتا ہی نہیں، اور اگر محض اتفاق سے کسی ایسے مجمع میں پھنس جاتے
ہیں، جو کسی لغو و لایعنی مشغلہ میں مبتلا ہوتا ہے، تو یہی نہیں، کہ ان کے

پاک نفوس ان شیطانی ترغیبات کی جانب سے بے رغبت رہتے ہیں، بلکہ ان کے شیوۂ کریمانہ اور روش بزرگانہ کو دیکھ کر خود وہ جماعت متاثر ہو جاتی ہے۔ وہ زمانہ گزر گیا جب ان کے سامنے اللہ کی

والذین اذا ذکروا بآیات ربہم لم یخروا علیہا صما و عمیانا۔

نشانیاں۔ اس کی قدرت و عظمت کی نشانیاں گذرتی رہتی تھیں، اور یہ بہرے اور اندھے بنے ان کی طرف سے غافل اور بے خبر رہتے تھے۔ اب ان کے کان کھل گئے ہیں ان کی چشم بصیرت روشن ہو چکی ہے۔ اب دنیا ان کے لیے ایک تماشا گاہ نہیں بلکہ دار العمل ہے۔ اب یہ نیکی و بدی کے قانون کو عمل و جزائے عمل کے اصول کو رب رحمٰن و رحیم کے بتائے ہوئے سیدھے راستہ کو اچھی طرح سمجھ گئے ہیں۔ خود ان کی زندگیاں تو اخلاقی بیماریوں کے جراثیم سے بالکل پاک ہو چکی ہیں۔ اس منزل سے گذر نے کے بعد قدرتاً اب انکے دل میں یہ تمنا غالب ہے، اور یہ اسی کی دعائیں کرتے رہتے ہیں؛ ان کے قریب ترین متعلق

والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا و ذریاتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما۔

رکھنے والے، انکی بیویاں اور انکی اولادیں انکی آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائیں، خود انھیں کے رنگ میں رنگ جائیں انکی زندگیاں بھی انھیں کے نمونہ پر ڈھل جائیں، اور دوسروں کو

راہ راست دکھانے کا جوش انھیں اس درجہ بیتاب کئے ہوئے ہے، کہ محض اپنی زندگی کے سدھار نے پر قانع نہیں بلکہ دوسرے متقیوں کے لئے اپنی زندگی کو بطور نمونہ پیش کرنا چاہتے ہیں! اللہ اکبر! کمال روحانیت کی ترقی کو دیکھنا یہی نہیں کہ خود اچھے بن گئے، یہی نہیں کہ دوسرے اچھوں کے ساتھ ہوگئے بلکہ اس مرتبہ کی تمنا اور طلب، کہ دوسرے پاکوں اور اچھوں کی پیشوائی اور امامت حاصل ہو جائے جس کو سارے متقی مل کر اپنا امام و مقتدی تسلیم کریں اسکے مرتبہ کمال، اس کے ارتقاء روحانیت کا کچھ ٹھکانا ہو سکتا ہے! اس کی زندگی جو دوسرے کاملوں کے لئے نمونہ کا کام دے سکے، خود کس درجہ کامل ہوگی؟

خزاں اور بہار۔ زمین خشک اور پیاسی پڑی ہوتی ہے، بارش کے فیض سے افسردہ چمن لہلہانے لگتا ہے، مردہ کھیتی میں جان پڑ جاتی ہے، سوبا ہوا سبزہ جاگ اٹھتا ہے۔ باغ سنسان پڑا ہوتا ہے، پتیاں مرجھا مرجھا کر گر چکتی ہیں۔ بہار کی ہوا چلتے ہی نئی اور ہری پتیاں نکل آتی ہیں، اور اجڑا ہوا باغ پھر سرسبز و شاداب ہو جاتا ہے۔ عالم پر شب کی سیاہی چھائی ہوتی ہے، ہر شئے تاریکی میں گم ہوتی ہے۔ صبح کے طلوع ہوتے ہی، ہر طرف اجالا پھیل جاتا ہے، اور ہر ذرہ روشن ہونے لگتا ہے۔ ایک پاک روح دنیا میں اصلاح و تزکیہ

کے لئے آتی ہے اور اپنے فیض صحبت سے، بہت سے اندھوں کو بینا، بہت سے بیماروں کو تندرست اور بہت سے مُردوں کو زندہ کر دیتی ہے۔ کارخانۂ فطرت میں اس قانون فطرت کی نظیریں برابر ملتی رہتی ہیں۔

مُردوں کی مسیحائی - لیکن دنیا میں یہ انقلاب روحانی پیدا کر دینا کہ کل تک جو رہزن تھے، وہ آج اچھے رہبر ہی نہیں، بلکہ بہترین رہبر بھی ہو جائیں، کل تک جن کی زندگی فسق و فجور کی نذر تھی، آج وہ اتنے بلند و مقدس مرتبہ پر پہونچ جائیں، کہ خود صداقت و پاکیزگی کو ان کے انتساب سے شرف ہو جائے، کل تک جو مردہ تھے، وہ آج زندہ ہی نہیں، بلکہ دوسروں کو زندہ کر دینے والے بن جائیں، ایسے آفتاب کا طلوع جو ہر ذرہ کو آفتاب بنا دے، ایسے مسیح کا نزول جو مُردہ کو مسیح بنا دے ـــــ اسکی نظیر دنیا کی تاریخ میں، بجز سرور عالم صلعم کے صحابیوں، بجز محمدؐ کے غلاموں، کے اور کہیں بھی مل سکتی ہے؟

نادانوں کا قول ہے، کہ خاتم النبیینؐ نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا، حالانکہ یہ پاک زندگی شروع سے آخر تک خود ایک معجزہ تھی، اور اس کا کوئی جزئیہ ایسا نہ تھا، جو اپنے اندر ایک اعجازی رنگ نہ رکھتا ہو!

اس "زندہ قرآن" کے ان زندہ معجزوں کے ہوتے ہوئے، کشتیٔ نوحؑ، گلزارِ خلیلؑ، عصائے موسیٰؑ، تختِ سلیمانؑ، حسنِ یوسفؑ، دمِ عیسیٰؑ، کسی محدود، وقتی و مقامی معجزہ کی کچھ بھی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی نہ اس وقت راز تھی، نہ آج راز ہے۔ ابولہب و ابوجہل اور انکے سارے ہمنشینوں نے اس وقت دیکھا، کہ بدبودار اور بدصورت کھاد، گملے میں پڑی اور انکی آنکھوں کے سامنے، شاداب و خوشرنگ مہکتے ہوئے گلاب کے پھول میں تبدیل ہوگئی، حق کی قوت، ہر تردید و تغلیط کے خطرے سے بے پروا ہے۔ زندہ جاوید رسولؐ کے زندہ معجزہ کا جواب نہ اس وقت بن پڑا، نہ آج حق کے جھٹلانے والوں، محمدؐ کے دشمنوں اور ابولہب و ابوجہل کے موجودہ جانشینوں میں سے کسی کے بس کی بات ہے!

اللہ مراتب بلند کرے، اکبر الہ آبادی کے، سارے مضامین نعت کا نچوڑ ایک شعر میں کھینچ کے رکھ دیا ہے ؎

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا!

یتیم کا راج

یتیم کا راج

تمدن کی نمایش گاہوں سے دُور کچھ کم چودہ سو برس کا زمانہ گذرتا ہے کہ تمدن کی نمایش گاہوں سے کوسوں دُور تہذیب کے سبزہ زاروں سے الگ، ایک ویران و بے رونق بستی ہیں، چلچلاتی دھوپ والے آسمان کے نیچے، خشک اور پتھریلی سرزمین کے اوپر، ایک شریف لیکن ان پڑھ اور بے زر خاندان میں، ایک بچہ عالم آب و گِل میں آنکھیں کھولتا ہے۔

دعوی کی دلیل صرف خدا کا سہارا - شفیق باپ کا سایہ پہلے ہی سے اُٹھ چکتا ہے، ماں بھی کچھ ہی روز بعد سفر آخرت اختیار کر لیتی ہیں، تربیت کے جو ظاہری قدرتی ذریعے ہیں۔ وہ یوں گم ہو جاتے ہیں۔ بوڑھے دادا اپنے آغوش تربیت میں لے لیتے ہیں۔ لیکن بچہ کا بچپن ابھی ختم نہیں ہونے پاتا کہ وہ بھی ہمیشہ کی نیند سو جاتے ہیں۔ گھر میں نہ نقد ہے نہ جائداد، نہ حکومت ہے نہ ریاست۔ خانہ ویرانی کا یہ عالم ہے، کہ نہ ماں ہے نہ باپ۔ نہ دادا ہیں نہ دادی، نہ بھائی ہیں، نہ بہن۔ تن تنہا، بے ساز و سامان، بے یار و مددگار، ایک نو عمر اللہ کا بندہ ہے، جسے سہارا ہے تو اسی نظروں سے اوجھل مولا کا، اور آسرا ہے، تو اسی نگاہوں سے غائب مالک کا!

عربوں کی حالت

ملک کی حالت یہ کہ شرک کی گھٹائیں ہر طرف چھائی ہوئی، ساری قوم مخلوق پرستی میں ڈوبی ہوئی، بدکاری فیشن میں داخل۔ انسانی ہمدردی کے مفہوم سے دماغ ناآشنا۔ ہر قسم کے فسق و فجور کی گرم بازاری بات بات پر لڑنا، اور پشتہا پشت تک لڑتے رہنا۔ یتیموں کی حق تلفی، غریبوں کے ساتھ بیدردی۔ اخلاقی وبائیں اور روحانی بیماریاں گھر گھر پر مسلط۔ یہ حد سے گذری ہوئی حالت تو خاص اُسی قوم کی اور اُس کے ملک کی۔

دنیا کا رنگ۔ باقی جتنی ہمسایہ قومیں ہیں، ان میں سے کسی ایک کی بھی زندگی، پاکی و پاکیزگی کے معیار پر نہیں۔ مصر و ایران چین و ہندوستان، مشہور تھا کہ یہ تمام ملک ایک زمانہ میں علم و فن تہذیب و تمدن کے گہوارے تھے، لیکن اِس وقت سب کے سب اخلاقی گندگیوں اور روحانی ناپاکیوں کے زینے بنے ہوئے تھے، توحید و خداپرستی جو سارے اخلاقی نشو و نما کی جڑ ہے، سرے سے وہی کٹی ہوئی۔ خالق کی یاد دلوں سے غائب، اور طرح طرح کے وسیلوں اور واسطوں کی پرستش ہر دل میں رچی ہوئی، متفرق طور پر کہیں کہیں اصلاح کرنے والے بھی پیدا ہوتے ہیں، لیکن سیلاب کی رو میں کس کے قدم جم سکتے ہیں؟

ظہورِ قدسی

فضائے ملک، بلکہ فضائے عالم کی اس تیرگی میں یہ نوعمر یتیم کھڑا ہوتا ہے، اور اپنی پاک و پاکیزہ کتابِ زندگی کے ہر ورق کو کھول کر رکھ دیتا ہے۔ اور اپنی زندگی کا ایک کامل و مکمل نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر کے حوصلہ یہ ہوتا ہے، کہ دوسروں کو بھی اپنا جیسا بنایا جائے۔ ایک طرف ساز و سامان سے محرومی ہے ہر پہلو سے بیکسی اور بے بسی ہے، ہر اعتبار سے بے اختیاری ہے، اور دوسری طرف ملک و قوم کی اصلاح کی امنگیں ہیں، بلکہ کہنا چاہیے، کہ ساری کائنات انسانی کے سدھارنے کے حوصلے ہیں۔ لیکن "اصلاح قوم" آج کل کے مفہوم میں نہیں۔ اس لئے نہ کسی انجمن کی بنیاد پڑتی ہے، نہ کوئی پارٹی بنائی جاتی ہے نہ کسی کمیٹی کے لئے کوئی فنڈ کھولا جاتا ہے۔ بلکہ سارا وقت، اور ساری قوت اپنے آپ کو تیار کرنے میں صرف ہوتی ہے!

یہ نوعمر، حسین و خوشرو ہے، نوجوانی کا خون اس کی رگوں میں بھی گردش کرتا ہے، ملک میں گھر گھر فحش و بے حیائی کے چرچے ہیں، لیکن اس کی نیچی نظروں پر خود حیاداری قربان ہو ہو جاتی ہے۔ مئے ناب کے ساغر ہر طرف چھلک رہے ہیں، پیمانہ چاروں طرف گردش میں ہے، لیکن اس کے دامن تقویٰ پر فرشتے تک

نماز پڑھنے کے آرزومند ہیں۔ لوگ لڑ رہے ہیں، یہ صلح کرا رہا ہے۔ قوم چھیننے میں مصروف ہے، یہ بانٹتے ہیں۔ دنیا تحصیل و فراہمی میں لگی ہوئی ہے، اور یہ عطا و بخشش میں۔ عالم مخلوق پرستی کی لعنت میں مبتلا ہے، ایک اس کے دل میں خالق کی لَو لگی ہوئی ہے۔

اصلاح کی جڑ خدا پرستی و توحید۔ ساری اصلاحوں کی بنیاد تو ایک ہی اصلاح ہے، یعنی بندہ کا مالک سے تعلق پیدا ہو جانا، اس ٹوٹے ہوئے رشتے کا جُڑ جانا، اور شرک کی بھول بھلیاں سے نکل کر توحید کی شاہراہ پر آ جانا۔ یہاں بھی دھن تھی، تو اسی کی، اور فکر تھی تو اسی کی۔ رات کی نیند، دن کی مشغولی، ہر شے اسی کی نذر تھی۔ تڑپ اور وحی۔ آفتاب اور ماہتاب کی گردشیں اپنی اپنی میعادیں پوری کر رہی ہیں، بچے جوان ہوتے ہیں، اور جوان ادھیڑ ہو رہے ہیں۔ موتی صدف کے اندر اور لعل و جواہر کانوں میں نشو و نما پا رہے ہیں۔ عالم قدس کا یہ دُرّ یتیم چالیس برس کے سن میں اپنی پختگی کو پہونچتا ہے۔ عمر کی ترقی کے ساتھ ساتھ راہ ہدایت پانے کا جوش و ولولہ بھی ترقی پر ہے اور "یافت" کی تڑپ روز بروز بڑھتی ہی جاتی ہے یہاں تک کہ نوبت یہ پہونچتی ہے، کہ آبادی کے شور و غل سے الگ، انسانوں کے مجمع سے دور ایک غار کے سکون و خلوت میں ہفتوں کے ہفتے اسی سوچ بچار، اسی گرہ کی کشاکش کے نذر ہونے

لگتے ہیں۔ اس وقت ایک غیبی سہارا دستگیری کرتا ہے، اور منصب ارشادِ خلق و ہدایت عالم پر سرفرازی کا پروانہ ملتا ہے۔

کٹھن کام۔ کٹھن کام اب شروع ہوتا ہے ایک طرف ملک حجاز کی قوت وجمعیت ہے اور دوسری طرف تن تنہا ایک فرد اصلاح و ہدایت کا کام ہاتھ میں لینے والا صدیوں کی پڑی ہوئی خصلتوں کا چھڑانا سینکڑوں برس کے زنگ دلوں سے دور کرنا، ایک دو شخص نہیں، ایک خاندان نہیں، ایک قبیلہ نہیں، سارے ملک کو ایک نئے سانچے میں ڈھالنا۔ پھر زندگی کی کوئی ایک صنف نہیں، ہر صنف اور ہر شعبۂ زندگی کو نئے سر سے بدلنا!

اور یہ پیام پہونچانا کہ اپنی زندگی بالکل نئی کرلو، مال و دولت کی محبت چھوڑ دو، بخل اور کنجوسی کو چھوڑ دو، حرصِ حکومت و ہوسِ جاہ کو چھوڑ دو، اپنی جھوٹی شاعری اور موسیقی کو چھوڑ دو، رشوت اور سود خواری کو چھوڑ دو، خیانت اور بدمعاملگی کو چھوڑ دو، جوئے اور شراب کو چھوڑ دو، بیحیائی اور بدکاری کو چھوڑ دو، عورتوں اور غلاموں پر ظلم کرنے کو چھوڑ دو، لڑکیوں کے زندہ دفن کردینے کو چھوڑ دو، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے معبودانِ باطل کو چھوڑ دو۔ اس آواز کا کانوں میں پڑنا تھا، کہ گویا ایک نازک ولطیف شیشہ کی ٹکر، ایک ٹھوس اور سخت چٹان سے لگی ساری شیطانی اور طاغوتی قوتوں نے اکٹھے ہوکر اس زمزمہ سرائے توحید پر

یلغار کر دیا۔ کنبہ والے بگڑے کہ سارے کنبہ سے یہ انوکھی بات کیسی زبان سے نکالی، برادری والے رُوٹھے، کہ باپ دادا کی ریت ہم کو کس منہ سے بُرا ٹھیرایا۔ بستی والے اُلجھے کہ امن وچین کی زندگی میں یہ خواہ مخواہ ایک تفرقہ وفساد کھڑا کر دیا۔ غرض خاندان مخالف، برادری مخالف، شہر کی ساری آبادی مخالف، وطن کے درو دیوار مخالف، اور چشم ظاہر میں تو یہ نظر آنے لگا کہ وہ جو اس بزم ہستی کا صدر بنا کر بھیجا گیا، زمین کے ذرے اُس کے مخالف، آسمان کے تارے اُس کے مخالف،

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

اور ہم نے تو تیرا ذکر بلند کر رکھا ہے

بلندیٔ ذکر کی بشارت۔ ایک طرف ادائے فرض کا احساس دوسری طرف مخالفتوں کا یہ ہجوم بے پایاں! عین اس وقت[1] جب کہ عالم بشریت میں سامان تسکین وتشفی ممکن نہ تھا، یہ صدائے غیب کانوں میں آتی ہے کہ اے ہمارے پیارے اور فرمانبردار بندے گھبرانے اور ہمت چھوڑنے کی کوئی بات نہیں،

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۔ ہم نے تو تیرے اوپر وہ لطف وکرم کیا ہے جو کبھی کسی بندہ پر نہیں کیا تھا، موسیٰ کلیم اللہ کو ہم سے

---

[1] سورۂ انشراح کا زمانۂ نزول بعثت کے ابتدائی ایام میں ہے جبکہ مخالفت کا شباب تھا۔

شرف ہمکلامی کے بعد بھی شرح صدر کی آرزو باقی رہی[1]، انہوں نے اس نعمت کے لئے دعا کی، تجھے یہ نعمت عظمیٰ ہم نے بلا طلب عنایت کی تیرے سینہ کو اپنی معرفت کے لئے کھول دیا[2]، اُسے اپنی نورانیت سے لبریز کر دیا، اور اپنی آیات و دلائل کو تیرے اوپر واضح و روشن کر دیا۔ اصلاح خلق کے لئے ہم تیری تڑپ دیکھ رہے تھے، یہ فکر تجھے ہلاک کئے ڈالتی تھی، کہ لوگوں کو کیونکر راہ راست پر لایا جائے[3]۔ ہر اسم شرک سے تجھے شروع سے نفرت رہی ہے[4]، وہ ہماری نظر سے چھپی ہوئی نہیں، اصلاح خلق کے لئے تیری دُھن، خود راہ راست دکھانے کی فکر کا بار۔ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِىٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ۔ تیری پشت کو توڑے ڈالتا تھا، ہم نے اپنے فضل و کرم سے اس بار سے تجھے نجات دیدی، اور یہی نہیں، کہ وحی کی روشنی دے کر خود تجھے راہ راست پوری کی پوری دکھادی، بلکہ اس نعمت سے بھی سرفراز کر دیا، کہ دوسروں کو بھی راہ ہدایت

---

[1] رب اشرح لی صدری (طٰہٰ ع ۱)۔ [2] شرح الصدر ای بسطہ بنور الٰہی وسکینۃ من جہۃ اللہ وروح منہ (راغب)۔ [3] لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین (شعراء - ع ۱)۔ [4] ولا انا عابد ما عبدتم۔

[5] وزر کے معنی بعض ارباب شرح وتفسیر نے "اثم" "گناہ" کے لئے ہیں، حالانکہ لغت عرب میں اسکے معنی مطلق "ثقل" "(بار)" کے آتے ہیں۔ یہاں متن میں جو پہلو اختیار کیا گیا ہے بیضاوی نے اسی جانب اشارہ کیا ہے۔ ھو ما ثقل علیہ من... او ما کان یری من ضلال قومہ مع العجز عن ارشادھم بغوی نے اس سے بھی زیادہ صراحت کے ساتھ کہدیا ہے کہ وزر سے مراد قوم کی بدکاریاں ہیں، جن کی فکر ہر وقت آپ کو دامنگیر رہتی تھی۔ وقیل ذنوب امتک فاضافھا الیہ لاشتغال قلبہ بہم (معالم و خازن)

دکھاتا رہ۔ مخالفین کے منصوبوں اور شرارتوں سے تنگ دل نہ ہونا، تو ہماری حفاظت میں ہے، یہ تیرا کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ آج یہ نالائق اپنے نزدیک تجھے مٹا دینے کی فکر میں ہیں، لیکن ہم نے تو تیرا ذکر پابند کر رکھا ہے، پھر جس ذکر کو ہم بلند قرار دیں، کون بشر اس کی بلندی کا پورا اندازہ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۔ کر سکتا ہے۔ یہ مخالفین اور یہ سازشیں تجھے تو کیا مٹا سکیں گی، مخالفین اور سازش کرنے والے خود ہی مٹ جائیں گے، اور تیرا نام ان سب کو پست و سرنگوں کر کے خود ممتاز و سربلند رہے گا۔

کایا پلٹ ۔ یہ آواز اس وقت دنیا کے سامنے بلند ہوئی تھی، جب اسلام کے خلاف دولت، امارت، و حکومت کی ساری قوتوں کا ایکا تھا، جب اسلام محدود تھا، تنگدستوں اور بیکسوں، ضعیفوں اور شکستہ حالوں کی ایک مختصر سی جماعت میں، جب اللہ کا نام زبان پر لانے کا انعام ملتا تھا، گالیوں اور ذلتوں، تازیانوں اور عقوبتوں سے۔ مگر دیکھنے والوں نے دیکھ لیا کہ چند ہی روز میں کیسی کایا پلٹ ہوئی! قریش کے زور آور سردار خاک میں مل گئے۔ ان کے حلیف اور حمایتی مٹ کر رہ گئے۔ دولتمند یہود کا تختہ الٹ گیا۔ اور جن کی عقل و فہم پر قوت و اثر پر دولت و سرمایہ پر زمانہ کو ناز تھا، ان کے اثر تک صفحۂ روزگار سے مٹ گئے۔ ساڑھے تیرہ سو برس کی مدت میں دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی، عقل و دانش کی کتنی منزلیں حد و حساب سے

باہر، عدد و حساب سے خارج سطے ہوچکیں۔ الحاد و مادیت کی قلمرو کتنی وسیع ہو چکی۔ پر آج خالق کے نام کے ساتھ جس مخلوق کا نام زبانوں پر آتا ہے اللہ کے ذکر کے ساتھ جس بندہ کا ذکر کانوں تک پہونچتا ہے۔ وہ کسی قیصر و کسریٰ کا نہیں، کسی زار و فغفور کا نہیں، دنیا کے کسی شاعر و ادیب کا نہیں، کسی حکیم و فلسفی کا نہیں، کسی جنرل اور سردار کا نہیں، کسی گیانی اور کسی راہب کا نہیں، کسی رشی کا نہیں، یہاں تک کہ کسی دوسرے پیمبر کا بھی نہیں، بلکہ عبداللہ کے لخت جگر، آمنہ کے نور نظر خاک بطحا کے اُسی بیکس و بے بس یتیم کا، جسے قریش کے زور آور، جہل و نخوت کے نشہ میں اپنا ہی جیسا محض ایک مشت خاک سمجھ رہے تھے۔ کشمیر کے سبزہ زار میں، دکن کی پہاڑیوں میں، افغانستان کی بلندیوں میں، ہمالیہ کی چوٹیوں میں، گنگا کی وادیوں میں، چین میں، جاپان میں، جاوا میں، برما میں، روس میں، بخارا میں، مصر میں، ایران میں، عراق میں، شام میں، فلسطین میں، ٹرکی میں، نجد میں، یمن میں، مراقش میں، طرابلس میں، ہندوستان کے گاؤں گاؤں میں، اور ان سب مہذب، نیم مہذب ملکوں کو چھوڑ کر خاص ناف تمدن و مرکز تہذیب، لندن، پیرس، اور برلن کی آبادیوں میں، ہر سال نہیں، ہر ماہ نہیں، ہر ہفتہ نہیں ہر روز بھی ایک نہیں پانچ پانچ مرتبہ، بلند میناروں سے جس نام کی پکار

خالق کے نام کے ساتھ، فضا میں گونجتی ہے، وہ اسی ایک سچے اور اچھے کا نام ہے، جسے بصیرت سے محروم دنیا نے ایک ایک زمانہ میں محض ایک ابیکس ویتیم کی حیثیت سے جانا تھا!

رفعت ذکر کی تفسیر۔ یہ معنی ہیں "یتیم کے راج" کے! یہ تفسیر ہے وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ کی۔ کسی ایک صوبہ پر نہیں، کسی ایک جزیرہ پر نہیں، کسی ایک ملک پر نہیں۔ دُنیا پر۔ دُنیا کے دلوں پر آج حکومت ہے، تو اُسی یتیم کی، راج ہے تو اُسی اُمّی کا! روشن خیال مصری دنیا میں قدم رکھتا ہے تو اُسی کے نام سے برکت حاصل کرتا ہوا، خوش عقیدہ افغانی پناہ ڈھونڈھتا ہے تو اُسی اسم پاک کی، جانباز ترک دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اُسی کے نام کا کلمہ پڑھتا ہوا، اور مراقش کا مجاہد سینہ پر گولی کھا کر گرتا ہے تو اُسی کے نام کی بلندی کی گواہی دیتا ہوا! شاعر اگر ان مشاہدات کے بعد بےخود ہو کر پکار اُٹھے، کہ "ہمسر نام الٰہی نام تست" تو کون اُس کی زبان پکڑ سکتا ہے! اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمۡ عَلَيۡهِ

انعامات خداوندی کا نزول

ہر سختی کے ساتھ آسانی

اِس پُر قوت بشارت، اِس سچی پیش گوئی کے ساتھ جو صرف سچے ہی کی زبان سے ادا ہو سکتی تھی، قانون الٰہی کی یہ دفعہ بھی سُنا دی گئی، کہ ہر سختی کے ساتھ آسانی ہے، شرح صدر ہو چکا سینہ مبارک کا

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔ انوارِ معرفت
وسکینت سے بھرا جا چکا، وحی کی روشنی مرحمت کی جا چکی، پھر کبھی عسر
ویسر، تنگی وکشائش کا قانون دائمی اور ناقابل تبدیل ہے۔ مفسرین
میں سے بعض کا قول ہے، کہ پہلی کشائش سے اسی دنیا کی نعمتیں اور
دوسری کشائش سے آخرت کی راحتیں مراد ہیں۔ اور پھر ایک
جماعت اس جانب بھی گئی ہے، کہ ایک کشائش سے اشارہ عہد
رسالت کی فتح مندیوں کی طرف ہے، اور دوسرے سے عہد خلفائے راشدین
کے دور اقبال کی جانب۔ یہ سب مفہوم اپنی اپنی جگہ پر درست ہو سکتے
ہیں۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے، کہ اس تکرار سے درس ہدایت پر زور دینا
رسول اور امت دونوں کے معنی میں الگ الگ مقصود ہو یعنی جس
طرح اس عہد کامل کو عسر کے بعد یسر حاصل ہوا، ٹھیک اسی
طرح اس پیغمبر کے پیروؤں کے لئے بھی راستہ کھلا ہوا ہے،
تنگی کے بعد کشائش ان کے نصیب میں بھی آنی یقینی ہے۔
آخر میں یہ بھی ارشاد ہوتا ہے، کہ اب جبکہ ہم نے تم کو ان
باروں سے ہلکا کر دیا ہے، جب اصلاح امت کا کام بجائے اس کے
کہ تم اپنی عقل و فکر کے ذمہ رکھو، ہم نے اپنی وحی کے ماتحت کر دیا ہے
جب اس فکر و تدبیر کے کام سے ہم نے تمہیں فارغ و سبکدوش کر دیا
ہے، تو بس اب تم بھی پوری طرح ہمارے احکام کو بجا لانے میں
فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ۔ ترجمان القرآن

کے انجام دینے، خلقت کو راہِ ہدایت دکھانے میں لگ جاؤ، اور اس راستہ میں ہر تکلیف اور محنت کو برداشت کرو[1] اور جس پروردگار نے تمہیں اس مرتبہ سے سرفراز کیا ہے، جس نے تمہارے لئے ہجوم مشکلات میں یہ کشائش پیدا کر دی ہے، جس نے تمہارے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا کر تمہارے ذکر کو یوں ہمیشہ کے لئے بلند کر دیا ہے تمامتر اس کی طرف لو لگائے رہو، سب سے بے پرواہ و بے نیاز، ایک اسی کے نام کا چرچا کرنے میں، ایک اسی کی پاکی پکارنے میں، ایک اسی کی بڑائی کے پھیلانے میں جان و دل سے لگے رہو۔!

یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

مکہ کا وہ یتیم آج خود ہی سب سے سربلند، اور ساری دنیا کا سرتاج نہیں، بلکہ کارسازِ مطلق کی اس شان کریمی کی بلائیں لیجیے کہ اس ایک یتیم کے طفیل میں آج دنیا کے سارے یتیم، غریب سے غریب بیکس سے بیکس یتیم اپنی اپنی ٹوٹی ہوئی جھونپڑیوں، یتیم خانوں کی کوٹھریوں میں، بازار کی گلیوں میں، محل کے رہنے والے امیرزادوں اور شہزادوں سے کہیں زیادہ سربلند اور کہیں زیادہ معزز ہیں! وہ خوش نصیب پاک بندے جن کے لئے اس ناسوتی زندگی کی قید سے رہا ہونے کے بعد چین ہی چین ہے، ان کی ایک بڑی پہچان یہ

---

[1] النصب، التعب (راغب) فانصب، فاتعب (بیضاوی)

ہے، کہ وہ اپنی زندگی میں مسکینوں اور یتیموں کو محض اپنے پروردگار
وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا کی رضا
جوئی کے لئے خلوص کے ساتھ، نہ کہ کسی نمایش وریا کی غرض سے
کھانا کھلاتے رہتے ہیں! اور جن بدنصیبوں کو یہاں اور وہاں ذلت
کی سزا بھگتنی ہے اُن کا خاص جرم یہ بتا دیا گیا ہے کہ وہ یتیموں کے
كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۔ ساتھ خواہ کوئی خاص بدسلوکی
نہ بھی کرتے ہوں، تو بھی کیا کم ہے، کہ وہ اُن کی پوری عزت اور
خاطرداری نہیں کرتے! شرف انسانیت کی سب سے بلند گھاٹی
بغیر اس کے طے ہی نہیں ہو سکتی، انسانیت کے مرتبۂ کمال تک
رسائی ممکن ہی نہیں، جب تک قیدیوں اور غلاموں کو آزاد کرانے
اور بھوک کے وقت یتیموں کو کھانا کھلانے کا شعار نہ بنا لیا جائے،
وَمَا اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ
ذِيْ مَسْغَبَةٍ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ اصلی
دینداری یہ ہے، کہ یتیم کی خاطر مدارات عزت و توقیر کی جائے
اور جو بدنصیب یہ نہیں کرتا، وہ خواہ بہ ظاہر کیسا ہی نمازی
ہو، لیکن۔ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِيْ
يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۔ اگر یتیم کے حق کو نہیں پہچانتا، تو اپنی دینداری
کے دعوی میں جھوٹا ہے اس کی ساری مذہبیت مصنوعی اور
نامقبول ہے۔[1]

---

[1] یہاں جن آیتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، وہ صرف وہی ہیں، جن میں اکرام یتیم کا اخلاقی و مردمانی

آج ہے دُنیا کا کوئی مذہب، جس نے یتیموں کو یہ مرتبہ دیا ہو؟ جس نے یتیمی کو بجائے ایک باعث ننگ و داغ سمجھنے کے، اس قابل رشک درجۂ شرف و احترام پر پہونچا دیا ہو؟ آج ہے دنیا کا کوئی ایسا مذہب بجز اس ایک اکیلے، سچے دین کے، جو ایک یتیم کا لایا ہوا ہے۔؟

(باقی سلسلہ صفحہ گذشتہ)
پہلو نمایاں ہے، اور وہ بھی سب آیتیں نہیں، صرف نمونہ کے طور پر دو چار لے لی گئیں، باقی جن آیات میں یتیموں کے قانونی حقوق پر زور دیا گیا ہے، اُن کا ذکر بالقصد یہاں ترک کر دیا گیا ہے مثلاً وآتوا الیتمیٰ اموالھم (نساء - آیت ۲)
وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمیٰ (نساء - آیت ۳)
وان تقوموا للیتمیٰ بالقسط (نساء - آیت ۱۲۷) وغیرہا۔ انہوں نے جو کچھ کہا وہ تو بہرحال سنتے ہی ہیں دیکھئے یہ کہ منکر اور بیگانہ، اور قرآن مجید کو ایک یتیم کی تصنیف قرار دینے والے کی زبان کیا شہادت دے رہی ہے :-
"قرآن کو پڑھ کر سب سے زیادہ قابل داد چیز یہ ملتی ہے کہ محمدؐ کو بچوں کا کس درجہ خیال رہتا تھا خصوصاً اُن بچوں کا، جو اپنے قدرتی والی و وارث کے سایہ سے محروم ہو چکے ہوں بار بار ان کی تعلیم یہی ملتی ہے کہ بچوں کے ساتھ عدل و شفقت کا برتاؤ کیا جائے" (صفحہ ۴۰-۴۱)
یتیموں کے حقوق کا محمدؐ کو خاص اہتمام تھا۔ ان کا بار بار یتیموں کا ذکر لانا اور یتیموں کے حقوق غصب کرنے والوں، اور اُن کے ساتھ ناانصافی برتنے والوں کے خلاف سخت وعیدیں یہ سب سیرت محمدی کی اُس پاکیزہ پہلو پر دلیل ہیں، جس پر مسلمان مصنفین اکثر اور بجا طور پر فخر کرتے ہیں" (صفحہ ۴۱)
...... اور بھی متعدد آیتیں نقل کی جا سکتی ہیں، جن سے معلوم ہوگا کہ محمدؐ کو اس باب میں کس قدر اہتمام تھا۔ حقیقۃً اس سے بڑھ کر اور کسی معاملہ پر قرآن میں زور نہیں ملتا۔ چنانچہ اسی بنا پر مسلمانوں میں مال یتیم کے غصب کرنے کا گناہ، کبائر میں شمار کیا گیا۔ ان کبائر میں جن کی تعداد عموماً صرف سات مانی گئی ہے۔" (صفحہ ۴۲-۴۳)
ملاحظہ ہو ڈاکٹر رابرٹ رابرٹس پی ایچ۔ ڈی کی کتاب "قرآن کے قوانین معاشری"

یتیم کی جیت

یتیم کی جیت

اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ۔ اے رسولؐ آپکو ہم نے خیر کثیر عطا فرمایا

بے بسی اور حکمت الٰہی ۔ جو زور والے تھے، اُن کا زور توڑنے کے لئے، جو گھمنڈ والے تھے انھیں نیچا دکھانے کے لئے، جو حکمت اور حکومت والے تھے، اُن میں عبدیت کی شکستگی پیدا کرنے کے لئے اور سب سے بڑھ کر، اپنی بے مثال قدرت و حکمت کا بے مثال نمونہ دکھانے کے لئے، انتخاب اُس کا کیا جاتا ہے، جو نہ زر رکھتا ہے نہ زور نہ اُس کے جلو میں سوار اور پیادے ہیں، اور نہ اُس کی بغل میں علوم و فنون کی پوتھیاں! ایک بے یار و مددگار یتیم بچہ جس کی ولادت سے قبل ہی اُس کے باپ کو اُٹھا لیا جاتا ہے، عرب کی سرزمین پر نمودار ہوتا ہے اور اسے حکم ملتا ہے کہ اپنے خاندان اور اپنے قبیلہ ہی کی نہیں، سارے مُلک کی بھی نہیں، سارے عالم کی اصلاح پر کمربستہ ہو جائے! عقلیں حیران، دماغ متحیر!

سرمایہ داروں اور ساہوکاروں کے قہقہے ۔ جنھیں اپنی تہذیب و شائستگی پر ناز تھا، انھوں نے قہقہے لگائے، جنھیں خطابت و سحر بیانی کا دعویٰ تھا، انھوں نے تالیاں بجائیں، جنھیں آج کل کی برہنہ تصویروں اور نیم برہنہ صورتوں کی طرح اپنی برہنہ شاعری پر فخر تھا، انھوں نے آوازے کسے، مال اور جتھے والوں کے تیور پر بل پڑے، اور جو زور و قوت والے

تھے، وہ تن تن کر، اور اکڑ اکڑ کر میدان میں نکل آئے!

نور اور ظلمت کی آویزش

مقابلہ زور اور ضعف کے درمیان — جسے دنیا زور اور قوت سے تعبیر کرتی ہے، اور جسے دنیا ضعف و ناتوانی کہہ کر پکارتی ہے — ایک طرف سامان کی فراوانی، دوسری طرف بے سروسامانی اِدھر معاہدہ اور سازشیں، اُدھر تنہائی کی عبادتیں، یہاں ریاست و سرداری وہاں فاقہ و نامرادی، اِس طرف جاہ و تجمل، اُس طرف فقر و توکل۔ جو اکیلا اور دنیا کی نظروں میں بے یار و یاور تھا، اس پر خوب جی بھر کے ٹھٹھے لگائے گئے۔ اور جو شان کے اونچے اور جتھے والے تھے، انھوں نے پکار پکار کر کہا، کہ ذرا سُننا اور دیکھنا اس تخیل کو تو دیکھنا، کہ جسے جھونپڑا بھی نصیب نہیں، وہ محلوں کے خواب دیکھ رہا ہے اور جو اپنی بے بسی اور بیکسی کے دور کرنے پر قادر نہیں، وہ دنیا کو راہ ہدایت دکھانے کا دعویٰ، اور خلق کو جادۂ اصلاح پر لانے کا حوصلہ کر رہا ہے! — یہ سب کرشمے وہ دکھا تا رہا تھا، جس نے نمرود کا بھیجا، ایک مچھر کے ذریعے سے پاش پاش کر دیا تھا، جس نے ابرہہ کے ہاتھیوں کو چھوٹی چھوٹی چڑیوں کی خوراک بنا دیا تھا، اور آج بھی لارڈ بکنجر اور لارڈ ٹامسن[1] کو

---

[1] برطانیہ کے شعبۂ فضائی کے وزیر ۱۹۳۰ء میں ہوائی جہاز میں آگ لگ جانے سے ہلاک ہوئے۔

دم کے دم میں ڈبوتا اور جلاتا اور زار زار روس اور زار آرمینیہ کو آن کی آن میں مارتا اور ہلاک کرتا رہتا ہے!

کفارِ قریش کی جھوٹی مسرت

قدرت اور حکمت کا تازہ ظہور یوں ہوتا ہے، کہ خدائے واحد کے اس اکیلے پرستار کا اکلوتا اور لاڈلا بچہ، اس کی آنکھوں کے سامنے جان دیتا ہے۔ اور جو دشمن کی بھی تکلیف کو دیکھ کر تڑپ جاتا تھا، اس کا ننھا اور معصوم لختِ جگر اسی کے آغوشِ شفقت میں دم توڑ کر رہتا ہے۔ اللہ اللہ! کیا شانِ بے نیازی اور کیا جلوۂ حکمت آرائی ہے، کہ باغیوں اور سرکشوں کی، اولاد، اور اولاد در اولاد، پھل پھول رہی ہے، اور جو اپنے رب کا نام جپنے والا ہے، اُسے اس نعمت سے بھی محروم کیا جا رہا ہے! اُس کے پاس نہ دولت تھی نہ حکومت، نہ اس کی کوئی بڑی پارٹی تھی، نہ اُس کے معتقدین کا کوئی وسیع حلقہ، ہر طرف سے مخالفت کا ہجوم، ہر سعی و اصلاح میں ناکامی، ہر دعوتِ حق میں بے اثری، غرض ہر دنیوی نعمت سے محرومی چشمِ ظاہر کو پہلے ہی سے نظر آ رہی تھی، لے دے کے یہ جو آخری نعمت تھی، اب یہ بھی چھن کر رہ گئی! دُنیا ایسے مواقع پر کیا رائے قایم کرتی؟ اس نے وہی رائے قائم کی، جو اندھوں

ﻪﻠﻟ سورۂ کوثر کی سورت ہے۔

اور بے بصروں نے ہمیشہ قائم کی ہے، وہ ہنسی، وہ مسکرائی، وہ خوشی سے اچھلی اور کودی۔ عاص بن وائل[1] منکروں کا ایک سردار اور ناہنجاروں کا ایک پیشوا تھا، اس نے چمک چمک کر اور مٹک مٹک کر اپنے ساتھیوں سے کہا، کہ چلو، چھٹی ہوگئی، محمدؐ کی نسل ختم ہوئی، اور آگے نہ اس کے کام کو چلانے والا کوئی باقی رہا نہ اُس کے نام کا لینے والا، دیکھا ہمارے دیوتاؤں سے بے ادبی کرنے کا یہ انجام" جنھوں نے محمدؐ کو محض گوشت و پوست کا مجموعہ سمجھ رکھا تھا، وہ اس طنز میں شاید معذور بھی تھے، کوئی کس طرح دکھا دیتا، کہ کس عنصری کا لفافہ اپنے اندر کس روح مطہر کو ڈھانپے اور چھپائے ہوئے ہے۔

بہرحال غیرت حق نے اس طعن کو سُنا، اور اب اُس میں حرکت ہوئی، آواز آتی ہے اور وہاں سے آتی ہے جہاں نہ الفاظ کا گزر ہے نہ حروف کا پتہ، کہ یہ بے خبر اور بے بصر، یہ غافل اور جاہل، تیرے اوپر طعنہ زن ہیں، ان بدبختوں کو کیا خبر کہ ہم نے تجھے خیر کثیر دے رکھی ہے، بھلائیوں کے خزانے در خزانے تجھے عطا إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ۔ کر رکھے ہیں۔ ساری اچھائیوں ساری خوبیوں، ساری محبوبیوں کا مالک تجھے بنا رکھا ہے تیرے لئے کس چیز کی کمی ہوسکتی ہے، دنیا میں بھی عقبیٰ میں بھی، جسے دینے والا

---

[1] قال ابن عباس ومجاهد وسعید بن جبیر وقتادة نزلت فی العاص بن وائل (ابن کثیر)

ہم ہوں اُس کی دولتمندی کا کوئی اندازہ کرسکتا ہے۔ جسے بخشنے والے ہم ہوں اس کی نعمت اندوزیاں کس کے شمار میں آسکتی ہیں؟ جس پر مہربان ہم ہوں اُس کے جاہ وجلال، اُس کے عزّ و کمال، اُس کے حُسن وجمال، اُس کے مال ومنال اور اُس کے اوج واقبال کا احاطہ کرنا، کس کے بس کی بات ہے؟

اِنَّآ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ

خیر کثیر دینے والا تو یہ ہوا، اور دیا کیا گیا؟ بہت اور بہت ہی بہت "کوثر"۔ اس کوثر کی تشریح کون کرے، اور کن الفاظ سے کرے؟ ارباب شرح وتفسیر میں سے سب نے اپنے اپنے مذاق کی پیروی کی ہے۔ کوئی کہتا ہے، کہ کوثر سے مُراد، جنت کی نہر کوثر اور محشر کا حوض کوثر ہے اور کسی نے لکھا ہے، کہ دوسرے انبیاء پر جو فضیلت وسربلندی دی گئی ہے، وہ اس سے مُراد ہے بے شک یہ سب کچھ مُراد ہوگا، لیکن لفظ کے مفہوم کی وسعت کو کیوں محدود کیجئے، اور کیوں نہ اُسے اُنہیں فراخیوں اور پہنائیوں کا حامل رہنے دیجئے جو بخشنے والے اور عطا کرنے والے کی شان یکتائی کے شایاں ہیں! اللہ اکبر! جن نعمتوں اور جن بخششوں کو بے تکان اور بے اندازہ بخشنے والا، خود "بہت" اور "بہت ہی بہت" فرمائے، اُن کے رقبے کی پیمائش کے لئے، انسان بے چارہ کوئی پیمانہ کہاں سے لائے؟ اہل لغت نے بہت ہاتھ پیر مارے کوثر کی شرح مختلف

عنوانوں اور متعدد پیرایوں سے کی، بالآخر یہی کہتے بنا، کہ **وما لا یحصی من الخیر**[1] وہ اُن سب بھلائیوں پر مشتمل ہے جو شمار میں بھی نہیں آسکتیں۔ اب مراد کلام واضح اور مفہوم متکلم ظاہر ہے۔

نسل یا نام لیوا کے خاتمہ کا طعنہ - یہ خبیث طعنہ زن ہیں کہ تیری نسل ختم ہو رہی ہے اور تیرا سلسلہ منقطع ہو رہا ہے! تیری نسل بھلا کبھی ختم ہونے والی اور تیرا سلسلہ کبھی قطع ہونے والا ہے؟ یہ بدباطن دیکھنے کو زندہ نہ رہیں گے، لیکن اُن کے جانشین دیکھیں گے زمین و آسمان دیکھیں گے، جن و بشر دیکھیں گے، آفتاب و ماہتاب دیکھیں گے، کہ تیری نسل قائم اور تیرا سلسلہ دائم ہے؟ بادشاہتیں بنیں گی اور بگڑیں گی، حکومتیں قائم ہوں گی اور مٹیں گی شہر بسیں گے اور اجڑیں گے، قومیں ابھریں گی اور فنا ہوں گی لیکن تیرا نام زندہ، اور تیرا کام پائندہ۔ قیامت تک قائم اور قیامت کے بعد بھی قائم! دنیا میں تیرے نام کی وہ عزت ہوگی، جو نہ آج تک کسی بندہ کی ہوئی، نہ آئندہ ہوگی، اونچے اونچے میناروں سے تیرا نام، ہمارے نام کے ساتھ پکارا جائیگا، دشت وجبل، صحرا و دریا، بحر و بر، شہروں اور دیہاتوں

---

[1] صاحب لسان العرب نے بہت سے معانی دے کر آخر میں یہ فقرہ لکھا ہے اور مفرط الکثرۃ تو بہتوں نے لکھا ہے۔

آبادیوں اور ویرانوں، سمندروں اور پہاڑوں، وادیوں اور گھاٹیوں میں سب کہیں تیرے نام کی منادی ہو گی، حجاز و عراق یمن و شام حبش و مصر ایران و توران، بخارا و ہندوستان چین و جاپان، روس و افغانستان، جرمنی و انگلستان، فرانس و امریکہ، دُنیا کا گوشہ گوشہ، اور ہماری وسیع زمین کا چپہ چپہ تیرے نام کی پکار سے گونجے گا، ذرہ ذرہ تیرے کام کی عظمت کی گواہی دیگا، اور تیرا نام اُن اُن کانوں تک پہونچے گا، جو سوا تیرے ہر دُوسرے ہادی کے نام سے نا آشنا ہوں گے! آج تو ان کور بصروں کی نگاہ میں حقیر ہے، کل تو ہی بلند کیا جائیگا، کل تیری ہی عزت ہو گی، اور اُس وقت ہو گی جب سب کی عزتیں پامال اور سب کی شہرتیں خاک میں مل چکی ہونگی۔ جو اپنی شان سے تجھے مانیں گے نہیں، وہ بھی کم از کم جان ضرور لیں گے۔

معنوی اولاد۔ اور تیری صلبی اولاد کے بدلے ہم تیری معنوی اولاد کروڑوں اور اربوں کی تعداد میں، اور اس سے بھی کہیں بڑھ کر، انسان کے شمار و اعداد میں نہ سما سکنے والی تعداد میں قیامت تک ایسی پیدا کر دیں گے، جو تجھے اپنے والدین سے کہیں بڑھ کر عزیز و محبوب ملکرم و محترم رکھے گی، جو اپنی نجات تیری ہی رضا جوئی پر موقوف سمجھے گی، جس کی ورد زبان اُٹھتے اور بیٹھتے تیرا ہی نام اور تیرا ہی کلمہ رہے گا۔ تیرے نام پر بے گنتی

اور بے شمار درود پڑھا جائے گا اور تیرے نام کی تسبیحیں صبح اور شام دوپہر اور سہ پہر، آدھی رات کو اور پچھلے پہر، دن اور رات کے ہر لمحہ میں پڑھی جاتی رہیں گی! تیرے نام کو وہ ادب اور وہ احترام[1] ہوگا جو کسی لڑکے نے اپنے باپ کا نہ آج تک کیا، نہ آیندہ کریگا۔ ہم نے بہتوں کو عزتیں بخشی ہیں، بہتوں کے مرتبے بلند کئے ہیں، بہتوں کو سرداریاں عطا کی ہیں، لیکن جو مرتبہ تجھے عطا ہو رہا ہے، وہ بس تیرے ہی ساتھ مخصوص ہے۔

سیرت پاک کی عظمت

تیرے منہ سے نکلے ہوئے بول ایک ایک کر کے جمع کئے جائیں گے، اور اس شغف و اہتمام، تحقیق و استناد کے ساتھ جمع کئے جائیں گے کہ اُن کی کوئی نظیر دُنیا کی کوئی تاریخ کوئی تذکرہ کوئی ملفوظ، کوئی سوانحعمری نہ پیش کر سکے گی۔ تیری سیرت اور تیری تاریخ اس تفصیل و جامعیت کے ساتھ دُنیا کے حافظہ میں محفوظ رکھی جائے گی، جس کی مثال نہ کسی بادشاہ کشورکشا کی سیرت میں ملے گی، نہ کسی نبی و ولی کے تذکرہ میں۔ تیرے اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، بولنے ہنسنے، سونے جاگنے، کھانے پینے،

---

[1] ادب۔ احترام وہی ہے جو ممدوح کے شایانِ شان ہو مثلاً یہ کہ رسول کو رسول کہہ کر پکارا جائے نہ یہ کہ اُسے ابن اللہ یا اوتار وغیرہ مانا جانے لگے۔ یہ تو صریح توہین ہوئی نہ کہ تعظیم۔

سب کا ایک ایک جزیہ محفوظ رکھا جائے گا۔ کروڑ ہا کروڑ، اور ارہا ارب بندے اپنی نجات تیرے ہی نقش قدم پر چلنے سے وابستہ سمجھیں گے، بیسیوں اور سینکڑوں کتابیں تیرے ملفوظات اور تیرے معمولات پر تالیف کی جائیں گی، اور ہزار ہا ہزار اُن کی شرحیں تیار ہونگی اور خود تیری ذات تو بڑی چیز ہے جنھوں نے تجھے کبھی دیکھا، بلکہ جنھوں نے تیرے دیکھنے والوں کو دیکھا انھیں بھی زندہ رکھا جائے گا، اُنہیں بھی ممتاز و سربلند کیا جائے گا، اُن کی سیرتیں بھی تاریخ کے نگارخانہ میں من وعن محفوظ رکھی جائیں گی۔ دُنیا بڑے سے بڑے فلسفیوں کو، بڑے سے بڑے بادشاہوں کو بھول جائے گی، لیکن نہ بھول سکے گی تو اُس اَن پڑھ اور فاقہ مست بدوی کو جس کی خصوصیت بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ وہ تیرے دیدار جمال سے مشرف ہوا ہے! دارا و سکندر، چنگیز و جولیس سیزر، نپولین و مسولینی، جالینوس و بقراط، فیثا غورث و سقراط، ارسطو و افلاطون، نیوٹن و اسپنسر، اپنے علم و عمل کے بڑے بڑے کارنامے اپنی دانش پژوہیوں اور اپنی فتحمندیوں کی بڑی بڑی یادگاریں اپنے نزدیک دُنیا کے لئے چھوڑ کر جائیں گے۔ ان سب کی یاد رفتہ رفتہ بھلا دی جائے گی، یہ سارے نقش دیکھتے دیکھتے ماند پڑ جائینگے اور لوح دہر پر نقش قائم رکھا جائے گا تو تیرا اور تیرے غلاموں کا اور تیرے غلاموں کے غلاموں کا!

رسول اللہؐ کی نام لیوا معنوی اولاد

تو اَن پڑھ ہے اور حروف و کتاب سے ناآشنا لیکن تیری عظمت کی گواہی دینے والے وہ ہوں گے، جنہیں ناز اپنے علم و فضل پر اور دعویٰ اپنے کمال فن کا ہو گا، کچھ لوگ تیرے اقوال و ملفوظات کی جمع و تحقیق اور اُن کی شرح و تفسیر میں اپنی اپنی عمر بسر کر دیں گے اور "بخاری و مسلمؒ" ابن حجر و ابن جوزیؒ کی طرح محدثین کے گروہ میں محشور ہونا اپنے لئے باعثِ فخر سمجھیں گے، ایک گروہ تیرے بتائے ہوئے احکام کی جانچ پڑتال، اور اُن سے استنباط جزئیات کی خاطر اپنی زندگیاں وقف کر دے گا اور ابو حنیفہؒ و شافعیؒ، مالکؒ و ابو یوسفؒ، نخعیؒ و مزنیؒ کے مثل افتاء و تفقہ کو اپنے لئے باعث سعادت خیال کرے گا۔ ایک جماعت تیری باطنی تعلیمات کی دلدادہ ہو کر راہ سلوک و مجاہدہ میں پڑ جائے گی، اور کتنے ہی جنیدؒ و شبلیؒ، جیلانیؒ و اجمیریؒ تیرے ہی مشعل سے اپنے اپنے چراغ نسلاً بعد نسلٍ جلاتے رہیں گے رومیؒ و سعدیؒ حافظؒ و سنائیؒ اکبرؒ و اقبال، اپنے شاعرانہ کمالات کو تیری غلامی پر نثار کر دیں گے۔ ابو حامد غزالیؒ اور ولی اللہ دہلویؒ اپنی سر بلندی تیرے ہی بتلائے ہوئے حقائق و اسرار کی تشریح و ترجمانی میں سمجھیں گے۔ اور رازی و طوسی، فارابی و ابن سینا کو عقل و دلیل کے طوفان میں اگر پناہ

کہیں ملے گی، تو تیرے ہی دامن کے سایہ میں! حدیث، اصول، فقہ، سلوک، تصوف، کلام، کتنے ہی فن مخصوص تیرے ہی سلسلہ کی خدمت کے لئے عالم وجود میں آئیں گے اور علوم و فنون کے کتنے ہی علمبردار، ہر ملک اور ہر قوم اور ہر زمانہ میں، اپنی تحقیق و کاوش کو تیری خدمت کے لئے وقف رکھیں گے! برلن اور پیرس اور لندن، تیرے اور تیرے دین کے دشمنوں کے پایہ تخت ہوں گے، لیکن تیرا نام، ہمارے نام کے ساتھ ان شہروں میں بھی ہر روز، اور ہر روز بھی پانچ پانچ وقت، بلند ہوتا رہے گا، اور ہمارے عطاء کوثر کی شہادت بہم پہونچاتا رہے گا۔!

ظہور نتائج

یہ سب کچھ آب و گل والی دُنیا میں ہوگا، اور ہوتا رہے گا اور اسے ناسوت والے اپنی مادی آنکھوں سے برابر دیکھتے رہیں گے، باقی جو کچھ اس عالم کے خاتمہ کے بعد، ہماری طرف مراجعت کے بعد ہوگا، اُس کے فہم و ادراک کے لئے تو ان شامت زدوں نے اپنے پاس کوئی ادنیٰ سا ذریعہ بھی باقی نہیں رکھا ہے قرآن و نبوت کے اندر جو گہری اور حقیقی نعمتیں جھلک رہی ہیں، اور شفاعت کبریٰ ولوائے احمد، حوض محشر و بہشت، کی نعمتوں کی قدر و قیمت کا اندازہ تو اُسی وقت ہوگا، جب یہ حقیقتیں پردہ غیب سے نکل کر

شہود میں آچکیں گی، اور افسوس ہے کہ اُس وقت کی حسرتیں اور ندامتیں، پشیمانیاں اور پریشانیاں، کچھ اُن کے کام نہ آئیں گی، لیکن اس مادی دُنیا میں، جو کچھ پیش آنے والا ہے اس کے ظہور کے لئے تو زیادہ انتظار کی ضرورت نہیں، جلد اور بہت جلد، پردہ آنکھوں سے ہٹنے کو ہے اور سب کو نظر آجانے کو ہے، کہ ایک اولادِ صلبی کے عوض میں بیشمار و بے حساب اولادِ معنوی تجھے دیکر، تیرے نام کو چمکا کر، تیرے کام کو پھیلا کر، "عطاء کوثر" کا مشاہدہ اسی دُنیا میں کیونکر کرا دیا جاتا ہے ــ!

حقوق اللہ اور حقوق العباد

نماز اور قربانی

غرض دینے والا وہ، جس کا نہ کوئی ثانی نہ کوئی شریک نہ کوئی مثال، نہ کوئی عدیل۔ اور دیا گیا وہ، جو نہ پہلے کسی پانے والے کو ملا تھا، اور نہ آئندہ کسی خوش نصیب کے نصیب میں آئے گا۔ لیکن لینے والا بھی کون تھا؟ وہ نہیں جو اس لطف و کرم، جود و عطا، فضل و بخشش سے بھول میں آکر غفلت میں پڑ جائے اور اپنے تعلق باللہ کو ذرا بھی ماند پڑنے دے، اُس کی طبع سلیم کا یہ فطری تقاضا ہے، اور عین اُسی کے مطابق اُسے حکم بھی ملتا ہے کہ وہ برابر فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ، اپنے پروردگار کی یاد میں لگا رہے اُس کے لئے نمازیں پڑھتا رہے اور قربانی

کرتا رہے ۔ الفاظ میں تصریح صرف دو عبادتوں کی آتی ہے، ایک نماز دوسری قربانی ۔ لیکن یہی دو عبادتیں، خلاصہ ہیں ساری عبادت کا۔ حقوق اللہ کی ادائی کی ساری صورتوں کی جامع، نماز ہے، اور حقوق العباد کا لب لباب قربانی میں آگیا، اور رسولؐ کو یہ ہدایت کرکے، اُمت کے لئے بھی یہ اشارہ کردیا گیا کہ جب فضل وکرم کی بارش ہونے لگے، تو ادائے شکر کا بہترین طریقہ یہی ہے، کہ ادائے حقوق الٰہی و ادائے حقوق عباد میں اور زیادہ توجہ والتفات شروع کردیا جائے نہ یہ کہ انکی طرف سے غفلت برتی جانے لگے ۔

یتیمِ مکہ کی فتحِ مُبین

سرچشمہ حق وصداقت کی پیشگوئی کے ایک حصہ کو پورا ہوتے دوست دشمن، سب ساڑھے تیرہ سو سال سے دیکھتے چلے آرہے ہیں، لیکن دوسرا جزو بھی اپنی سچائی میں کچھ کم اثرانداز نہیں ۔ ارشاد ہوتا ہے اور عین اُس وقت کہ جوش مخالفت اور مخالفین کے اقتدار وقوت کا شباب ہے، بے دھڑک اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۔ اور بلا جھجک ارشاد ہوتا ہے ۔۔۔ کہ بے نام و نشان رہ جانیوالے تیرے دشمن ہی ہیں! آج ان کور باطنوں کو اپنی کثرت آل واولاد پر غرہ ہے، اپنی

اقبال مندی اور کامرانی کا دعویٰ ہے، اپنے پھلنے پھولنے پر ناز ہے، تیری اولاد کی وفات پر طعنہ زن ہیں، کہ تو بے نام ونشان ہو گیا بے نام ونشان رہ جانیوالا تو نہیں، بلکہ یہ خود ہیں، بے سلسلہ رہ جانیوالا تیرا کام نہیں، خود اُن کا کام ہے، مٹ جانے والا نام تیرا نہیں، اُن کا نام ہے، بجھ جانے والی روشنی تیری نہیں، انکی ہے، اور جنکی اولاد صلبی ومعنوی نیست ونابود ہو کر رہے گی، وہ تو نہیں یہ خود ہیں۔ یہ مٹ جائیں گے انکی اولاد برباد کردی جائیگی، انکے گلشن تاراج کر کے رکھ دیے جائینگے انکی نسلیں خاک میں ملادی جائینگی۔ یہ ناموری کے بھوکے ہیں، انہیں گمنام وبے نشان کردیا جائیگا۔ تاریخ انکے نام پر لعنت بھیجے گی، انسانیت اپنا شجرہ نسب ان سے جوڑتے شرمائیگی۔ کوئی نہ اُن کا نام لینے والا رہے گا۔ نہ ان پر فاتحہ پڑھنے والا۔

دُنیا نے چند ہی روز کے بعد کیا نظارہ کیا؟ اس ساڑھے تیرہ سو برس کی مدت میں کیا دیکھتی چلی آرہی ہے؟ ابوجہل کی قبر کا بھی کہیں نشان ہے؟ ابولہب کا "مزار" کوئی آج تک تلاش کرسکا ہے؟ عاص بن وائل کی اولاد آج دُنیا کے کسی خطہ میں آباد ہے؟ اُمیّہ بن خلف کے کارناموں کی داد آج تاریخ کے گوشہ گوشہ سے مل رہی ہے؟ ولید بن مغیرہ کے فضائل ومناقب کا چرچا آج کسی کی زبان پر ہے؟ عقبہ کی اولاد آج دُنیا کے کسی گوشہ میں آباد ہے؟ رؤسائے قریش کی ریاست، اور سرداران مکہ کی سرداری کی کہیں گرد تک بھی باقی ہے؟ روئے زمین کے کسی خاندان کو آپ نے پایا ہے

جو اپنا شجرۂ نسب ان باغیوں اور طاغیوں سے جوڑ رہا ہو ؟

درود و سلام

انہیں بھی چھوڑیئے، انکے بعد سے، اسوقت تک صدیوں کے طویل عریض زمانہ کا جائزہ لے ڈالئے ہر ملک اور ہر دور کی تاریخ کو دیکھ ڈالئے محمدؐ سے جس نے دشمنی کی، اس کا کیا انجام ہوا ؟ کسی کی قسمت میں عزت و ناموری آئی ؟ جسکی مدح اللہ نے کی، جسے اللہ نے "مدح کیا گیا" کہہ کر پکارا، اس کی ہجو کو جو بھی اٹھا، خود لڑکھڑا کر گرا جو اس سے ٹکرایا، پاش پاش کر دیا گیا جس نے اس سے گستاخی کی جرائت کی اسے پامال کر دیا گیا۔ جسے لاولدی اور لاولدی کی بنا پر گمنامی اور بے نشانی کا طعنہ دیا گیا تھا، دنیا دیکھ رہی ہے اور ہزار ڈیڑھ ہزار سال سے دیکھتی چلی آرہی ہے، کہ وہ سب سے زیادہ وسیع العیال اور کثیر الاولاد ہے، جس کی بیکسی و گمنامی پر ہنسی اڑائی گئی تھی، وہی ناموری کا سردار، شہرت والوں کا سرتاج ہے۔ جسکے نام کو مردہ سمجھ لیا گیا تھا، اسی کے نام پر درود و سلام ہیں، اسی کا توسل باعث نجات، اور اسی کا نام اللہ کے نام کے ساتھ بلند و ممتاز !

؎ تمہارے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد

تیمور اور مارگولیس، ولہاؤسن اور سیل منٹریب ہیں، اور ان جیسے ہزاروں اور لاکھوں بدبخت مشرق میں مل کر اور اکٹھے ہو کر بھی، اس عزت و ناموری کو حاصل کر سکتے ہیں ؟ اور اپنے نام کو، اور اپنے کام کو مردہ ہونے سے بچا سکتے ہیں ؟

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّم

دوراهی

دو راستے

دلوں کی اقلیم میں انقلاب منکروں کا اقرار۔ مہینوں کی تپش و تابش، لُو اور لپٹ، تڑاقے اور جلاپے کے بعد جب برسات کی ہوائیں چلتی ہیں، تو کالے کالے بادل اُمنڈ اُمنڈ کر آتے ہیں، اور جل تھل بھر جاتے ہیں۔ سالہا سال کی سختیوں اور آزمائشوں، امتحانات، ابتلاآت کے بعد جب مشیت مطلقہ کو، اس مشیت کو جس کے اوپر کوئی مشیت نہیں، منظور ہوا کہ مُردہ میں جان پڑ جائے اور سوکھی ہوئی کھیتی لہلہانے لگے، تو نیتوں کے رُخ پلٹ دئے، اور دلوں کی اقلیم میں انقلاب برپا کر دیا۔ جو گردنیں اکڑی ہوئی تھیں، وہ جُھکیں، اور جو زبانیں انکار پر اڑی ہوئی تھیں، وہ اقرار کا کلمہ پڑھنے لگیں۔ جو قلوب اپنی سختی و قساوت میں پتھر کو شرما رہے تھے، وہ پانی ہو ہو گئے۔ اور جو جہنم کے شعلوں کے لئے تیار ہو رہے تھے، وہ جنت کے ٹکٹ کی خریداری کو لپک لپک کر بڑھے۔ مکہ کی سرزمین جو توحید کے منادی کرنے والے پر تنگ ہو چکی تھی، اب اسی بے بس و بےکس یتیم کے جاہ و جلال، فتح و اقبال کے سامنے اپنی ساری وسعتوں اور پہنائیوں کے ساتھ پیش ہوئی، اور خانۂ کعبہ کا دروازہ اُسی ہجرت کر جانے والے پردیسی کے ہاتھوں، نہیں بلکہ اُسکے خادموں اور خدمتگزاروں کے ہاتھوں، کھل کر رہا۔ جس اللہ کا نام زبان پر

لانا منع تھا، اب اُسی کی بڑائی کی پکار عرب کے گوشہ گوشہ میں گونجی، اور اس کے جس بندہ کو مکہ نے حقیر جانا اور طائف نے تمسخر کیا تھا، اُسی کی سچائی اور عظمت کی شہادت دینے پر اب مکہ و طائف، نجد و حجاز، یمن و عمان، دشت و جبل کے پیر و جوان، زن و مرد، غول کے غول، خیل کے خیل، جھپٹ جھپٹ کر آگے بڑھنے لگے! جس مجبور و بیکس کو، اپنا عزیز و محبوب وطن، بالفاظ گبن[1]، راتوں رات، صرف ایک رفیق طریق کی معیت میں چھوڑنا پڑا تھا، وہ اُس شہر میں، جس کے در و دیوار تک اُس کی عداوت کا

---

[1] گبن، مشہور انگریز مورخ ہوا ہے۔ روما کی ضخیم تاریخ میں، اسلام اور شارع اسلام کا بھی ذکر کیا ہے۔ واقعۂ ہجرت کے سلسلہ میں لکھتا ہے:-
اب مکہ کی سرداری اُمیہ کے خاندان میں آئی، اور ابوسفیان کو ملی، جو خاندان ہاشم کا جانی دشمن اور مذہب شرک کا زبردست علمبردار تھا۔ اس نے پیمبر کی قسمت کے فیصلہ کے لئے ایک مجلس قریش اور اُنکے حلیفوں کی منعقد کی ..... فیصلہ قتل کا ہوا اور قرار یہ پایا، کہ ہر ہر قبیلہ کا ایک ایک شخص انکے قلب میں تلوار بھونکے، تاکہ قصاص لینا بنی ہاشم کے لئے آسان نہ رہ جائے۔ کسی فرشتہ یا جاسوس نے سازش کی مخبری کر دی، اب پیمبر کے لئے بجز ترک وطن کے کوئی چارہ نہ تھا۔ رات کی تاریکی میں، محض ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر چپکے سے اپنے گھر سے نکلے" (باب ۵۰) مکہ میں فاتحانہ داخلہ بھی اسی کی زبان سے سنئے:- "جوش و خروش اور نظم و باقاعدگی نے کوچ کو بھی جاری رکھا، اور راز کو بھی قائم رکھا، تا آنکہ دس ہزار تلواروں کی چمک دمک نے حیرت زدہ قریش کو پر قوت دشمن کی آمد پر چونکا دیا۔ مغرور ابوسفیان نے شہر کی کنجیاں لاکر حوالہ کر دیں، اور اُس کے سامنے سے پرچموں اور ہتھیاروں کے جو جلوس پر جلوس گزر رہے تھے، اُنھیں دیکھ دیکھ عش عش کرتا رہا" (ایضاً)

عہد کر چکے تھے، اُس کے آٹھویں ہی برس اس شان سے داخل ہوا
کہ دس ہزار آہن پوش جاں باز اُس کے جلو میں تھے، اور کوکبۂ
نبوی کا منظر اس جاہ و جلال کا تھا، کہ بڑے سے بڑے
دشمنِ اسلام کی آنکھیں خیرہ ہو ہو کر رہ گئیں۔ ایک مورخ ان الفاظ میں
نقشہ کھینچتا ہے۔

"لشکرِ اسلام جب مکّہ کی طرف بڑھا، تو آنحضرت صلعم نے
حضرت عباسؓ سے ارشاد فرمایا، کہ ابوسفیان کو پہاڑ کی
چوٹی پر لیجا کر کھڑا کر دو، کہ افواجِ الٰہی کا جلال اپنی آنکھوں
سے دیکھے۔ کچھ دیر کے بعد دریائے اسلام میں تلاطم شروع
ہوا۔ قبائلِ عرب کی موجیں جوش مارتی ہوئی بڑھیں۔ سب
سے پہلے غفار کا پرچم نظر آیا۔ پھر جہینہ، پھر ہذیم، پھر سلیم
ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے تکبیر کے نعرے مارتے ہوئے
نکل گئے۔ ابوسفیان ہر دفعہ مرعوب ہو ہو جاتا تھا۔ سب
کے بعد انصار کا قبیلہ اس سروسامان سے آیا، کہ آنکھیں
خیرہ ہو گئیں۔ ابوسفیان نے متحیر ہو کر پوچھا یہ کون لشکر ہے؟
حضرت عباسؓ نے نام بتایا۔ دفعتہً سردارِ فوج حضرت
سعد بن عبادہ ہاتھ میں علم لئے ہوئے برابر سے گزرے، اور
ابوسفیان کو دیکھ کر پکار اُٹھے، الیوم یوم الملحمۃ الیوم تستحل
الکعبہ (آج گھمسان کا دن ہے، آج کعبہ حلال کر دیا جائیگا)

سب سے اخیر کوکبِ نبوی نمایاں ہوا، جس کے پرتو سے سطح خاک پر نور کا فرش بچھتا جاتا تھا۔ حضرت زبیر بن العوام علمبردار تھے۔" (سیرۃ النبی، شبلی، جلد اوّل، ص ۳۴۷)

باطل کی سرداری ختم۔ چند سال کے اندر، دیکھتے دیکھتے دنیا کی کایا پلٹ ہو چکی تھی۔ اب راج تھا، تو مکہ کے اسی اُمّی کا، اور جیت تھی، تو بنی ہاشم کے اسی یتیم کی۔ ابوجہل کی فخّاری، عتبہ کی سرداری، ابولہب کی ریاست، سب نسیاً منسیاً ہو چکی تھی اور عاص بن وائل، امیہ بن خلف، ولید بن مغیرہ کے بھائی اور بھتیجے، بیٹے اور پوتے، اگر کہیں تھے، تو اس آرزو و تمنا میں دوڑتے ہوئے، کہ اللہ کے رسولؐ کی رکابوں کو چومیں، اور خاکِ پا کو آنکھوں سے لگائیں!

نصرتِ الٰہی۔ یہ عجیب و غریب نظارہ، عالمِ رویا و منام میں نہیں، نگاہِ کشفی و عرفانی سے نہیں، اسی عالمِ حس و بیداری میں، انھیں مادی آنکھوں سے دکھایا گیا۔ اور دکھانے کے ساتھ ہی جتا بھی دیا گیا، کہ یہ جو کچھ ہوا، محض نصرتِ الٰہی سے ہوا، نصرت کا وعدہ شروع ہی سے تھا، نصرت علمِ باری میں مقدر ہو چکی تھی جب اس کی گھڑی آئی، نصرت اپنے عین وقت پر ظاہر ہو کر رہی۔[1]

---

[1] ومعنى مجیء النصر ان جمیع الامور مرتبطة باوقاتها یستحیل تقدمها عن وقتها او تاخرها عنه فاذا جاء ذلك الوقت المعین حضر معه ذلك الامر المقدر (خازن) وانما عبر عن الحصول بالمجیء تجوزا للاشعار بان المقدرات متوجهة من الازل الى اوقاتها المعینة لها فتقرب منها شیئاً فشیئاً۔ (بیضاوی)

اذا جاء نصر اللہ والفتح[1] ۔ ورنہ کوئی بڑے سے بڑا انسان بھی اپنے عزم وہمت، اپنی سعی وزور بازو سے، ممکن نہ تھا کہ اتنا زبردست وعظیم الشان انقلاب پیدا کرسکتا۔ اور فتح، اسی نصرت الٰہی ہی کے نتیجے کے طور پر، ظاہر ہوکر رہی۔ نصرت کا رنگ تو لطیف وخفی ہوتا ہے، اس کا ادراک تو صرف صاحب بصیرت ہی کرسکتے تھے، فتح کا ظہور ایسا مادّی اور اس قدر نمایاں اور کھلا ہوا ہوکر رہا، کہ عامی سے عامی نے بھی اسے دیکھا، اور غبی سے غبی بھی اس کو سمجھ کر رہا۔ پھر نری "فتح" تو دوسروں کے لئے بھی ممکن ہے۔ بہتوں کے فاتح تو دنیا میں اور بھی ہوئے ہیں۔ یہ نبیؐ کی فتح تھی، اللہ کے سب سے بڑے پرستار کی فتح تھی۔ سکندر اور چنگیز، نپولین اور ہنڈن برگ کی فتح نہ تھی۔ یاد یہ نہیں دلایا جاتا، کہ ملک کا رقبہ اتنا وسیع ہوا۔ خراج کی رقم میں اتنے کا اضافہ ہوا، "رعایا" کی گنتی اتنی بڑھی، بلکہ مخاطب کے خاص مذاق پیمبری کی رعایت سے ارشاد یہ ہوتا ہے، کہ اس

---

[1] فتح عربی میں چیز کے کھل جانے اور دشواری کے حل ہوجانے کو کہتے ہیں۔ الفتح ازالة الاغلاق والاشکال۔ راغبؒ نے لکھا ہے کہ اسکی دو بڑی قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو مادی آنکھوں سے نظر آتی ہے، مثلاً دروازہ کا کھلنا، قفل کا کھلنا، وغیرہ۔ اور دوسری قسم وہ ہے، جو صرف چشم بصیرت سے نظر آتی ہے۔ پھر خود اسکی متعدد قسمیں ہیں۔ اور ہر معنی کے استشہاد میں کلام مجید کی آیات پیش کی ہیں۔ اور سورۂ الفتح میں فتح مبین سے مراد علوم وہدایات نبوی سے لی ہے۔ عنی ما فتح علی النبی من العلوم والہدایات التی ہی ذریعة الی الثواب والمقامات المحمودة۔

فتح کے آثار میں تم نے سب سے بڑا اور نمایاں اثر یہ دیکھ لیا، کہ

وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا۔

جس دین میں شامل ہوتے لوگ اکّا دُکّا بھی ڈرتے تھے، اُس میں اب فوج کے فوج، جوق جوق، گھرانے کے گھرانے محلہ کے محلہ قبیلہ کے قبیلہ، کھلے خزانے، ہانکے پکارے، بے دھڑک اور بلا جھجک شامل ہو رہے ہیں! اور شامل کا ہیکو ہو رہے ہیں؟ کسی انسانی جتھے کی تقویت کے لئے نہیں، قبیلہ، قوم، ملک، رنگ، نسل، وطن کا جھنڈا بلند کرنے کے لئے نہیں، "نیشلزم" کے نام پر جینے اور مرنے کے لئے نہیں، بلکہ فی دین اللہ، محض اللہ کے نام کی پاکی اور بلندی کے لئے، توحید کی پرستاری کے لئے! لوگ سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں، ہتھیار نہیں رکھ رہے تھے سیاسی محکومی کے اقرار نامے نہیں لکھ رہے تھے، مسلمان ہو رہے تھے، توحید کا کلمہ پڑھ رہے تھے، نجات و غفران کے پروانے حاصل کر رہے تھے۔ اور کل تک جو نورِ حق کے خون کے پیاسے تھے آج اُسی شمع کے گرد پروانہ وار خود نثار ہو جانے کو آگے بڑھ رہے تھے! دُنیا نے "فتوحات" بہت سی دیکھی ہیں، ایسی حیرت انگیز "فتح" بھی چشمِ تاریخ نے کہیں دیکھی ہے؟ اس عجیب و غریب فتح کو بجز نصرتِ الٰہی کے اور کسی شے پر محمول کرنا ممکن ہے؟

دنیا جب فتحمند ہوتی ہے، تو عام طور پر کیا کرتی ہے؟

اچھلتی ہے، کودتی ہے، ناچتی ہے، گاتی ہے، باجہ بجاتی ہے، جشن مناتی ہے، کھاتی ہے، کھلاتی ہے، پیتی ہے، پلاتی ہے۔ یہ "فتح" جس طرح اپنی ذات میں بے نظیر تھی، اپنے ثمرات وعواقب کے لحاظ سے بھی بے نظیر رکھی گئی۔ حکم یہ نہیں ملتا، کہ اس فتح کی خوشی میں شہر کو چراغاں کیا جائے، کوئی جلوس نکالا جائے، جلسے اور مظاہرے کرکے تجویزیں پاس کی جائیں، بلکہ ارشاد یہ ہوتا ہے، کہ اے پیمبر، اب دین کی تکمیل ہو چکی فسبح بحمد ربك واستغفرہ، انہ کان توابا۔ فرائض نبوت تمام ہو چکے، پیام کی منادی تم کر چکے، حق کے لئے اور خالق کے حکم سے، خلق کی جانب، اپنے دل پر جبر کرکے بہت رجوع رہ چکے، بس اب وقت ہے، کہ اپنے اصلی ذوق کے مطابق، صورۃً بھی تمامتر حق ہی کی طرف رُخ کر لو خالق ہی کی جانب، رجوع ہو جاؤ، اسی کی حمد کی تسبیح میں لگ جاؤ، اسی سے استفادہ شروع کردو، اسی سے اپنی حفاظت کی دعائیں کرنے لگو[1]، وہ تمہارا رب، جو تمہارا اور سب کا مربی حقیقی ہے، بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا، بڑا ہی رجوع بہ رحمت کرنیوالا ہے! تعمیل کی شان۔ سبحان اللہ کیا شان بے نیازی ہے، اور کس درجہ

---

[1] استغفار کے معنی، لغت میں، حفاظت طلب کرنے کے بھی آئے ہیں۔ بعض مفسرین نے استغفار سے امت کے لئے استغفار مراد لیا ہے۔

"تکمیل عبدیت مقصود ہے! استغفار کا حکم اُسے مل رہا ہے، جو خود دوسروں کی مغفرت کرائیگا، اور توبہ قبول ہونے کی بشارت اسے دی جا رہی ہے، جو معصوم ہی نہیں معصوموں کا سردار ہے! لیکن صلِّ علیٰ، بندہ بھی کیسا تھا، اپنے مولا کا عاشق زار! حکم کی تعمیل معناً تو جس طرح کی ہو گی، اُس کا حال اہل معنیٰ ہی جان سکتے ہیں، لفظاً اس طرح کی، کہ اُٹھتے اور بیٹھتے، اور آتے اور جاتے، کوئی وقت ایسا نہ تھا، کہ زبان، سبحان اللہ وبحمدہ کے ورد سے ناآشنا رہنے پائی ہو[1]، اور کلمات استغفار کی کثرت اس کے علاوہ[2]۔ احکام میں مخاطب گو پیمبر ہوتے ہیں، لیکن مراد امت ہوتی ہے، جب فتح و نصرت، غلبہ و کامرانی کے موقع پر، رسول تک کو حکم تسبیح و استغفار کا ہے[3]، تو غیر معصوم افرادِ امت کے لیے، ان احکام کی تعمیل کتنے زائد درجوں میں ضروری ہو گی!

---

[1] شعبی عن ام سلمہ قالت کان رسول اللہ صلعم فی آخر امرہ لا یقوم ولا یقعد ولا یذہب ولا یجئ الا قال سبحان اللہ وبحمدہ فقلت یا رسول اللہ انک تکثر من سبحان اللہ وبحمدہ تذہب ولا تجئ ولا تقوم ولا تقعد الا قلت سبحان اللہ وبحمدہ قال انی امرت بہا فقال اذا جاء نصر اللہ الی آخر السورۃ (ابن جریر)

[2] مسروق عن عائشۃؓ قالت ما صلّی النبی صلعم صلاۃً بعد ان نزلت علیہ اذا جاء نصر اللہ والفتح الا یقول فیہا سبحانک ربنا وبحمدک اللّٰھم اغفر لی (صحیح بخاری)

[3] ایک جماعت مفسرین کا خیال ہے، کہ استغفار کا جو حکم رسولؐ کو ملا ہے، اُس سے مراد امت کے لئے استغفار ہے، وقیل استغفرہ لامتک (بیضاوی) وقیل المراد منہ الاستغفار لذنوب امتہ وھذا اظاھر (خازن)

حق پرستوں کا راستہ۔ ایک راستہ یہ تھا۔ یہ حق پرستوں کا راستہ تھا۔ صرف "تھا" یہ صیغۂ ماضی نہیں، "ہے" یہ صیغۂ حال بھی جس طرح ہمیشہ کھلا ہوا تھا آج بھی کھلا ہوا ہے۔ حق کی پرستش بیکار نہیں جاتی، اور راہ کی منزلیں کتنی ہی دشوار گزار، اور آزمائشیں کیسی ہی سخت ہوں، آخری فلاح و کامیابی حق پرستوں ہی کو ہو کر رہتی ہے۔ قرآن پاک، واقعات تاریخی کا رجسٹر نہیں ہدایت و رہنمائی کا نسخہ ہے، دنیا کے سارے حق پرستوں کے سردار کی سرگزشت سنا کر جتا دیا، کہ راہ حق پر چلنے والوں کے لئے یہ نقشۂ تقدیر ہے۔ پہلے "عسر" پھر "یسر" پہلے بے بسی و بیکسی، پھر قوت و عظمت پہلے تہی دستی و بے سامانی، پھر غلبہ و کامرانی۔ پہلے ہجرت، پھر فتح و نصرت، شرط صرف یہ ہے، کہ حرا کی غار نشینی نظر انداز نہ ہونے پائے، اور سخت سے سخت بیچارگی میں، لاتحزن ان اللہ معنا کہنے والے کی طرح، "کسی" کی معیت کا سر رشتۂ تصور ہاتھ سے نہ چھوٹے!

خود پرستی کا راستہ۔ لیکن دنیا میں یہی ایک راستہ نہیں۔ ایک دوسرا راستہ ٹھیک اسی کے مقابل، مادیت و خود پرستی کا ہے یہاں توکل علی اللہ پر قہقہے لگائے جاتے ہیں، اور اعتماد اپنی قوت پر کیا جاتا ہے۔ یہ راہ خودی کی ہے، یہ راہ دولت و حکومت، جاہ و ثروت، عزت و وجاہت والوں کی ہوتی ہے، یہاں کامیابی

نتیجہ سمجھی جاتی ہے، زرپاشی کا، پارٹی بندی کا، "خوش تدبیریوں" کا مہذب دور کی مہذب اصلاح میں "کنویسنگ" کا! ہر نور، اپنے مقابل، ٹھیک اسی درجہ کی ظلمت کو چاہتا ہے۔ مکّہ کا یتیمؐ، جو خیر محض، نورِ مجسم بنا کر بھیجا گیا، اُس کے مقابلہ پر، جو شرِ محض، ظلمت مجسم بن کر اُٹھا، وہ نسباً و قرابتہً کوئی غیر نہیں، اور دوں سے بڑھ کر اپنا، یعنی اُس داعیِ حق کا چچا ہے، ریاست مکّہ کا رئیس ہے، صرف دنیوی ہی نہیں، بلکہ دینی بھی۔ اہلِ مکّہ کا لیڈر ہے، اور خانہ کعبہ کا متولی! اس کے جاہ و اثر، اقتدار و وجاہت کا کیا پوچھنا! ادھر صفا کے ٹیلہ پر چڑھ کر پیمبرِ حقؐ نے، اپنے عزیزوں قریبوں کو اپنا پیام سنانا چاہا، کہ اُدھر اس دشمنِ حق نے اپنے ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر کوسا، کہ "اے محمدؐ، تو ہلاک ہو، کیا تو نے ہمیں بس اسی کے لیے اکٹھا کیا تھا"! اور اُس وقت سے یہ شیوہ ہو گیا کہ جدھر جدھر وہ حق کا راہبر اپنے وعظ و پند کے لئے رخ کرتا تھا، اُسی طرف یہ ظالم بھی اپنی قوت و اقتدار کی پوری نمایش کے ساتھ سدِّ راہ بن بن کر ساتھ ہوتا تھا، اب حق و باطل کا معرکہ اپنے شباب پر تھا، اور باطل اپنی تائید پر ساری ظاہری و مادی قوتوں کے اجتماع کے ساتھ، غلبہ پاتا نظر آ رہا تھا۔ عین اُس وقت جب کہ حق کی بیچارگی اپنے مرتبہ کمال کو پہنچی ہوئی تھی اور حق کے پرستار پر معلوم ہوتا تھا کہ زمین، آسمان سب

تنگ ہو چکے ہیں[۱]، اعلان ہوتا ہے، اور بلا کسی جھجک اور رکاوٹ کے، پرزور اعلان ہوتا ہے، کہ یہ جوش مخالفت اور آتش عداوت سے بھرا ہوا شخص، جو اپنے انجام کی تبت یدا ابی لہب وتب۔ مناسبت سے اسی دنیا میں ابولہب (شعلہ والا) کے نام سے مشہور ہو چکا ہے، ہلاک ہو گیا، اور اُس کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو گئے! جو ہاتھ مخالفت حق میں اس قدر سرگرم ہیں اور جنھیں اُٹھا اُٹھا کر اس بدبخت نے کوسا تھا، وہ خود ٹوٹ کر رہ گئے۔ اس کی کوششوں اور سازشوں پر پانی پھر گیا، اس کی کمیٹیاں اور کانفرنسیں کچھ کام نہ آئیں۔ اس کے توڑ جوڑ دھرے کے دھرے رہ گئے اس کا پروپیگنڈا خود اسی کے منہ پر اُلٹا پڑا۔ اس کو بڑا دعویٰ اپنے زر و مال کا، اور بڑا نشہ اپنی زرپاشیوں کا ہے۔ ان میں سے کوئی چیز اس کے آڑے نہ آئی۔ نہ اس کی ما اغنیٰ عنہ مالہٗ وما کسب۔ جائداد اسے ہلاکت و بربادی سے بچا سکی، نہ اس کی سرمایہ داری۔ انجام اس کا خسران ہوا، اس کی ہر تمنا ناکام اور ہر کوشش رسوا ہو کر رہی۔

---

[۱] سورۂ لہب کے نزول کا زمانہ ابتدائی زمانہ ہے۔ جب ذات مبارک ہر طرح نرغۂ اعدا میں محصور تھی، اور غلبہ کی ساری نشانیاں ابوجہل و ابولہب کے ساتھ تھیں۔

ابو لہب کی ناکامیاں، کاتب تقدیر کا فرمان۔ پیشگوئی، کسی شاعر کا تخیل نہ تھا۔ کاتب تقدیر کا فرمان تھا۔ حرف حرف پورا ہو کر رہا۔ چند ہی سال کی مدت میں، آسمان کے نوریوں ہی نے نہیں، زمین کے خاکیوں نے بھی دیکھا، کہ یہ خوش اقبال رئیس مکہ، و بلند بخت امیر قریش، اپنے ہر منصوبہ میں ناکام و نامراد، ہر طرح پر خائب و خاسر اپنے کلبۂ احزان میں، ایک وبائی جلدی مرض میں مبتلا، رفیقوں اور دوستوں کی دلدہی، اور عزیزوں قریبوں کی تیمارداری سے محروم، تن تنہا بستر مرگ پر پڑا اِڑیاں رگڑ رگڑ کر دم توڑ رہا ہے، اور مرنے کے بعد جب جسم بالکل سڑ جاتا ہے، اور عفونت دُور دُور پھیلنے لگتی ہے، تو حبشی، لاشہ بے کفن کو گھسیٹ کر ایک گڑھے میں ڈال آتے ہیں! اور یہ ٹھیک وہ وقت ہوتا ہے، جب وہ مکہ کا بے یار و یاور یتیم، بدر کے میدان میں ابوجہل اور اس کے ساتھ کے بڑے بڑے گردن کشوں کا خاتمہ کرکے، اپنے صدہا جاں نثاروں کے جلو میں، فاتحانہ و شاہانہ جاہ و جلال سے، مدینہ کے اندر، اپنے ہزارہا فدائیوں کی آبادی میں داخل ہو رہا ہے! —— ساڑھے تیرہ سو سال گزر چکنے کے بعد (ہجرت کا سنہ، عین ابولہب کے ظلم کی تاریخ ہے) اب عقیدتمندی سے نہیں، تاریخ سے سوال ہے کہ ابولہب کی عظمت کہاں ہے؟ اس کا نام کس کی زبان

پر ہے؟ اس کی اولاد دنیا کے کس گوشہ میں آباد ہے؟ اس کے نام پر نوحہ خواں کس دیس میں بستے ہیں؟ اس کی قبر کا نشان دنیا کے کسی محکمہ آثار قدیمہ نے ڈھونڈ نکالا ہے؟

انجام عاجل یہ ہوا، اب انجامِ آجل کی بھی خبر سن لیجیے۔ دنیا یوں گئی، آخرت کو بھی جاتا ہوا اب دیکھ لیجیے۔ ارشاد ہوتا ہے، کہ ابھی ہوا ہی کیا ہے، یہ تو نمونہ تھا، اس ابدی حرماں سیصلی نارا ذات لہب وامراتہ حمالۃ الحطب فی جیدھا حبل من مسد۔ اور دائمی خسران کا جو آگے پیش آکر رہتا ہے آرہا ہے، وہ وقت، جب اس بدنصیب کے اندر کی آگ اسے باہر سے بھی گھیر لے گی۔ اور اپنے نام کی طرح جہنم کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کے درمیان یہ پھینکا جائے گا۔ اس کی جتھے بندیاں جب دنیا ہی میں اسے نہ بچا سکیں، تو وہاں کیا کام آئیں گی۔ اور یہ صاحب وہاں تنہا نہ ہوں گے، بلکہ مع اپنی لیڈی صاحبہ کے ہوں گے۔ ان لیڈی صاحبہ کے اوصاف حمیدہ یہ ہیں، کہ یہاں دنیا میں ادھر کی ادھر لگا کر دلوں میں رنجش اور عداوتیں پیدا کرتی رہتی ہیں، اور اپنے شوہر نامدار کی آتشِ بغض و فساد کے شعلوں کو، ایندھن ڈال ڈال کر اور بھڑکاتی رہتی ہیں، اور ایمان والوں کی راہ میں ایذا رسانی کے لئے کانٹے بچھاتی رہتی ہیں، وہاں انکی "خوش گپی" (Society Gosaip) کچھ کام نہ دیگی۔

آج اس سیہ بخت عورت کو اپنے قیمتی زیوروں پر غرہ ہے، اور اپنی گردن کا طلائی ہار یہ اللہ کی چہیتی اُمت، مسلمانوں کی مخالفت میں لگا دینا چاہتی ہے، کل اسکی اسی گردن کو موٹی رسی سے گھسیٹ گھسیٹ کر، اسے اُسی آگ میں جھونکا جائیگا اور یہی دنیا میں حق کے دشمنوں کا انجام ہوا ہے۔

ایک راستہ وہ تھا، دوسرا راستہ یہ ہے، ایک میں آگے بڑھ کر فتح و نصرت کی کشادگیاں ہیں، اور فضل وکرم کی بہار آرائیاں۔ دوسرے کا خاتمہ تباب و ہلاکت تباہی و بربادی، حرمان و خسران پر آکر ہوتا ہے۔ پہلا راستہ ترک خودی کا ہے، دوسرا خودی کا، پہلی راہ، اللہ والوں کی اللہ کے مقبولوں کی، عجز و شکستگی اختیار کرنے والونکی ہے، دوسری خود پرستوں کی، زروالوں اور زوروالوں کی، دانش و فرزانگی کے مدعیوں کی، حکمت و تدبیر پر مغروروں کی! دونوں راہیں تشریعاً ایک دوسرے کی ٹھیک ضد ہیں، اور عین مقابل۔ لیکن حکمت تکوینی کے اعتبار سے دیکھا جائے تو نور و ظلمت، خیر و شر کی طرح ایک دوسرے کی متمم و مکمل، اور ایک دوسرے کے لیے مایۂ حیات اور مورث معنی، ایک سورۂ قرآنی ایک راستہ دکھانے والی، دوسری، دوسری راہ

ہوشیار کر دینے والی۔ دونوں کے زمانۂ نزول کے درمیان سالہا سال کا فرق، لیکن ترتیب و نظم قرآنی کے اعجاز پر ایک مستقل گواہ کی حیثیت سے، دونوں ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو! سورۂ کافرون کے آخر میں آتا ہے لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ (اے کافرو، تمہارا دین تمہارے ساتھ اور میرا دین میرے لئے!) ترتیب قرآنی میں اس کے معاً بعد سورۂ نصر، آخری ٹکڑے وَلِیَ دِیْنِ (میرے دین) کی شارح اور اس سے متصل سورۂ ابی لہب پہلے ٹکڑے لَکُمْ دِیْنُکُمْ (کافروں کے دین) کی ترجمان!

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

ذکرِ رسول ﷺ کی بلندی

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

ذکرِ رسولؐ کی بلندی

مثلِ آفتاب جاد موں کا سرمایۂ ناز ۔ کروڑوں تو شاید، لیکن لاکھوں کہا
بندے اللہ کے یقیناً ایسے ملیں گے، جو اپنی نجات اور اپنی عقبیٰ،
شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی ذات سے وابستہ سمجھ رہے ہیں، اور
آج ہی نہیں، سیکڑوں برس سے سمجھتے چلے آرہے ہیں ۔ عقیدہ
کی صحت و غلطی سے یہاں بحث نہیں، مقصود نفس واقعہ کا اظہار
ہے، انکی زبانوں پر نام ہے تو غوث اعظمؒ کا اور دلوں میں اعتقاد
ہے، تو محبوب سبحانیؒ کا ۔ لیکن ذرا سوچ کرنا ہے، کہ شیخؒ اور
اُنکے سارے پیش رَو اور پیں رَو، حسن بصریؒ اور جنید بغدادیؒ
خواجہ اجمیریؒ اور سید احمد سرہندیؒ، نظام دہلویؒ اور علاء الدین
صابر کلیریؒ، نازاں کس شئے پر ہیں؟ اپنی سروری و سرداری
پر، یا عرب کے اُمیؐ کی غلامی اور مکہ کے یتیمؐ کی چاکری پر؟
اللہ اللہ! جو خود لاکھوں کے سردار اور کروڑوں کے پیشوا انھیں
اگر فخر ہے تو صرف اس کا کہ کسی آستانِ پاک کے جاروب کش
ہیں اور بس! —— دنیا میں ابتک بڑے بڑے جوگی اور رشی
راہب اور اہلِ ریاضت گزرے ہیں، یہ امتیاز اور یہ اعزاز

کسی اور کے حصہ میں آیا ہے؟ کسی کے خادموں میں بھی ایسے ایسے آفتاب اور ماہتاب، اور وہ بھی اس کثرت سے ہوئے ہیں؟

بے نظیر خدمت اور خادم - امام بخاریؒ کے مرتبہ و عظمت سے کون ناواقف ہے۔ انکی کاوش و تحقیق کی نظیر کسی ملک، کسی قوم میں ملتی ہے؟ پھر انھوں نے اور انھیں کی راہ پہ دوسرے صدہا چلنے والوں نے، امام مسلمؒ نے، امام مالکؒ نے، امام ابو داؤد نے، امام ترمذیؒ نے، امام نسائیؒ نے اپنی ساری ساری عمریں کس شغل کی نذر کر دیں؟ محض ایک اُمیؐ ہی کے اقوال و اعمال کے جمع کرنے میں! اور عسقلانی اور عینی، قسطلانی اور طیبی، سخاوی اور شوکانی، قاضی اور نودی اور ان جیسے سیکڑوں دوسروں نے اپنی زندگیوں کو کس چیز کے لیے وقف کر رکھا ہے؟ اسی اُمیؐ کے اقوال کی شرح و تفسیر، اور اُس کی جانب منسوب الفاظ کی تنقیح و تنقید کے لیے! ابن جوزیؒ اور ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ، انکی ساری زندگیوں کی تحقیق و تدقیق کا خلاصہ کیا ہے؟ بس اسی قدر نہ، کہ فلاں فلاں بدعتیں اُس اُمیؐ کی سنت کے مخالف ہیں، اور فلاں فلاں اقوال اُسکی جانب منسوب کرنا اُس پر افترا کرنا ہے) ——— اس پردۂ عالم پر ایک سے بڑھ کر ایک عالم و فاضل، حکیم و فلسفی، ادیب و مہندس پیدا ہو چکے

ہیں، دنیا نے ابتک اُن میں سے کسی کے ساتھ، اس کا نصف بھی اعتنا ر کیا ہے؟ کسی فلاطون، کسی سقراط، کسی ارسطو، کسی نیلاٹن، کسی کینٹ، کسی ڈارون کے اقوال و ملفوظات اس کاوش کے ساتھ جمع کیے گئے ہیں؟ کسی کا ایک ایک فقرہ ایک ایک قول، ایک ایک لفظ، اتنی سخت جرح اور ایسی ایسی موشگافیوں کے بعد، پاکوں کے واسطہ سے اور سچوں کی شہادت سے یوں سلسلہ بہ سلسلہ منقول ہو کر پہونچا ہے؟

نقوش سیرت کی حفاظت - ابن اسحاق اور ابن ہشام، سہیلی اور زرقانی، ابن سعد اور قاضی عیاض دمیاطی اور مغلطائی اور انکے صدہا شاگردوں اور رفیقوں کے ضخیم مجلدات آپکی نظر سے اگر نہیں گزرے نہ سہی، ان کے ناموں کی شہرت تو یقیناً آپ کے کانوں تک پہونچ چکی ہوگی - ان کا مشغلہ زندگی کیا رہا؟ یہ کاہے میں جئے اور کاہے میں مرے؟ اُسی اُمّی صلعم معلم کائنات کی سیرت کا ایک ایک گوشہ محفوظ رکھنے میں، اُس کی کتاب زندگی کی ایک ایک سطر حفظ کرنے میں - اور محض یہی نہیں "روشن خیال" میور، اور "علم دوست" مارگولیس "تحقیق پسند" کارلائل اور "حقیقت طراز" ولہاوسن کو کس کے سوانح نویسوں کی صف میں شمار ہونے کی آرزو بیقرار کئے ہوئے

دنیا میں بڑے بڑے گردن کش بادشاہ اور تاجدار ہو چکے ہیں، کسی کی سیرت، اس تحقیق اور اس جزئی تفصیل کے ساتھ، تاریخ کے صفحات میں کہیں بھی ملے گی؟ کسی فرعون، کسی نپولین، کسی سکندر، کسی زار، کسی قیصر، کسی دارا، کسی فغفور، کسی سلطان، کسی مہاراجہ کسی ہز مجسٹی کا اُٹھنا، بیٹھنا، چلنا، پھرنا، سونا، جاگنا، کھانا، پینا ہنسنا، رونا، لیٹنا، بولنا، اس جامعیت، اس استقصاء، اس تاریخیت اور اس اہتمام کے ساتھ کاغذ کے نقوش پر آج تک منتقل ہو سکا ہے؟

اُمّیؐ کی شریعت کے شارح، اُسکی وسعت - امام ابو حنیفہؒ کے نام سے بچہ بچہ واقف ہے۔ کون دل ہے جو آپ کی عظمت سے خالی ہے؟ آپ خود الگ رہے، آپ کے شاگرد، بلکہ اُن شاگردوں کے شاگرد، اس پایہ کے نکلے، کہ معاصرین نے انھیں امام وقت تسلیم کیا۔ لیکن خود یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ اور اُن کے احباب و رفقاء و تلامذہ، سفیان ثوریؒ اور اوزاعیؒ، ابو یوسفؒ اور محمدؒ، زفرؒ اور حسنؒ، حمادؒ اور مزنیؒ طحاویؒ اور سرخسیؒ، اور صدہا ہزارہا فقہا، جو اب تک ہو چکے ہیں، یہ آخر گروہ در گروہ، انبوہ در انبوہ، کرتے کیا رہے ہیں؟ اُسی اَن پڑھ کے لائے ہوئے قانون کی شرح و تفسیر، اور اُسی حرف ناشناس کی بتائی ہوئی شریعت کے فروع کا حل اور جزئیات احکام کا استنباط! دنیا میں آخر اور بڑے بڑے امیر، وزیر، قانون ساز

قانون گر، مدبرین سلطنت گزرے ہیں، کیا ان میں سے کسی کو ایسے اور اتنے شارحین نصیب ہوئے ہیں؟ یونان، ہندوستان، مصر وغیرہ کو چھوڑیئے، روم کو لیجئے، کہ اس کا "رومن لا" آج غدا معلوم کتنے دماغوں کو مرعوب کیے ہوئے ہے۔ جو بسط و وسعت اسلامی فقہ کو حاصل ہے۔ "رومن لا" غریب کو اس کا عشر عشیر بھی تو نصیب نہیں ہے۔

نعت گو شعراء۔ مثنوی شریف آج بھی کتنے دلوں کو مست کیے اور کتنی محفلوں کو گرمائے ہوئے ہے، یہ مولانائے رومی اور خواجۂ حافظ، سعدی شیرازی اور نظامی گنجوی، خسرو، اور جامی، سنائی اور عطار، صدیوں سے کس کے نام پر سر دھن رہے ہیں؟ کس کے پیام کی ترجمانی کر رہے ہیں؟ کس بڑے کا سہارا پکڑ کر خود بھی بڑے بن چکے ہیں؟ وہی بادیۂ عرب کا بوریہ نشین، جو شائد شعر موزوں پڑھ بھی نہیں سکتا تھا، اور جس کے لیے شاعری موجب فخر نہیں، باعث ننگ تھی، وَمَا علّمناہُ الشعر وما ینبغی لہٗ۔ دنیا کے بڑے سے بڑے شاعروں نے آج تک کس کا اس طرح استقبال کیا ہے؟ کس بادشاہ کی شان میں اس عقیدت قلب کے ساتھ، اس ارادت و خلوص کے ساتھ، اس سوز و گداز کے ساتھ، قصائد لکھے ہیں؟ کسے یوں بتیاب

ہو ہو کر پکارا ہے ؟ ہومر کے، اسرار القیس کے، فردوسی کے، والمیک کے، شیکسپیر کے، ملٹن کے، گیٹے کے، کالیداس کے، کسی خطہ اور کسی زمانہ کے شاعر کے نام کو، پیام کو، کلام کو، مقبولیت، یہ مرتبہ، نہ سہی، اس کا آدھا، چوتھائی، دسواں حصہ نصیب ہوا ہے ؟

کس شمع کے پروانے تھے۔ عمر فاروقؓ اور علی مرتضیٰؓ کے نام سے کیسے کیسے سور ماؤں کے کلیجے دہل دہل کر رہے۔ خالد سیف اللہؓ کی شمشیر اور ابن عاصؓ کی تدبیر نے پتھروں کو پانی کر کے بہا دیا، لیکن یہ سب خود کس شمع کے پروانے تھے ؟ کس کے آستانہ پر جبیں سائی سے رفعتیں اور بلندیاں حاصل کرتے رہے ؟ ہارون اور مامون، سلجوق اور دیلم، غزنوی و غوری، تیمور و بایزید، عثمان و سلیم، طارق و قاسم، لودی و خلجی، تیمور و بابر، ہمایون و جہانگیر، شاہجہاں و اورنگ زیب، کس کی خاک بوسی کو، سدا اپنے لیے معراج کمال اور وسیلۂ نجات سمجھے ؟ دکن کا موجودہ صاحب سریر کس کے اشتیاق و تمنا میں گرم آنسو بہاتا، اور سرد آہیں بھرتا رہتا ہے ؟ بے سر و سامان ریفیوں نے کس کے دین کی غیرت میں اسپین اور فرانس دو دو سلطنتوں کا چیلنج قبول کر لیا ؟ انور نے کس کی امت کی خاطر جان تک نذر کر دی، محمود الحسن نے کس کے نام کی عزت و ناموس سے در در پھرایا

گھر سے بے گھر کرایا، نظر بند کرایا؟ محمدؐ علی کس کی اُمت کے غم میں دیوانہ وار جلا وطن ہوا، نظر بند ہوا، جیل میں کئی کئی سال کاٹے؟ سب کے جواب میں ایکبار پھر اُسی عبداللہ کے لختِ جگر اور آمنہ کے نورِ نظر کا نام لیا جائے گا، یا کسی اور کا؟

بے نظیر علمِ کلام کس کے پیام کیلئے۔ غزالیؒ کی تصانیف پر خود انھیں رشک آگیا ہے، جن پر ہم آپ دن رات رشک کرتے رہتے ہیں۔ یہ قول جارج ہنری ایلٹ (صاحبِ تاریخ فلسفہ) کے، اگر غزالی کی تصانیف کا ڈیکارٹ کے وقت تک ترجمہ ہوگیا ہوتا، تو لوگ ڈیکارٹ کے فلسفہ کو غزالی کا سرقہ ہی سمجھتے۔ یہ غزالی اور اُن کے آثارِ قدم پر چلنے والے، شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور حکیم الامت اشرف علی تھانویؒ، وغیرہم نے علم اسرار الدین اور معالجۂ امراض نفسانی پر جو دفتر کے دفتر تیار کر دیے ہیں، اُنکا حاصل اور لب لباب کیا ہے، بس اسی نبی اُمیؐ کے لائے اور پھیلائے ہوئے دین کی حمایت و نصرت، اور اسکی تبلیغ و ترویج۔ ابو الحسن اشعری اور ابو بکر باقلانی، رازی اور آمدی، نسفی اور جرجانی نے عقائد و کلام میں تصانیف کا جو انبار لگا دیا، اور ان کے جانشین جس طرح ہر دور میں پیدا ہوتے رہے، یہاں تک کہ آج چودھویں صدی ہجری کے وسط میں بھی جو کام ہو رہا ہے، اس پایہ کا علم کلام کسی شخصیت کے

ارنو گرد پیدا ہو سکا ہے؟ کونسی تاریخی ہستی اتنا زبردست اور اس قدر وسیع کلامی لٹریچر پیدا کرا سکی ہے؟

تفسیر کے میدان میں رجعت۔ مفسرین کرام کے نام اور انکے کارنامے کس پر روشن نہیں؟ تابعین میں ضحاک اور قتادہ، مجاہد اور ابن زید نے معانی قرآنی کی جو خدمت کی، اُس کا صلہ کس کے امکان میں ہے۔ ابن جریر کے تیس مجلدات کو کون بھول سکتا ہے؟ ابن کثیر کی کاوش وجستجو کی داد کون دے سکتا ہے۔ بیضاوی و زمخشری کی قدر کس کے دل میں نہیں بغوی اور نسفی، ابن حیان اور ابو سعود نے اپنی عمریں اسی خدمت کے لیے وقف کر دیں۔ چشم تصور دیکھ رہی ہے، کہ یہ سب کے سب، اپنے اپنے مجلدات و اسفار لیے ہوئے، ایک اُمّیؐ کی خدمت میں دست بستہ اُسکی نگاہِ کرم کے منتظر کھڑے ہوئے ہیں، اور انکی بڑی سی بڑی آرزو ہے، تو یہ کہ اُس کے قدموں پر نثار ہو جائیں!

نحو ولغت خدمت نبی کی ایک صورت۔ نحو ولغت کی طرف آییے، تو ایک سے بڑھ کر ایک امام فن نظر آئیں گے، ایسے کہ جن پر خود فن کو ناز ہے۔ کسائی اور ابوالاسود دوئلی، خلیل اور سیبویہ، ابن مالک اور ابن حاجب، ابن درید و ابن سیدہ زمخشری و مطرزی، جوہری و فیروزآبادی، ابن منظور و زبیدی

کسی نے صرف پر لکھا اور کسی نے نحو پر، کسی نے لغت کو اپنا موضوع رکھا لیکن ان تمام پردوں کے پیچھے، مقصود اصلی سب کا کیا رہا؟ وہی دین کی خدمت، اُمّیؐ کے لائے اور بتلائے ہوئے دین کی خدمت! کیا دنیا میں اُمّیوں اور ان پڑھوں کو یہی مرتبے حاصل ہوا کرتے ہیں؟ اُمّیوں کو چھوڑیے، جو زیادہ سے زیادہ پڑھے لکھے گزرے ہیں، کیا ان میں سے کسی کو بھی ایسے شارح، ایسے ایسے خادم نصیب ہوئے ہیں؟ معانی و بیان اور بدیع پر لکھنے والوں کی تعداد، اس فہرست پر مستزاد۔

حکیم اور فلسفی۔ سب سے آخر میں، فلسفیوں کو لیجیے۔ فلسفی بھی بھلا کسی کے ہوئے ہیں؟ لیکن یہاں یہ کیا ہے، کہ ابن سینا و ابن رشد، طوسی و فارابی، رازی و شیرازی، سب کے سب اُسی زلف کے اسیر، سب کی عقیدتوں کے دامن، اُمّیؐ کے بندِ نعلین سے وابستہ! کتنے علوم و فنون کے نام گنائے جائیں؟ زندگی کے کن کن شعبوں کو روشنی میں لایا جائے؟ قوت اور صولت کے کن کن پہلوؤں کو شمار کیا جائے؟ سرداروں اور ناموروں کے نام، شہادت میں کہاں تک پیش کیے جائیں، کہ

جملہ ترکانِ جہاں ہندوے تو!

ہ ارس میں ذکر۔ مصر کے جامع ازہر اور آزاد اسلامی ممالک کے مدرسوں کو چھوڑیے، غلام اور بے نوا ہندوستان میں جہاں عربی

سکّہ کا چلن کسی بازار میں بھی نہیں، یہ آخر ندوہ اور دیوبند کے سے عظیم الشان مدارس کس کا نام لیتے ہوئے چل رہے ہیں؟ جامعہ ملیہ کس کی اُمّت کی خدمت کی خاطر زندہ ہے؟ علیگڈھ "آزادیوں" کے دعوے کے باوجود، کس کے دین و آئین کی پابندیوں پر نازاں ہے؟ کس وقت بلندی کا اعلان ہو رہا ہے۔ ہندوستاں کے چھوٹے چھوٹے قریوں اور موضعوں، عرب کے ریگستان اور چٹیل میدان، اور افریقہ کے صحرا و بیابان سے لیکر، لندن اور پیرس اور برلن کے تمدن زاروں تک، ہر روز، اور ہر روز میں بھی پانچ پانچ بار کس کے نام کی پکار، اللہ کے نام کے ساتھ ساتھ، بلند ہوتی رہتی ہے؟ اپنی ذاتی عقیدتمندی کو الگ رکھیے، محض ایک خالی الذہن اور ناظر فدار تماشائی کی حیثیت سے محض واقعات پر نظر کرکے، فرمائیے۔ کہ یہ مرتبہ، یہ اکرام، دنیا کی تاریخ معلوم سے لیکر آج تک کسی ہادی، کسی رہبر، کسی مخلوق کو حاصل ہوا ہے؟ جس بیکس اور بے بس سے، عین اُس وقت جبکہ اُسے زور اور قوت والے سرداران قریش اپنے خیال میں کچل کر اور پیس کر رکھ چکے تھے، اور اس کا نام و نشان تک مٹا چکے تھے، یہ وعدہ ہوا تھا، کہ

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۔ ہم نے تیرے لیے تیرا ذکر بلند کر رکھا ہے۔ اگر آوازہ اُس کا بلند نہ ہوگا، تو اور کس کا ہوگا؟ نام اُس کا

سرافراز اور سربلند نہ ہوگا، تو اور کس کا ہوگا؟ بلندیٔ ذکر کی یہ وہ تفسیر ہے، جو اوراقِ لیل و نہار پر ساڑھے تیرہ سو برس سے ثبت چلی آرہی ہے، چشمِ روزگار اسے صدیوں سے پڑھتی چلی آرہی ہے، اور خدا معلوم کبتک اسی طرح پڑھتی رہیگی!

حشر کے دن عند اللہ، اس بندۂ کا جو مرتبہ ہوگا، وہ تو ہوہی گا، اس سے قطع نظر کرکے، ذرا صرف اس مرتبہ کا تصور کیجئے، جو محض اس بلندیٔ ذکر کے لحاظ سے اُس روز حاصل ہوگا۔ فوج کی فوج، انبوہ درانبوہ، اِدھر سے ملوک وسلاطین چلے آرہے ہیں، اُدھر سے بڑے بڑے نامور جنرل اور سپہ سالار، ایک طرف سے محدثین کرام جوق جوق چلے آرہے، اور دوسری طرف سے مفسرین عظام۔ اہل فقہ، اہل اصول، اہل کلام اہل تصوف، اہل لغت، اہل سیر، اہل رجال، اہل نحو، اہل معانی، اہل بیان، اہل فلسفہ، اہل منطق، اہل اخلاق، جس فن کو بھی لیجئے اس کے ائمہ و ماہرین، ادب سے آنکھیں نیچی کیے، ہاتھ باندھے ہوئے خادمانہ انداز سے گرد و پیش حلقہ کیے ہوئے ہیں! ایک اسی انعام کی پوری وسعت کا تصور کس کے بس کی بات ہے؟

سیرت نبویؐ
اور
علمائے فرنگ

سیرتِ نبویؐ اور علمائے فرنگ

انیسویں صدی عیسوی کے وسط میں، جارج فنلے برطانیہ میں ایک ممتاز مورخ گزرا ہے۔ جرمنی کی گوٹنگن یونیورسٹی میں تعلیم پائی۔ ایم۔ اے۔ اور ال ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں فن مخصوص، "تاریخ یونان تھا۔ یونان اور یونانیات کے محقق نے ۱۸۲۶ء سے لیکر ۱۸۶۴ء تک "تاریخ یونان' سیاحت یونان وغیرہ پر انگریزی اور یونانی میں، تصانیف و رسائل کا انبار لگا دیا ۱۸۴۴ء میں ایک کتاب، یونان "رومیوں کے عہد حکومت میں" Greece under the Ramans کے عنوان سے شائع کی، جو مدتوں اپنے موضوع پر مستند سمجھی گئی۔ ظہور اسلام تاریخ کے اسی عہد میں ہوا ہے۔ جس وقت رسول اللہ صلعم کی بعثت ہوئی ہے۔ روم کی حکومت یونان تک وسیع تھی، اور یونان اس کے ایک صوبہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ چنانچہ عہد صحابہ میں مسلمانوں اور رومیوں میں جو آویزشیں ہوئیں، یونان ہی کے واسطہ سے ہوئیں۔ اس لئے اس تصنیف میں اسلام و شارع اسلام کا تذکرہ آجانا لازمی تھا۔

مصنف کو اسلام سے کوئی خاص عداوت یا تعصب نہیں اور نہ کتاب اسلام کے رد میں لکھی گئی ہے۔ لیکن بہرحال ہے ایک

فرنگی کی تصنیف صفحات ذیل سے اندازہ ہوگا، کہ جن علماء فرنگ کو کوئی خاص عناد اسلام سے نہیں ہے، وہ بھی کس کس طرح واقعات کو مسخ کرکے پیش کرتے ہیں، اور خواہ ضمناً ہی سہی، سیرت نبوی کو کیسی کیسی تلبیسات و تحریفات کا ہدف بناتے رہتے ہیں۔
چند افراد کی ہدایت کیلئے بیتابی۔ عرب میں آفتاب رسالت کے طلوع سے قبل، جو دھندلی روشنی کہیں ایک دو افراد کو نظر آگئی تھی، اس کا نقشہ یہ مورخ اپنے قلم سے یوں کھینچتا ہے، کہ گویا عرب میں خود ہی اصلاح کی تشنگی اور انقلاب کی تڑپ پیدا ہو چکی تھی۔

یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اہل عرب، چھٹی صدی عیسوی بھر اپنے اخلاقی و سیاسی تمدن میں تدریجاً ترقی ہی کرتے رہے، اور ان کے مذہبی خیالات میں بہت زائد تغیرات ہو گئے تھے۔ انکی تجارت کی، جو خود انہیں کے ہاتھ میں تھی، اہمیت مضبوط ہمسایوں کے کمزور پڑ جانے سے، بڑھ گئی تھی، اور اس کی ترقی سے وہ خود اپنی نظر میں بہت اہم ہو گئے تھے، اور اتحاد قومی کے وہ خیالات ان میں موجزن رہنے لگے تھے جو اس کے قبل نہیں ہوئے تھے۔ ہرقل کی تخت نشینی سے قبل والی صدی میں، یہ اسباب ساری عرب آبادی پر زبردست اثر ڈال چکے تھے، اور یہ نہ نظر انداز ہونا چاہئے، کہ محمد کی

ولادت جسٹن دوم کے زمانہ میں، اور تربیت اسی قومی جوش کے درمیان ہوئی۔" (باب ۳، فصل ۵، ص ۳۴۲، مطبوعہ ڈینٹ اینڈ سنز، لندن)

انتشار حواس کا اس سے بہتر نمونہ ملنا دشوار ہے مصنف کے سامنے شارع اسلام کی معجزانہ کامیابی بطور واقعہ موجود ہے، اور وہ بیچارہ مبہوت ہے، کہ اس کی اہمیت کو کیونکر گھٹائے اس کی سمجھ میں نہیں آتا، کہ وہ بعثت رسولؐ کو مذہبی جامہ میں پیش کرے یا محض سیاسی رنگ میں! خلط مبحث کر کے وہ مجبوراً ایسے الفاظ لکھ جاتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ گویا حضورؐ کا اصلی مشن سیاسی تھا، یعنی قبائل عرب کو متحد کرنا، اور ملک میں ایک قومی اتحاد قائم کرنا! اگر یہی مراد ہے، تو اس سخن فہمی کے قربان جائیے۔ توحید پر اس قدر زور دینے کی ضرورت۔ مقصد اگر سیاسی تھا، تو توحید خالص پر اس قدر زور دینے، بت پرستی کے مٹانے، اس کی خاطر جہاد و قتال کرنے، ایک مخصوص نظام عقائد اور متعین ضابطۂ عبادات پیش کرنے کی خدا معلوم کیا ضرورت تھی، اور پھر فاضل صاحب تو چشم بددور مورخ ہیں، اگر اتحاد سیاسی و قومی کی تحریک عرب میں، ظہور اسلام سے قبل پھیلنی شروع ہو گئی تھی، تو کاش اس تحریک کے دو ہی چار علمبرداروں کے نام گنا دیے ہوتے!

پھر اگر مورخ موصوف کی یہ مراد ہے، کہ تحریک تھی تو مذہبی ہی اصلاح کی، لیکن اس حیثیت سے بھی، تحریک کی بنیاد قبل سے ہو چکی تھی، تو کاش ایسے ہی مصلحین دین کے کارناموں کی ذرا تصریح کر دی گئی ہوتی، جس سے معلوم ہو جاتا، کہ فلاں فلاں حد تک کام قبل سے ہو چکا تھا، اور اس کے بعد اسلام نے اضافہ کیا۔ ابن ہشام وغیرہ میں لے دے کے، چار ایسے شخصوں کے نام لئے ہیں، جو شرک و بت پرستی کے آبائی مذہب سے بیزار ہو کر، دین ابراہیمی کی تلاش میں دربدر ملک ملک پھرنے کو نکلے تھے۔ ان میں سے دو بالآخر عیسائی ہو گئے۔ ایک آخر تک بھٹکتا، اور رنگ بدلتا رہا۔ اور صرف چوتھے کی قسمت میں مسلک توحید پر قائم رہنا آیا۔

کیا اسی کا نام، زمین کی تیاری ہے؟ ایسے اِنے گِنے، چند افراد، کس قوم میں، اور کس زمانہ میں ہدایت یافتہ نہیں نکلتے رہے؟ دیکھنے کی بات صرف یہ ہے، کہ آیا ان چند افراد کا، یا مسیحیت کا، یا یہودیت کا، یا کسی مذہب کا کوئی اصلاحی اثر عرب نے قبول کیا تھا؟ اس کا جواب نفی میں، صرف مسلمان مورخ ہی نہیں، بلکہ میور صاحب بھی دے چکے ہیں۔ لکھتے ہیں:-

محمدؐ کی نوعمری کے زمانہ میں عرب کی حالت

نہایت جمود کی تھی۔ اصلاح کی طرف سے اتنی مایوس کن حالت شائد پیشتر کبھی بھی نہ رہی ہو۔ بعض اوقات ایک واقعہ کے ہو چکنے کے بعد اس کے عجیب عجیب اسباب گڑھ لئے جاتے ہیں۔

"محمدؐ کے پیدا ہونے کے ساتھ ہی سارے عرب میں ایک نئی اور ایمانی روح دوڑ گئی۔ اس سے نتیجہ یہ نکالا جاتا ہے، کہ عرب اُس وقت تبدیلی کے لئے جوش میں تھا، اور اُس کے قبول کرنے کو بالکل آمادہ تھا۔ یہ قیاس، تاریخ قبل اسلام کے واقعات کے بالکل منافی ہے"۔ (مقدمہ سیرۃ محمدی، باب۲، صد ۹۶، ۹۷، مطبوعہ جان گرانٹ، ایڈنبرا)

بے سروسامان اسلامی لشکر اور روم کی شکست - اسلامی لشکر کے ہاتھ سے ہرقل، رومی شہنشاہ کی شکست، تاریخ کا ایک عجیب ترین واقعہ ہے۔ ایک طرف ہر طرح کا ساز و سامان پشتہا پشت کا جنگی تجربہ، دولت، وعلم، کثرت افواج و اسلحہ اور دوسری طرف تعداد بھی قلیل، اور سامان جنگ بھی کچھ یوں ہی سا۔ علوم وفنون سے بیگانگی، اور ساز و سامان کی ناداری، کامیابی اور نمایاں کامیابی، اس آخری فریق کو نصیب ہوتی ہے، اس واقعہ کی تصویر اس مرقع میں یوں نظر آتی ہے؛

"جہاں ایک طرف ہرقل کی کوشش یہ رہی کہ مشرقی سلطنت
کی کھوئی ہوئی عظمت واپس آجائے، اور اس اتحاد مذہبی
کے نفاذ کی دھن سوار رہی، جو ذہن بشری کے لئے ہمیشہ
ایک عظیم ترین مغالطہ رہا ہے، وہاں دوسری طرف محمدؐ
نے نوع انسان کے جذبۂ توحید کا صحیح تر اندازہ کرکے ملک
عرب کو ایک حکومت قرار دیدینے اور سب سے ایک
مذہب اختیار کرا لینے میں کامیابی حاصل کرلی"۔ (ف۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳)

سبحان اللہ وبحمدہٖ، ہرقل ایک عظیم الشان سلطنت
کا تاجدار ہے، حکومت مدتوں سے اس کے خاندان میں
چلی آرہی ہے، زروجواہر کا خزانہ رکھتا ہے، اہل علم
و اہل خرد اردگرد موجود ہیں، اس کی ساری مساعی اتحاد
ناکام رہیں، اور اس ناکامی کی بنا پر، نفس ہی یہ کوشش ہی
"ذہن بشری کا ایک عظیم ترین مغالطہ" قرار پا جائے، لیکن
جب بادیۂ عرب کا ایک اُمی، تہذیب و شائستگی کی قلمرو
سے دور، تہیدست وفاقہ کش، چند سال کے اندر، دیکھتے
دیکھتے، ملک کے ملک کی کایا پلٹ کردے، اور سب کے
دلوں کے عقائد ہی نہیں، زندگیوں کے اعمال بھی بدل دے
تو اس کے عقب میں نہ کسی نصرت غیبی کا اعتراف کیا جائے
نہ کسی ملکوتی قوت کی امداد تسلیم کی جائے، بلکہ محض یہ کہہ کر

دل کو سمجھا لیا جائے، کہ آپ کو فطرت بشری کا صحیح تر اندازہ تھا!" یہ مورخانہ واقعہ نگاری ہے! اس کا نام محققانہ روشن خیالی ہے!

کمال تلبیس۔ یورپ کو اسلام و شارع اسلامؐ کے معاملہ میں جو کمال تلبیس حاصل ہے، اس کا دلچسپ نمونہ یہی اقتباسات بالا ہیں۔ لکھنے والا کوئی پادری نہیں، مسیحی مناظر نہیں، ایک مورخ ہے، صاحب علم اہل قلم ہے۔ موضوع تصنیف تردید عقائد اسلامی نہیں، "تاریخ یونان" ہے، اسلام و شارع اسلام کا تذکرہ محض ضمناً آجاتا ہے۔ پڑھنے والا بیچارہ بالکل خالی الذہن ہو کر پڑھ رہا ہے، پڑھتے پڑھتے یک بیک رسولؐ اسلام کا نام آتا ہے کسی ظاہری ہجو و تنقیص اور لفظی توہین کے ساتھ نہیں، بلکہ اعتراف عظمت کے ساتھ، لیکن حیثیت جو ظاہر کی جاتی ہے، وہ نبی برحق کی نہیں، صاحب وحی کی نہیں کسی مقدس و برگزیدہ ولی کی بھی نہیں، بلکہ محض ایک باتدبیر و کامیاب لیڈر کی! اور پیمبرانہ کارناموں کی داد یہ کہکر ختم کردی جاتی ہے، کہ آپؐ نے فطرت بشری کا خوب اندازہ کرلیا تھا! اب سادہ دل مسلمان طالبعلم، جو مصنف کی بے تعصبی، رواداری، اور قوت تحقیق کا کلمہ پہلے سے پڑھ رہا ہے، جب اچانک ایسے موقع پر پہونچتا ہے، تو عموماً خلوص ذہن کے ساتھ وہ

اس باب میں بھی، مصنف کے بیان سے اسی طرح متاثر ہو جاتا ہے، جس طرح مصنف اُس پر اثر ڈالنا چاہتا ہے اور بے اختیار، وہ نبیؐ کو محض ایک کامیاب قائد، ایک اولوالعزم فاتح، ایک نامور مدبّر کی حیثیت میں، دیکھنے سمجھنے اور ماننے پر قانع ہو جاتا ہے! مسیحی مشنری اور پادری کے حملے، کم از کم سامنے کے تو ہوتے ہیں، "فرنگی محقق" کے وار ہمیشہ یونہی پشت کی طرف سے، بیخبری کے عالم میں، اچانک ہوتے رہتے ہیں!

غزوات کی فتحمندیاں مستقل معجزات۔ غزوات میں فتحمندیاں، حضورؐ کا ایک مستقل معجزہ ہیں، اور منکروں پر ایک مخصوص حجت کافروں کی طرف سے باربار مطالبہ یہ ہوتا تھا، کہ کوئی فرقان مبین کیوں نہیں نازل ہو جاتا، یہ فرقان، مادّی آنکھوں سے نظر آجانے کے قابل، معجزانہ فتحمندیوں کی شکل میں ظاہر ہو کر رہا، ان آنکھوں کی خیرہ کر دینے والی کامیابیوں اور کامرانیوں سے انکار کسی بڑے سے بڑے منکر کے لئے بھی ممکن نہیں۔ البتہ آج کا پڑھا لکھا منکر کرتا یہ ہے، کہ واقعات کو مان کر انکی توجیہ و تاویل کے لئے بہانے ڈھونڈھنے لگتا ہے پُرانے ملحد معجزات کی تاویل "سحر" سے کیا کرتے تھے، جدید منکرین کو روشن خیالی کی چند اصطلاحیں ہاتھ آگئی ہیں، وہ ان سے

اپنے دل کو تسکین دے لیا کرتے ہیں۔ فتوحات اسلامی کی تمہید میں ڈاکٹر فنلے فرماتے ہیں :-

"خسرو و ہرقل کے ماتحت، ایران و روم کی سلطنتوں میں جو حیرت انگیز انقلابات ہوئے، وہ سب کے سب اُس عظیم الشان اثر کے آگے ماند ہو جاتے ہیں، جو اُن کے معاصر محمد، پیغمبر عرب نے ان ممالک کی سیاسی، معاشری، اور مذہبی زندگیوں پر ڈالنا شروع کر دیا، جن پر تسلط جمانے کی ان سلاطین کو اس قدر آرزو رہا کرتی تھی۔" (باب ۵، فصل ۲، صـ۳۵۲)

گویا حضورؐ کی معجزانہ طاقت کا اعتراف ہے، اس کا اقرار ہے، کہ جو انقلاب اس ذات مبارک نے دیکھتے دیکھتے پیدا کر دیا، اس کی نظیر پیش کرنے سے روم و ایران کی پُرقوت سلطنتیں مع اپنے تمام وسائل و خزائن کے عاجز ہیں، لیکن ــــ اور یہیں سے گمرہی کی بنیاد پڑتی ہے ــــ اس کی وجہ یہ نہیں، کہ نبی اپنے دعوی نبوت میں سچا تھا، بلکہ صرف یہ کہ وہ بڑا عقلمند اور بڑا نکتہ رس تھا! فرماتے ہیں :-

"محمد کی کامیابی بہ حیثیت شارع کے، ایشیا کی قدیم ترین اقوام میں، اور اُنکے قائم کئے ہوئے اداروں کی پائداری نسلہا نسل تک اور ہر طبقہ معاشرت میں ثابت کرتی ہے،

کہ یہ غیر معمولی انسان، ملائی، گرگس اور اسکندر دونوں کا
ایک نادر مجموعہ تھا"

جامعیت کا کمال — دوسرے لفظوں میں، یہ تسلیم ہے، کہ حضور کی شخصیت عام انسانوں سے مافوق تھی، یہ بھی تسلیم ہے، کہ حضورؐ کے اصلاحی کارنامے حیرت انگیز ہیں، لیکن یہ ماننے کا گویا امکان ہی نہیں، کہ ایسا شخص اپنے دعووں میں سچا تھا! بلکہ ان معجزانہ کامیابیوں کا راز صرف یہ تھا، کہ آپ کی ذات میں بڑے سے بڑے فاتح، اور بڑے سے بڑے مدبر و مقنن کے "اوصاف نادرہ" جمع ہو گئے تھے! —— روایات میں آتا ہے، کہ ابوجہل، جب معجزات و مادی آیات سے عاجز و لاجواب ہو جاتا تھا، تو آخر میں یہی کہہ کر اپنی کھسیاہٹ مٹا لیا کرتا تھا، کہ (نعوذ باللہ) یہ شخص بڑے غضب کا ساحر ہے۔ آج کے روشن خیال کا انکارِ نبوت، کیا ابوجہل کی ذہنیت سے کچھ بہت مختلف ہے؟

اس کی نظیر کہاں ہے؟ دنیا میں کس سکندر، کس نپولین، کس چنگیز نے اتنی بے سروسامانی کے ساتھ ایسے عظیم الشان فتوحات حاصل کئے ہیں؟ کس فوجی جنرل کی سپاہ نے اپنے اخلاقِ حسنہ کا اتنا زبردست نمونہ پیش کیا ہے؟ کس فاتح کشور کشا لشکر کے پیادے ایسے حق پرست،

ایسے متدین، ایسے نیک سرشت، گزرے ہیں؟ کس فوج کے سپاہیوں نے دن بھر روزے رکھ رکھ کر، اور راتوں کو تہجد میں گزار گزار کر، محض جنت کی خاطر، اللہ کے ہاں پروانۂ مغفرت حاصل کرنے کے لئے، اپنے سے کئی کئی گنے لشکروں کا مقابلہ کیا ہے؟ کس مقنن نے فطرت بشری کو اس درجہ ملحوظ رکھ کر، دنیا کے ہر گوشہ کے لئے، بنی آدمؑ کی ہر نسل کے لئے، معاشرت و تمدن کے ہر طبقہ کے لئے، عالمگیر قوانین وضع کئے ہیں؟ کس قانون ساز نے حق و انصاف، امانت و دیانت، عفت و شرافت، اصلاح نفس و تزکیۂ باطن کو تمام وقتی مصالح و ہنگامی خواہشوں پر مقدم رکھا ہے؟ وہ پاک و پاکیزہ ملکوتی شخصیت، جو ایسی پاک و پاکیزہ ملکوتی تعلیم کی سرچشمہ ہو، اُسے دنیا کے ملک گیر فاتحوں اور قانون سازوں کی قطار میں شمار کرتے مصنف کو کچھ بھی غیرت نہ آئی؟ اگر یہی نمونہ علم و تحقیق ہے، تو خدا معلوم جہل کسے قرار دیا جائے گا؟

آگے چل کر، حضورؐ کی شخصیت اور کارناموں کا پھر اعتراف ہے، لیکن جیسے لکھتے لکھتے کوئی چونک پڑتا ہے، کہ کہیں اس سے تصدیق نبوت نہ ہونے لگے — یہ بھی ارشاد ہو جاتا ہے، کہ

"محمدؐ کی پیدائش ایسے وقت میں ہوئی، جب دنیا کے متمدن

کے طبقۂ حکمران و طبقۂ امراء میں نمایاں عقلی انحطاط تھا۔
اُس وقت عموماً دنیا جس سطح معاشرت پر تھی، اس سے بہتر
کی طلب پیدا ہو چکی تھی، اور حالات عصریہ سے بے اطمینانی
تقریباً ہر مُلک میں پھیل چکی تھی۔ عرب میں مذہب شرک و
بت پرستی سے کسی بہتر مذہب کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی،
اور ایران، شام، و مصر، کے لوگ بھی، فرقہ وارانہ،
یہود، اور مسیحوں کے نزاعات سے تنگ آ کر ایک بہتر دین
کی جستجو میں تھے۔" (ملخصاً، ص۳۵۳)

کیا طلب کا یہی ثبوت ہے۔ گویا "بہتر دین" کی طلب وتلاش تو سب کو تھی، لیکن جب وہ "بہتر دین" پیش کیا گیا، تو سارا عرب، مقابلہ و مقاتلہ کو تیار ہو گیا، اور مُلک کا بچہ بچہ تک، اُس بہتر دین کے لانے والے کے خون کا پیاسا ہو گیا!

کیا طلب وتلاش کا یہی ثبوت تھا؟ کیا یہ طلب وتلاش، اسی سے ثابت ہوتی ہے، کہ سالہا سال تک اس دین کے لانے والے کے خلاف، سخت سے سخت خونریز لڑائیاں جاری رہیں، اور مقاطعہ کر کر کے اس دین برحق کے داعی پر، زندگی تنگ کر دی گئی؟

عرب و مضافات عرب اگر ایسے ہی، ایک سے نئے

دین کے لیئے بیقرار تھے، تو کیوں نہ اس پیمبر کو ہاتھوں ہاتھ لیا، اور سب کے سب نہ سہی، تو آخر کیوں نہ ایک بڑی جماعت معاً اس دعوت پہ لبیک کہنے کو اُٹھ کھڑی ہوئی؟

اس سے بھی قطع نظر کرکے، اگر نفسِ دعوتِ جدید کامیابی کی ضامن ہوسکتی تھی، تو عین اس زمانہ میں، مسیلمہ اور اسود عنسی بھی تو وحی و نبوت ہی کے دعوے لے کر اُٹھے پھر آخر کیوں نہ کامیاب ہوئے؟ انھیں کیوں نہ سرسبزی نصیب ہوئی؟

ڈاکٹر فنلے صاحب اس کھلے ہوئے اعتراض سے غافل نہیں ہوسکتے تھے، ضمیر نے خود خلش محسوس کی، لیکن جو جواب سوچا، وہ اس قابل ہے، کہ یا تو اُس پر خوب ہنسا جائے، یا محض رویا جائے۔ کہتے ہیں:-

"عرب کے ذہن عامہ کے جس جوش نے محمدؐ کو پیدا کیا اسی نے بہت سے اور پیمبر بھی انھیں کے زمانہ میں اٹھا کھڑے کئے۔ لیکن محمدؐ کی اعلیٰ قابلیت، اور انصاف کے صحیح تر اندازہ، بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں، کہ سچائی نے ان لوگوں کے سارے منصوبوں کو برباد کردیا۔ (صـ۳۵۳)

گویا، اور ہر شئے کا اعتراف ہوگا، رسولؐ کی قابلیت

و ذکا، نکتہ رسی و دور اندیشی، ذاتی صداقت و امانت
ب کا اقرار ہو گا، لیکن جس شئے کے تسلیم کرنے سے
جہ احتمال میں بھی گریز ہو گا، وہ صرف یہ ہے، کہ یہ
یا اور قابل شخص اپنے دعوے نبوت میں بھی سچا تھا!
ر ہر کوشش اسی کی جاری رہے گی، کہ پڑھنے والا کسی
پھیرے، گھوم گھما کر، بھی، اس عقیدہ کے قریب
آنے پائے!

رلائل کی سیرت نگاری۔ ٹامس کارلائل، مورخ
تھے، ادیب تھے، اُن کا شمار انیسویں صدی کے مشہور ترین
قلم اور ادیبوں میں ہوتا ہے انیسویں صدی کے وسط میں اپنی
ب ہیرو اینڈ ہیرو ورشپ (بطل اور بطل پرستی) پر شائع
مختلف ابواب میں مختلف مشاہیر تاریخ کو لے کر انھیں کسی
ی حیثیت سے بطل (ہیرو) قرار دیا ہے، مثلاً شاعروں
شکسپیر اور دانتے، فرمانرواؤں میں کرامول اور نپولین
علیٰ ہذا، اور ان سب کی زندگیوں پر تبصرہ کیا ہے اسی
سلہ میں ایک باب حضورؐ سے متعلق بھی ہے۔ حضورؐ کو پیمبروں
ہیرو مانا ہے، اور اسی حیثیت سے حضورؐ کی زندگی اور
لام پر تبصرہ ہے۔

انصاف پسندی کی نوعیت اور حد۔ پادریوں سے تو

حضورؐ کی ذات مبارک سے ایسی کھلی ہوئی گندہ دہنی کی ہے، کہ خود یورپ میں بھی اب انکی تحریروں کا کوئی اثر باقی نہیں رہا ہے۔ کم از کم، کوئی مسلمان تو شاذ ہی اُنکی کسی تحریر سے متاثر ہو سکے۔ اس طبقہ سے قطع نظر کرکے، عام مصنفین و ارباب قلم کا جو گروہ ہے، اُس کی بھی دو قسمیں ہیں، کچھ تو وہ ہیں، جو حضورؐ کو کھلے الفاظ میں (نعوذ باللہ) "پیمبر خادع" کہتے ہیں۔ اور سیرت مبارک پر طرح طرح کے الزامات لگاتے ہیں، دوسرا گروہ اُن لوگوں کا ہے، جو اپنے کو انصاف، رواداری اور بے تعصبی کا مجسمہ ظاہر کرتے ہیں، اور گویا پہلے گروہ کے جواب میں، سیرت انور کے روشن پہلوؤں کو نمایاں کرتے ہیں کارلائل کا شمار اسی آخری گروہ میں ہے۔ اس گروہ کا انداز بیان یہ ہوتا ہے، کہ "لوگوں نے تاریخ کی اتنی ممتاز شخصیت کو طرح طرح بدنام کر رکھا ہے، وقت آگیا ہے کہ اس بدنامی کو دور ہونا چاہیے ہمیں خود اپنی ناانصافیوں کی تلافی کرنی چاہیئے۔ محمدؐ، عرب کے مصلح، مشرق کے ایک بطل اعظم، ہرگز اُن الزامات کے مورد نہیں، جو اُن پر لگائے گئے ہیں۔ وہ نہ چور تھے نہ ڈاکو نہ دھوکے باز نہ نفس پرست۔ وہ اپنے وقت کے بہت بڑے اور کامیاب مصلح تھے۔ ملک عرب کی انھوں نے کایا پلٹ دی، وہ بڑے مخلص و نیک نیت تھے۔ انھوں نے

وحشیوں کو انسانیت سکھا دی۔ کروڑوں آدمی اُن کے تقدس کے قائل ہیں، ہمیں بھی اُن کا نام عزت و تکریم سے لینا چاہیے۔" غریب اور بے خبر کتاب کا پڑھنے والا نوجوان اور کمزور عقیدہ کا مسلمان، سب سے زیادہ اسی فریب کاری، اسی انداز دجل کا شکار ہو جاتا ہے، وہ مصنف کی نیک نیتی، انصاف پسندی پر اعتماد کر کے، اپنی رائے اسی کے بیان کے مطابق ڈھالنا شروع کرتا ہے، اور جب کتاب ختم کرتا ہے، تو اکثر صورتوں میں اُس کے ذہن کے سامنے، حضورِ انور کی تصویر بجائے اللہ کے ایک سچے اور برگزیدہ نبی کے، بجائے تمام عالم کے لیے مشعل راہ ہونے کے، محض ایک مخلص و نیک نیت مصلح وقت کی رہ جاتی ہے۔ کارلائل کا مقالہ انہیں خصوصیات کا آئینہ دار ہے، راقم مضمون کے اوپر کالج کی طالبعلمی کے زمانہ میں خود یہ تجربہ گزر چکا ہے۔ حضورِ انور کی ذات مبارک سے اتنی جو بدعقیدگی پیدا ہوئی، وہ کسی کھلے ہوئے دشمن اسلام کی تحریر کے اثر سے نہیں، بلکہ اسی قسم کے دوست نما فرنگی دشمنوں کی تحریروں سے۔ پیمبر کو اس رنگ میں دیکھنا، ایسی ہی بات ہے، جیسے صوبہ کے گورنر سے کہا جائے، کہ حضور والا کے اختیارات کا کیا کہنا، آپ پٹواریوں سے بڑھ کر اختیارات رکھتے ہیں، اور چپراسیوں سے بڑھ کے

حاکم ہیں" یہ گورنر کی مدح ہوئی، یا اس کے ساتھ مشہور مقالہ کے خاتمہ پر کارلائل صاحب جوش و خروش سے لکھتے ہیں :-

"یہ محمدؐ کا مذہب" عرب قوم کے حق میں گویا تاریکی سے روشنی کی طرف آنا تھا۔ عرب پہلے پہل اسی مذہب سے زندہ ہوا گلہ چرانے والی ایک غریب قوم، جو آفرینش عالم سے ابتک دُنیا کی نظروں سے مخفی، جنگلوں میں پھر رہی تھی، ایک پیغمبر اعظم ان کی طرف بھیجا گیا، ایسے پیام کے ساتھ جس پر وہ ایمان لاسکتے تھے، اور دیکھو، جو قوم گمنام تھی، وہ مشہور آفاق ہوگئی جو حقیر تھے، وہ دُنیا بھر میں مغرور ہوگئے۔ ایک صدی کے اندر اندر عرب ایک طرف غرناطہ تک پھیل گیا، اور دوسری طرف دہلی تک "

صرف کامیابیوں پر نظر ہے۔ عرب کے اہل جاہلیت قائل صرف مادی معجزات کے تھے۔ بار بار مطالبہ حسی معجزات کا کرتے تھے۔ ٹھیک یہی ذہنیت فرنگستان کی ہے۔ اس کے بھی بڑے سے بڑے عقلا و علماء کے ذہن کی رسائی بس یہیں تک ہے، کہ ایک اُمی نے سارے ملک کو مسخر کر دیا، اور اس کے ہاتھوں دنیا کی بڑی بڑی قوموں کو شکست دلادی اور جن کے ہاتھوں یہ حسی و مادی معجزات ظہور پذیر ہوئے،

اگر اُسے بہت بڑا مصلح، بہت بڑا مدبر تسلیم نہ کیا جائے، تو اور کیا کیا جائے گا۔ کارلائل کے اقتباس بالا کا ماحصل یہی ہے، کہ حضورؐ نے عرب میں ایک نہایت زبردست، انقلاب پیدا کر دیا۔ بے خبر اور بھولا، کارلائل کے نام سے مرعوب، مسلمان نوجوان جب یہ پیراگراف پڑھتا ہے، تو ایک طرف کارلائل کی وسیع الخیالی اور منصف مزاجی کی داد دے اُٹھتا ہے، لیکن ساتھ ہی دوسری طرف، حضورؐ کی عظمت کی بھی کُل اتنی ہی کائنات سمجھنے لگتا ہے، کہ آپ نے قوم عرب کو مادی پستیوں سے نکال کر دنیوی عروج و ترقی کے مرتبۂ کمال پر پہونچا دیا! اسلام، "محمدؐ کا مذہب" مقالہ میں شروع سے آخر تک ہے گویا اس کو وحی ربانی سے کوئی تعلق ہی نہ تھا حضورؐ کا سوچا اور قائم کیا ہوا ایک نظام تھا۔

اخلاص رسولؐ کا ذکر: چند نمونے۔ حضورؐ کی حمایت میں جو کچھ کہا ہے، اُس کے چند نمونے ملخصاً ملاحظہ ہوں:۔

"کسی بڑی شخصیت سے متعلق میں کبھی یقین ہی نہ کروں گا کہ وہ سچا نہیں تھا، صداقت تو اُس کے وجود کی بنیاد ہی ہوتی ہے۔ میرابیو، نپولین، برنس، کرامول (مدبرین اور فاتحوں کے نام ہیں) غرض جس کسی نے بھی کوئی بڑا کارنامہ انجام دیا ہے، سب کے سب مخلص ہوئے ہیں۔ اخلاص،

عمیق، عظیم، حقیقی اخلاص، تمام بڑے آدمیوں کے وجود کی
پہلی شرط ہے۔"

رسولؐ کی سچائی کی حقیقت آپ نے دیکھ لی؟ یہ نہیں کہ اپنے دعوے نبوت میں سچے تھے، بلکہ جس طرح نپولین، کرامول، وغیرہ مکر و زور، تکلف و تصنع سے الگ ہو کر، دل لگا کر، اخلاص کے ساتھ اپنے کام پر اعتقاد رکھتے تھے، حضورؐ کی بھی نیت کسی مکر و فریب کی نہ تھی۔ آپ سادگی کے ساتھ وہی کہتے تھے جو واقعۃً آپ محسوس کرتے تھے، جو واقعۃً آپ کے دل میں ہوتا تھا۔ آپ کی زبان آپ کے دل سے مختلف نہ تھی!

"غرض، اس محمدؐ کو ہم کسی طرح بے مایہ، یا ساز باز کرنے والا تسلیم نہیں کر سکتے۔ تصنع تو اس میں چھو نہیں گیا تھا۔ دیدہ و دانستہ کوئی اسکیم تیار کرنا اس کے دائرہ عمل سے باہر تھا۔ اپنا تیز و تند پیام جو انھوں نے پہنچایا، وہ وہی تھا، جو حقیقۃً انھیں محسوس ہوا تھا، جو واقعۃً ان کے عمق قلب سے نکلا تھا...
جو خامیاں، نقائص، عیوب انکی جانب منسوب کیے گئے ہیں، اگر وہ ثابت بھی ہو جائیں جب بھی ان کی اخلاص مندی مسلم رہتی ہے۔"

کارلائل کے اقتباسات، اردو میں بارہا، بطور ایک حامی اسلام کے پیش کیے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک شیعی کرم فرما نے کارلائل کے اس مقالہ کا پورا ترجمہ بھی اپنے نزدیک خدمت اسلام سمجھ کر

شائع کر دیا ہے۔ اب تو آپ پر کارلائل کی اسلام دوستی کی حقیقت واضح ہو کر رہی ؟

یہ پھر غنیمت تھا۔ جو کچھ اس نے زہر اُگلا ہے، اُس کے اصلی نمونے اب آنے کو ہیں۔ یہ مقصود نہیں، کہ اس کی نیت بھی مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی تھی، اُسے تو اُس کا خیال بھی نہ ہو گا، کہ اُس کی کتاب ترجمہ ہو کر کبھی مسلمانوں کی نظر سے گزرے گی۔ سوال اُس کی نیت کا نہیں اس کی تحریروں کے اثر کا ہے، نیت اُس کی کچھ بھی ہو، حضورؐ کی ذات سے رفع ملامت ہی اُس کی نیت سہی، بہرحال و بہرصورت اثر اُس کی تحریروں کے مطالعہ کا پڑتا ہے، کہ عظمت نبوت دل سے مٹتی جاتی ہے اور انسان اقرار رسالت سے دور ہی پڑتا جاتا ہے۔ آج ہندوستان میں جو صدہا ہزارہا نوجوان مسلمان، لامذہب ہو گئے ہیں اُن کی ابتدائی بنیاد اسی قبیل کے مصنفین کی تحریروں سے پڑی ہے۔

قرآن پاک کے باب میں جہل۔ اپنی اسلام دوستی کا اعتماد دلوں میں پیدا کر کے، اور اپنی اسلام نوازیوں کے مظاہرہ کے بعد یہ بزرگوار سرچشمۂ نور وہدایت، قرآن پاک سے متعلق یوں گہرفشانی فرماتے ہیں :—

"متفرق اور منتشر جملے، ایک دوسرے سے غت پٹ ایک ہی

بات کی بار بار تکرار۔ پیچ در پیچ، الجھی ہوئی تقریر، مجمل اور مبہم غرض بالکل مہمل۔ کوئی یورپین، سوا اس صورت کے کہ اسے فرض ادا کرنا ہو، سارے قرآن کو پڑھنے کا تحمل ہی نہیں کرسکتا۔"

ماشاء اللہ! یہ ہے فرنگی داناؤں کے ایک دانا کی رائے آپ کی اس کتاب سے متعلق، جس کا ہمسر و نظیر معنوی و لفظی، ادبی و اخلاقی، ہر حیثیت سے، آج تک نہ دُنیا کا کوئی صحیفہ ہو سکا، نہ آئندہ ہو گا! اور ظالم نے یہ رائے قایم کیونکر کی؟ قرآن کو پڑھ کر نہیں، قرآن کے انگریزی ترجمہ کو پڑھ کر، جو کسی مسلمان کا نہیں، ایک پادری کا کیا ہوا تھا! اور پھر ترجمہ بھی براہ راست عربی سے نہیں بلکہ لیٹن ترجمہ کا انگریزی ترجمہ! اور خدا معلوم، لیٹن کا ترجمہ بھی براہِ راست تھا، یا وہ بھی بالواسطہ تھا! یہ ہے دانایانِ فرنگ کی دانائی اور احساس ذمہ داری، کہ واسطہ در واسطہ کا ترجمہ، اور وہ بھی دشمن کے قلم سے، دیکھ کر اس جزم و تیقن کے ساتھ رائے قائم کرلیتے ہیں، اور اُسے اس دریدہ دہنی کے ساتھ بک ڈالتے ہیں! —— چاہئے یہ تھا کہ اس مضحک و مجنونانہ رائے کے علم ہو جانے کے بعد، خود کارلائل کے عقل و فہم، مذاق سلیم اور توازن دماغی پر فاتحہ پڑھ دیا جاتا، لیکن مرعوب اور غلامانہ ذہنیت کا نوجوان

مسلمان، ان چیزوں کو پڑھ کر خود یہ سوچنے لگ جاتا ہے، کہ جب ایسے بڑے شخص، اور اتنے بڑے محقق عالی دماغ نے یہ رائے ظاہر کی ہے، تو کچھ نہ کچھ اصلیت تو اس کی ضرور ہوگی! اور یہی وہ فتنہ ہے، جو ساری انگریزی تعلیم، انگریزی تمدن، انگریزی حکومت کے عقب میں مخفی ہے۔

""تاریکی کو اجالے سے بدلنے کے لئے، جتنی روشنی مل سکتی تھی، بادیہ عرب کی اس روح مضطر کو مل گئی تھی۔ اُس تاریکی میں، جو موت کے حکم میں داخل تھی، وہ روشنی داخل ہوئی، جو گو منتشر تھی، لیکن اُس میں زندگی کی اور آسمانی جگمگاہٹ اور خیرگی شامل تھی، محمد نے اسے وحی قرار دیا، اور فرشتہ کا نام جبرئیل رکھا، ہم آج بھی اُس کا صحیح نام اور کیا رکھیں؟"

گویا ایک مصلح کے قلب پر ایک نورانی کیفیت طاری ہوئی، اُس کا نام اُس مصلح نے اپنی سمجھ کے موافق "وحی" رکھدیا، اور وحی لانیوالے کا نام جبرئیل گردان لیا، کھلے لفظوں میں حضورؐ پر کذب و بد دیانتی کا الزام کہیں نہیں، ہر جگہ خلوص وحسن نیت کا اعتراف لیکن اندر ہی اندر زہر پھیلتا چلا جا رہا ہے اور حضورؐ کے دعوی کی تردید قدم قدم پر جاری ہے،

قرآن پاک سے متعلق جو مزید گستاخیاں اور گندہ دھنیاں ہیں، اُن کے نقل کرنے کی نہ چنداں حاجت ہے، اور نہ آگے ہمت ہی پڑتی ہے نمونہ دکھا دینے کے لیے جو کچھ گزر چکا، بالکل کافی ہے۔ ہمارے نوجوان جب کارلائل کے قلم سے یہ داد تحقیق دیکھتے ہیں، تو چونکہ قلب کارلائل

کی عظمت کو ایک مسلّم و غیر مشتبہ حقیقت سمجھ رہا ہے، اس کے نام سے مرعوب ہے، اُدھر ذہن جاتا ہی نہیں، کہ خود کارلائل نے سخت ٹھوکر کھائی ہے، بلکہ دماغ میں سلسلۂ خیالات یوں قائم ہوتا ہے، کہ جب ایسے ایسے محقق، آزاد خیال و منصف مزاج حکماء قرآن سے متعلق، باوجود تائید و ہمدردی، ایسے ایسے خیالات کے اظہار پر اپنے کو مجبور پاتے ہیں، تو ہو نہ ہو ضرور کہیں پانی مرتا ہے۔ اتنا تک ہم نے خاندان میں، اور گردوپیش جو روایتیں سُنی تھیں، وہی معلوم ہوتا ہے، کہ غلط ہیں۔ آخر کچھ تو ایسی شدید و واضح کمزوریاں قرآن میں ہیں، کہ ایسا عالی دماغ شخص بھی ان کی تاویل نہ کرسکا، اور اسے اعتراف حقیقت پر مجبور ہونا پڑا!

زیادہ خطرناک کون ہیں؟ یہیں سے یہ ہے کہ کارلائل، گبن وغیرہ کے طرز کے مغربی مصنفین کھلے ہوئے گندہ ذہن راجپال وغیرہ سے کہیں زیادہ خطرناک ہیں، راجپال وغیرہ کی بیہودگی دیکھ کر ایک برائے نام مسلمان کی بھی غیرت و حمیت ضرور ابھر آتی ہے، اور وہ جواب و دفاع پر آمادہ ہوجاتا ہے۔ کارلائل وغیرہ کو دوست سمجھ کر مطالعہ کرتا ہے، اور طبیعت کسی دفاع و مقابلہ کے لیے آمادہ نہیں ہوتی، کہ یک بیک اور اچانک بے خبری میں، عقائد پر حملہ ہوجاتا ہے، اور ایمان کی جڑیں ہل کر رہ جاتی ہیں۔ قاتل اگر ننگی تلوار نکال کر کھینچے، تو سپر سے کام بہ آسانی لیا جاسکتا ہے، لیکن اگر کوئی "دوست" شربت کا گلاس پیش کرے اور اس کی تہ میں زہر ہلاہل کے ذرات جمے ہوئے ہوں، تو کون اس سے بچ سکے گا؟ میٹھی چھری کاٹنے اور ہلاک کرنے میں، بہرحال چھری ہی ہوتی ہے۔

محبوب سے خطاب

محبوب سے خطاب

محسن کے ساتھ شقاوت۔ وہ جو اپنے وسیع ملک میں خدائے واحد کا پکارنے والا تھا، وہ جو اپنے وطن پروردگار کی بڑائی بیان کرنے میں گزارتا تھا، اور اپنی راتیں اپنے اُسی اَن دیکھے مولا کی یاد میں رکوعوں میں جھک جھک کر اور سجدوں میں گر گر کر بسر کرتا تھا، وہ جو اپنی عمر عزیز کے دنوں اور ہفتوں، مہینوں اور برسوں کو اپنی اسی ایک دُھن پر وار رہی کر چکا ہے، اُسے اپنے دوستوں اور اپنے عزیزوں، اپنی قوم والوں اور اپنے وطن والوں، اپنی برادری والوں اور اپنے کنبہ والوں کے ہاتھوں انعام یہ ملتا ہے، کہ گالیوں کی بوچھاڑ ہوتی ہے، بدزبانیوں کا مینہ برسایا جاتا ہے، اور اس کے دل کو چھلنی بنانے کے ساتھ ساتھ اس کے جسم کو بھی اینٹ اور پتھر کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ یہاں تک، کہ اس کے پَیر زخمی ہوتے ہیں اور اُس کے پائے مبارک کی انگلیوں سے خون کی بوندیں بہتے اور ٹپکتے دیکھ دیکھ کر شقاوت آنکھیں تسکین حاصل کرتی ہیں!

حق پر ثابت رہنے والے قدم۔ یہ پیر وہ تھے، کہ ان پر دُنیا جہاں کے سارے سربلندوں اور سرافرازوں کے سر قربان ہوں! یہ پیر وہ تھے جو صرف راہِ حق کے طے کرنے اور عبدیت و عبادت پر ثابت رہنے کے لئے خلق ہوئے تھے!

ان پیروں کی انگلیوں کو زخمی کیا گیا[1]، اور اللہ کے بندے کو مجبور کیا گیا، کہ قیامِ شب کی عادت کو دو یا تین راتوں کے لئے ترک کر دے۔ ظالموں کو اس پر بس نہیں ہوتا، بلکہ ایک شیطان سیرت عورت، جو رشتہ میں چچی بھی ہوتی ہے، آتی ہے، اور کہتی ہے کہ "بھتیجے" معلوم ہوتا ہے، تیرے شیطان نے اب تجھے تعلیم دینا چھوڑ دی" (العیاذ باللہ)! بندہ گو بہترین بندہ ہو، پھر بھی بندہ ہے اور بشر، گو خیر البشر ہو، بہرحال بشر ہے، بندگی کا تقاضا، بشریت کا اقتضا، خیال قدرتہً یہ گزرا، کہ کہیں اُس ذات نے جو ہمہ بے نیازی ہے، واقعتہً التفات ترک نہ کر دیا ہو!

غم اور چارہ گری۔ یہ غم اُسے پیدا ہوا، جو دُنیا کو غم سے نجات پانے کا راستہ دکھانے آیا تھا۔ اِدھر اس فکر و غم کا پیدا ہونا تھا، کہ اُدھر عالمِ قدس میں جنبش پیدا ہو گئی۔ غم اگر بندہ کو ہوا تو بندہ کا مالک تو غم کے دور کرنے سے عاجز نہ تھا۔

اضطراب اگر پیکرِ خاک کو ہوا، تو تسکین کا نسخہ جانِ پاک سے تو کچھ دُور نہ تھا۔ نورانیوں کے سردار، اور قدوسیوں کے

---

[1] عام اہلِ تفسیر نے صرف اس قدر لکھا ہے کہ حضورؐ کی اُنگلی میں چوٹ آگئی تھی لیکن ابنِ کثیر نے ابنِ ابی حاتم کے حوالے سے بروایت حضرت جندبؓ صاف لکھا ہے، کہ حضورؐ کی انگلی پتھر سے زخمی کی گئی تھی، اور اس زخمی کئے جانے کی تائید اُس شعر سے بھی ہوتی ہے جو آپ نے اُس وقت پڑھا، جس میں آپ نے اپنی اُنگلی کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ تو اللہ کی راہ میں لہو لہان ہوئی ہے اور جسے اکثر مفسرین نے نقل کیا ہے۔

پیشوا، جبرئیل امین خدمت سفارت پر مامور ہوتے ہیں، اور ہفت افلاک کی منزلیں طے کر کے تسلی وتشفی کا یہ صحیفہ لیکر کسی کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، کہ غم و اضطراب کی کیا بات ہے۔

والضحیٰ۔ دن نکل آیا۔ ہدایت و نورانیت کا آفتاب طلوع ہو چکا۔ بشارت ہو، کہ اُس آفتاب کی کرنیں پھوٹ چکیں، اس کا اُجالا گھر گھر پھیل چکا۔ وہ رب رحیم جو عالم کے جسمانی نشو و نما اور حیات مادی کی تکمیل کے لئے روزانہ آفتاب کو چمکاتا رہتا ہے، کیا انسان کی ربوبیت روحانی کے لئے آفتاب ہدایت کی روشنی نہ پھیلاتا؟ پس ہر روز آفتاب کے اُجالے کا ظہور خود تیرے منبع نور و ہدایت ہونے پر، تیری صداقت پر، اور تیری رسالت پر گواہ ہے، اور محض شعاعوں والا دن ہی نہیں، بلکہ سکون والی رات[1]، وہ رات جس کا کام واللیل اذا سجیٰ سکون دینا ہوتا ہے۔ وقت کا وہ تاریک حصہ جس میں ساری جاندار مخلوق سکون و آرام لیتی ہے، وہ بھی تیری ہی سچائی کا ایک نشان ہے۔ جو حکیم مطلق جانداروں کے آرام و آسایش کے لئے یہ وقت نکالتا ہے، وہ انسان کی ابدی راحت اور روحانی سکون کا سامان نہ کرے گا؟

---

[1] سجیٰ کے معنی میں اہل تفسیر مختلف ہیں۔ لیکن ابن زید سے اس کے معنی سکون ہی مروی ہیں۔ (تفسیر ابن جریر) اور راغب نے بھی سجیٰ کے معنی سکن ہی لئے ہیں۔

آفتاب کا ظہور اور رات کا سکون، بجائے خود اس کے گواہ
ہیں، اور زبان حال سے ما ودعک ربک وما قلی اس
پر شہادت دے رہے ہیں، کہ اے خلق کے غمخوار، تیرے رب
نے نہ تجھے چھوڑا ہے، اور نہ وہ تجھ سے ناخوش ہے، یہ تیرے
منکر اور تیرے حاسد اپنی بے بصری سے جو رائے تیرے متعلق چاہیں
قائم کریں، مگر یہ کہیں ممکن ہے، کہ جس نے تجھے خلعت رسالت سے
سرفراز کیا ہے، وہ تجھے چھوڑ دے، یا تجھ سے ناخوش ہو جائے!
وہ تو تیرا "رب" ہے، اس کی نسبت ربوبیت کا تو عین تقاضا
ہے، کہ وہ تیری تربیت کرتا رہے، اور جس غرض سے اس نے تجھے
اپنا پیامبر بنا کر بھیجا ہے، اس کی تکمیل کے لئے لازمی ہے، کہ وہ
تیرے اوپر اپنی مسلسل وغیر منقطع رحمتوں کی بارش جاری رکھے
ناسمجھوں نے یہ کہنا شروع کیا ہے، کہ تیرے پروردگار نے تجھے
چھوڑ دیا ہے، اور تجھ سے ناخوش ہو گیا ہے۔ چھوڑ دینا اور ناخوش
ہونا تو الگ رہا، تیرے رب کی تو تیرے حال پر اس درجہ شفقت
و رحمت ہے، کہ وللاخرة خیر لک من الاولی تیرے
لئے تو ترقی ہی ترقی ہے، تیری آخرت تیری دنیا سے کہیں
بڑھ کر، اور تیری ہر پچھلی حالت تیری ہر پہلی حالت سے
کہیں بڑھ چڑھ کر رہے گی، آخرت کا حال تو جب معلوم ہوگا،
لیکن اسی دنیا میں فتح و نصرت تو تجھے ابھی حاصل ہوتی ہے۔ آج

جو تجھے ذلیل و خوار کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں، کل وہ خود ذلیل و خوار ہوں گے، آج جو تجھے ستانا چاہتے ہیں کل وہ خود اسی مادی دُنیا میں مٹ کر رہیں گے۔ مکہ تیرا ہوگا، مدینہ تیرا ہوگا، طائف کا سبزہ زار تیرا کلمہ پڑھے گا، خیبر کا قلعہ تیرے سپاہیوں کے نعرۂ تکبیر سے گونجے گا۔ تیرا جاہ و جلال ہر لحظہ، ہر آن ترقی کریگا، اور تو ہی اپنی بیچارگی و بے سروسامانی کے ساتھ سارے سازو سامان والوں، سارے قوت و جبروت والوں پر غالب ہو کر رہے گا، یہ بدبخت اور کور باطن تجھے ہماری رحمت اور ہماری قُرب سے دُور سمجھ رہے ہیں، تو تو ہم سے اتنا نزدیک، اور ہمیں اتنا عزیز، اتنا محبوب، اتنا پیارا ہے، کہ ہماری رضا عین تیری رضا میں ہے۔ تجھ پر ہمارے لطف و کرم کی اس درجہ بارش ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ۔ ہے، کہ تو خود ہمارے الطاف بیکراں سے سیر اور مطمئن ہو جائے گا، تیری طبیعت خود ہمارے عطایائے پیہم سے آسودہ ہو جائے گی، تو جو مانگے گا ملے گا۔ تیری جو خوشی ہوگی پوری ہو گی، یہاں بھی اور وہاں بھی، دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، آج بھی اور کل بھی۔ یہ عطائیں اور بخششیں تیرے "رب" کی طرف سے ہونگی اس کی ربوبیت تجھے پورے منتہائے کمال تک پہونچا کر رہے گی اور کمالات میں دُنیا کے کمالات بھی شامل ہیں اور آخرت کے بھی

"آج" عطا و بخشش کا مشاہدہ یوں ہوگا، کہ تیرے گنے چُنے مفلس مُرید اور فاقہ مست شاگرد اپنے سے دس گُنے اور بیس گُنے اور سو گُنے سورماؤں پر بڑے بڑے جتھے اور سرمایہ والے سرداروں پر غالب آئیں گے۔ مکہ کو فتح کریں گے، مدینہ پہ حکومت کریں گے، یمن کو زیر کریں گے، عراق پر اپنا علم نصب کریں گے، مصر کو اپنا کلمہ پڑھائیں گے، قیصر کے قصرِ جہانداری کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے، ایران کے پایہ تخت کو ہلا کر رکھ دیں گے' اور "کل" تیرے کمالات کا ظہور اس رنگ میں ہوگا، کہ جس وقت ابرار و اخیار لرزاں و ترساں ہوں گے، جس دم بڑے سے بڑے مقربین اپنے لئے تھرا رہے ہوں گے، جس گھڑی موسیٰ کلیمؑ و عیسیٰؑ مسیح تک کی زبانوں پر نفسی نفسی ہوگا، اُس آن اور اُس گھڑی لوائے حمد تیرے ہی ہاتھ میں ہوگا، اُس وقت تیری ہی سُنی جائے گی، اُس وقت تیری ہی مانی جائے گی، اور اُس وقت تجھی کو یہ حق حاصل ہوگا، کہ آپ تو آپ، اپنوں میں سے، اپنے کہلانے والوں میں سے جتنوں کو چاہے گا ——— اور تو ان میں سے کس کو نہ چاہے گا؟ تو تو اپنے والوں پر "حریص" بھی ہے، اور "رؤف" بھی، اور "رحیم" بھی، حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم۔
سب کو اپنے ساتھ لگا لے گا، آگ سے نکال لے گا، قہر و غضب سے بچا لے گا![1]

---

[1] عبارت حاشیہ صفحہ ۱۲۸ پہ ملاحظہ ہو

اور یہ وعدے اور یہ بشارتیں تو خیر آئندہ کے لیے ہیں، انھیں دیکھنے کے لیے پھر بھی کسی قدر پیش بینی اور نور بصیرت کی ضرورت ہے، یہ منکر اور حاسد تو اتنے اندھے ہیں، اور بصارت سے اس حد تک محروم ہو چکے ہیں، کہ اب تک جو کچھ انکی آنکھوں کے سامنے ہوتا رہا ہے، وہ بھی انھیں نہیں سوجھ پڑتا! اب تک اے پیمبر، جو معاملہ تیرے ساتھ رہا ہے" وہ بجز محبوبوں کے کسی اور کے ساتھ بھی رہ سکتا ہے؟ کیا ان بے بصروں نے یہ نہیں دیکھا کہ اس، الم یجدك یتیما فاوی، عالم ناسوت میں تیری آمد کس بیکسی اور کیسی بیچارگی کی فضا میں ہوئی تھی؟ دنیا بھر میں تعلیم و تربیت، پرورش و پرداخت کا اصلی ذریعہ

(باقی سلسلہ حاشیہ صفحہ ۱۲۷) تم ہا مفسرین نے آیت کے معنی یہ لیے ہیں، کہ تیری عاقبت تیری دنیا سے بہتر ہو گی۔ لیکن ابن عطیہ اور ایک گروہ مفسرین اس جانب بھی گیا ہے، کہ بہتر حالت کا تعلق اسی دنیا سے ہے، یعنی نزول سورۃ کے وقت جو حالت ہے" اس سے کہیں بڑھ کر آئندہ ہو گی، اور فتح و نصرت حاصل ہو گی۔ ویحتمل ان یرید حالیتہ قبل نزول السورۃ وبعدہا وعدہ تعالیٰ بالنصر والظفر قال ابن عطیۃ (بحر المحیط، ابن حیانؒ) قاضی بیضاویؒ نے اس سے زیادہ تصریح کے ساتھ دنیوی ترقی کمالات کو اس میں شامل کیا ہے۔ نہایۃ امرک خیر من بدایتہ فانہ صلی اللہ علیہ وسلم لایزال یتصاعد فی الرفعۃ والکمال وعد شامل لما اعطاہ من کمال النفس وظہور الامر واعلاء الدین ولما ادخرلہ مما لا یعرف کنہہ سواہ (بیضاویؒ) قیل ولسوف یعطیک ربک من الثواب وقیل من النصر وکثرۃ المؤمنین فترضی (بغویؒ) وحمل الایۃ علی ظاہرہا من خیری الدنیا والاخرۃ معا اولیٰ الخ (خازن) والاولی ان ہذا موعد شامل لما اعطاہ فی الدنیا من الظفر ولما ادخر لہ من الثواب (ابن حیان)

باپ ہوتا ہے۔ تیرے پیدا ہوتے ہی تیرے لئے یہ سہارا توڑ دیا گیا تھا۔ باپ کے بعد پھر بے غرض خدمت کرنیوالی اور اپنے کو مٹا کر بچہ کو پرورش کرنے والی ہستی ماں کی ہوتی ہے، چند ہی روز بعد تجھے اس کے آغوش سے بھی جدا کر دیا گیا تھا۔ لے دے کے ایک سہارا دادا جان کا تھا، لیکن قبل اس کے، کہ تیرا بچپن ختم ہو، یہ سایہ بھی تیرے سر سے اُٹھا لیا! اب تُو تھا اور تیری یتیمی، تُو تھا اور تیری بیکسی! نہ گھرانا کوئی خوشحال نہ تعلیم و تربیت کا کوئی سامان! پھر آخر بجز ہماری ربوبیت کے کس نے تیرا ہاتھ پکڑا ہے بجز ہماری رحمت کاملہ کے کس نے تیری دستگیری کی؟ کس نے تیرے سر پر ہاتھ رکھا کس نے تجھے ہر خطرہ سے بچایا؟ کس نے قدم قدم پر تیری حفاظت کی؟ کس نے تیری صورت، تیری سیرت، تیری صحت، اور تیرے اخلاق کو ایسا سنوارا کہ تیرے ظاہر پر شہزادے اور امیرزادے، تیرے باطن پر حکما، و درویش رشک کرنے لگے؟ دشمنوں سے کس نے بچایا؟ ابولہب کی تلوار اور ابوجہل کے نیزے کو کس نے تجھ سے دور رکھا؟ پھر یہی نہیں بلکہ تُو بے تعلیم اور حرف ناشناس ووجدك ضالًّا فهدىٰ، جو خدمت خلق کی دھن میں، راہِ نجات کی تلاش میں تزکیۂ باطن کے فراق میں، غافل و بے خبر اِدھر سے

ادھر سرگرداں پھرا کرتا تھا[1]، کس نے تجھے بغیر کسی درس گاہ وکتبخانہ کی مدد کے، بغیر کسی مرشد و اُستاد کی وساطت کے۔ اپنی صاف اور روشن راہ دکھا دی؟ کس نے علوم لدنّی کے صحیفے تیرے لئے کھول دیئے؟ کس نے تیرے قلب کا پردہ روشن کر دیا جو اگلوں اور پچھلوں میں سے کسی پر روشن نہیں ہوا تھا؟ یہ اگر ہماری ربوبیت کاملہ کا کرشمہ نہیں، تو اور کیا ہو سکتا تھا؟ اور اسی طرح تو جو ہر طرح پر محتاج تھا، تجھے تونگر و مستغنی کس نے بنا دیا؟ کیا بجز ہماری رحمت کاملہ و ربوبیت مطلقہ کے **وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ**[2] کوئی اور شئے تھی، جس نے خدیجۃ الکبریٰؓ کی خوشحالی میں تجھے شریک بنا دیا، جس نے متمول صحابۂ مہاجرین کی دولتیں تیری نذر کرا دیں؟ تیرا قلب تڑپ رہا تھا کہ دنیا میں توحید باری کیونکر قائم کی جائے، تیرے قلب کو اُس کے دلائل سے بھر دیا گیا، تیرے نفس کے فقر کو غنا[3] سے تبدیل کر دیا گیا، تو خود اپنی مغفرت و نجات کی فکر میں

---

[1] وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ۔ اے غیر مہتد لما سیق الیک من النبوۃ (راغب) قال الحسن والضحاک وابن کیسان وَوَجَدَكَ ضَالًّا عن معالم النبوۃ واحکام الشریعۃ غافلاً عنہا فہداک الیہا (بغویؒ)

[2] وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ۔ اے ازال عنک فقر النفس وجعل لک الغنی الاکبر۔ (راغب وتاج العروس)

[3] ووجدک فقیراً الی رحمۃ اللہ وعفوہ فاغناک بمغفرتہ لک ما تقدم من ذنبک وما تاخر (راغب وتاج العروس)

ہم نے تجھے خود تیری ہی نجات کی طرف سے بے فکر نہیں کر دیا، بلکہ اعلان عام کر دیا، کہ جو بھی تیرا وسیلہ تلاش کرے گا، جو تیرے نام کا سہارا پکڑ کے آئے گا، اُس کے لئے نجات ہی نجات ہے، کہاں ابھی خود اپنے لئے راہ تلاش کر رہا تھا، اور کہاں ابھی رہبر و رہنما ہی نہیں، بلکہ دُنیا جہاں کے رہبروں کا سردار اور رہنماؤں کا پیشوا بنا دیا گیا! یہ معاملات اگر خاص محبوبوں کے ساتھ نہیں تو کیا کسی اور کے ساتھ ہو سکتے ہیں؟ بے بصر منکروں اور حاسدوں کو، مستقبل نہ سہی، ماضی میں بھی تیرے مرتبۂ قرب کی یہ کھلی ہوئی نشانیاں نہ دکھائی پڑیں؟

یہ مرتبۂ محبوبیت سارے عالم کے محبوبوں میں سے کسی کو حاصل ہوا ہے؟ پھر یہ مراتب محبوبیت اب بھی ختم نہیں ہوتے۔ محبوبوں کی ذات ہی نہیں، ان کی ایک ایک صفت محبوبیت کی ہے۔ ان کا ایک ایک وصف، محبت کی کائنات میں کیا کچھ درجہ رکھتا ہے! تو یتیم تھا، لے آج سے ہم کو خود یہ صفت یتیمی فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ، محبوب ہو گئی ہے، آج سے کسی یتیم کے ساتھ سختی، بدسلوکی، بے مہری، بے اعتنائی ہمیں گوارا نہیں۔ جو یتیم سے بے مہری کرے گا، خود اُس کے ساتھ بے مہری کی جائیگی، جو یتیم کے سر پر شفقت سے ہاتھ نہ پھیرے گا، وہ خود شفقت و رحمت سے محروم رہے گا، جس کے دل میں یتیم کا درد

نہ ہوگا، اُس بیدرد کے ساتھ بھی دردمندی نہ برتی جائے گی۔ یہ اعلان ہماری کتاب میں ہمیشہ کے لئے کیا جارہا ہے۔ ہماری کتاب یتیمی کی قدر و منزلت کی گواہ رہے گی، اور ہمارا دین یتیموں کے حقوق کا محافظ ہوگیا! تو بہت دنوں تک راہ کی تلاش میں سرگرداں رہا تھا، تو بہت روز تک اپنی تشفی کے لئے سائل بنا رہا، تو نے بہت زمانہ بہ حیثیت سوالی کے بسر کیا، اس کی یادگار وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ، میں یہ اعلان عام کیا جاتا ہے، کہ سائل کی عزت کے ہم نگراں ہیں۔ سوال کرنے والا ہرگز سختی و درشتی کے برتاؤ کا مستحق نہیں۔ بلکہ نرمی، آشتی و شیریں زبانی اس کا حق ہے، اور راہ ہدایت کا ہر سرگرداں، حق کی راہ میں ہر نکلنے والا، علم صحیح[1] کی تلاش میں ہر قدم رکھنے والا اس کا مستحق ہے، کہ اُس کی تشفی کی جائے۔ آج سے ہماری آسمانی کتاب زمین والوں کو حکم دیتی ہے کہ سوالی کے ساتھ لطف و مہربانی سے پیش آئیں۔ آخر ہر سائل کو عرب کے "سائل" اعظم سے کچھ نسبت و مناسبت تو بہرحال حاصل ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم نے

---

[1] السوال استدعاء معرفة او ما یؤدی الی المعرفة (راغب) قال ابو الدرداء، والحسن وغیرھما السائل ھٰذا السائل عن العلم والدین ولا سائل المال (بحر المحیط) وروی عن الحسن فی قولہٖ اما السائل فلا تنھر قال طالب العلم (معالم التنزیل، بغوی) السائل طالب العلم فیجب اکرامہ مطلوبہ (خازن) قال العلماء اما انا لیس بالسائل ولکن طالب العلم، نیشاپوری۔

تجھے محتاج اور بدرجۂ غایت محتاج پایا تھا۔ جس درجہ کی یہ محتاجی تھی، اُسی درجہ کا غنا، ہم نے اپنی عطا ر و بخشش سے مرحمت فرمایا! واما بنعمت ربك فحدث۔ اس دولت کا نام، دولت نبوت و قرآن ہے۔ ہماری یہ نعمت چھپا کر رکھنے کی نہیں، خوب لٹانے اور تقسیم کرنے کی ہے۔ بس جہاں تک ممکن ہو، اس دولت کو لٹاؤ، اس نعمت کا فیض عام جاری کرو، اور اس چشمہ رحمت سے ایک ایک کو مستفیض کرتے رہو۔

مکہ کے بے بس و بے کس یتیم، غار حرا میں مراقبہ کرنے والے گوشہ نشین! دیکھ لی تیرے مرتبہ کی بلندی دیکھ لی، تیری شان محبوبیت کا نظارہ کرلیا! خادموں اور غلاموں ہی نے نہیں، منکروں اور حاسدوں، بد باطنوں، اور کور چشموں تک نے تیرے آفتاب اقبال کی چمک دمک دیکھ لی، جو تجھ سے ٹکرایا، مٹا دیا گیا۔ توڑ دیا گیا، پاش پاش کر دیا گیا! جو تیرے سامنے جھکا، نوازا گیا، سرافراز ہوا، اپنی مراد کو پہونچا۔ ابوجہل اور فرزند خطاب، دونوں تیرے حق میں یکساں تھے۔ ابوجہل نے تجھ سے دشمنی کی، اپنے آپ سے دشمنی کرلی! عقل و دانش نیکنامی و اقبال مندی، آفتاب و ماہتاب، زمین و آسمان سب اُس کے دشمن ہوگئے! فرزند خطاب نے اپنا سر تیرے آگے جھکا دیا، سب اُس کے آگے جھک گئے۔ عزت نے جھکے، فوج و لشکر جھکے، اقبال و حشم جھکا، ناموری و اقبالمندی جھکی، شاہان ایران مصر و عراق کے تخت و تاج جھکے، ایک عالم کا عالم صولت فاروقی کے آگے جھک گیا!

فقرِ محمدی

فقرِ محمدیؐ

پُرانے مشائخ طریقت میں ایک بزرگ شیخ احمد بن ابراہیم الواسطیؒ گذرے ہیں جنکو شیخ عبدالحق دہلویؒ "عالم عامل" اور "عارف کامل" کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور شہادت دیتے ہیں، کہ

از کبار مشائخ دیار عرب بود، و مقتدائے روزگار، در طریق اتباع سنت و تقویم و ترویج ایں طریقہ بے نظیر وقت بود۔

عرب کے مشہور مشائخ میں سے تھے، اور اپنے زمانہ کے پیشوا۔ اور پیروی سنت رسولؐ، اور اُس کے پھیلانے میں اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے۔

ان بزرگ کا عربی میں ایک رسالہ، الفقر المحمدیؐ کے نام سے ہے، شیخ دہلویؒ کو ایک نسخہ اس کا ہاتھ لگ گیا، اس کا فارسی ترجمہ انھوں نے تحصیل الکمال الابدی باختیار الفقر المحمدی کے نام سے کر دیا، جو اُن کے مجموعہ رسائل و مکتوبات میں نمبر پانچ پر شائع ہوا ہے۔ آج تصوف کے بہت سے دشمن اور مخالفین اور بہت سے دوست و موافقین، اُس کو شریعت اسلام سے علیحدہ کوئی مستقل نظام سمجھ رہے ہیں، ان دونوں گروہوں کے حق میں، شائد اس کے بعض مطالب کا مطالعہ مفید ہو۔ ترجمہ لفظی

نہیں، عنوانات میرے اضافہ کئے ہوئے ہیں، اور مضامین کی ترتیب بھی میری ہی قائم کی ہوئی ہے۔

تصوف کا اصل اصول۔ اگر سچی درویشی اور اصلی فقیری کی طلب ہے، جس کی جڑ مضبوط، اور جس کی شاخیں بلند ہوں، تو لازم ہے، کہ محمدؐ رسولؐ اللہ کی فقیری اور درویشی کو اختیار کرو، اور اُنھیں کی پیروی کرو، کہ صاف اور پاکیزہ پانی وہیں ملتا ہے، جہاں سے چشمہ پھوٹتا ہے، اور بعد کے آنے والوں کی درویشی کو اختیار نہ کرو، کہ پانی سرچشمہ سے دور جا کر گندلا ہو جاتا ہے، اور اس کا رنگ اصلی باقی نہیں رہتا۔

اس مسلک کا انجام۔ اس طریقۂ محمدیؐ پر اگر قائم رہے، تو امید ہے کہ اگلوں سے جا ملوگے، جو پیغمبر خدا صلعم کے اصحاب میں سے تھے، اور قیامت کے روز پیمبرؐ کے جھنڈے کے نیچے، پیمبرؐ و یاران پیمبرؐ کے ساتھ تمہارا حشر ہوگا۔ یہ وہ وقت ہوگا، کہ دوسرے اپنے شیوخ اور مرشدوں کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، لیکن تمھارے اوپر اُس وقت تمہارے نبیؐ۔ یعنی حضورؐ رسول خدا صلعم کے جھنڈے کا سایہ ہوگا۔

تصوف کے معنی۔ لوگوں کی زبان پر آج فقر فقر ہے، لیکن اسکی حقیقت سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ نہ یہ جانتے ہیں کہ اس کی ابتدا، کہاں سے ہوتی ہے، اور نہ یہ خبر ہے، کہ اس کی انتہا

کیا ہے۔ اگر فقر کے معنی سمجھ میں آجائیں، اور اس کے ابتدائی مدارج کا علم ہو جائے، تو اُس پر اس کی انتہا کا بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ فقر کے میدان میں قدم رکھنا صرف اُسی وقت ممکن ہے، جب ممنوعات سے بچنے اور احکام کی تعمیل پر قدرت حاصل ہو۔

لازمی شرطیں۔ اس رنگ میں ڈوبنے کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ جس طرح متقی اپنے جسم کو گناہ سے محفوظ رکھتا ہے، اسی طرح فقیر اپنے دل کو خیال گناہ سے محفوظ رکھے، اور اگر دل میں کبھی کوئی خطرہ پیدا ہو، تو فوراً اس سے توبہ کرے۔ فقیر ایسے ہی ہوتے ہیں، جن کے دلوں میں مرضئ الٰہی کے خلاف کسی خطرہ کا گذر ہی نہیں ہوتا، انھیں اس امر کی شرم ہوتی ہے، کہ خدا کی دوستی کا دعویٰ کر کے کسی غیر خدائی خیال کو دل میں آنے دیں یہ فقر کا ابتدائی مرتبہ ہے، جب تک یہ قدرت نہ حاصل ہو لے زبان پر فقیری کا نام لاتے ہوئے بھی شرمانا چاہیے۔

گناہ سے بچنے، احکام کی پابندی کرنے، اور دل کو خطرات اور وساوس سے محفوظ کر لینے کے بعد، دوسری شرط فقیر کے لیے یہ ہے، کہ خدا کی طلب و محبت دل پر اتنی غالب آجائے، اور طبیعت خدا کی محبت سے اس قدر مغلوب ہو جائے کہ دنیا کے تمام فوائد و منافع، بالکل جل جائیں، اور اُن کا خیال تک نہ آنے پائے، دل کو محض محبوب حقیقی و مطلوب اصلی کے لئے مخصوص

ہو جانا چاہیئے۔ اور ماسویٰ سے بالکل خالی ہو جانا چاہیئے۔ جب تک یہ کیفیت نہ طاری ہو جائے فقیری کا دعویٰ کرنے سے شرمانا چاہیئے۔

کاملین کا مرتبہ ۔ اوپر جو شرطیں بیان کی گئیں، یہ مبتدیوں کے لئے ہیں۔ جب دل کو انھیں کے سُننے کی تاب نہیں، اور ان پر عمل کی توفیق نہیں، تو کاملین کے مرتبۂ کمال کو وہ کیونکر سمجھ سکتا ہے۔ اور اُس کی تشریح اس مختصر رسالہ میں کیسے کی جاسکتی ہے۔ صرف اُن کے مرتبہ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

جھوٹے مدعی ۔ رونے کا مقام ہے، کہ ہم میں ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے، جو حرام کھاتا ہے، اور باطل میں مشغول رہتا ہے۔ جو ان لوگوں کو مل جاوے ہی اُن کے نزدیک حلال ہے، اور جو نہ ملے وہی حرام ہے، دن رات انھیں یہ دھن سوار رہتی ہے کہ لذیذ غذائیں کھانے کو، خوبصورت چہرے دیکھنے کو، اور نغمہ کی آوازیں سُننے کو ملتی رہیں۔ اور اس دھن میں یہ بڑے بڑے دعوے زبان سے نکالتے ہیں، اور اپنے میں وجد و حال ظاہر کرتے ہیں، تا کہ عوام ان کے معتقد ہوں، اور انھیں دُنیا کچھ اور ہاتھ آئے۔ ان لوگوں کو نہ حلاوت اسلام سے واسطہ، نہ لذتِ ایمان سے سروکار، ساری ساری رات رقص و سماع میں مصروف رہتے ہیں، اور نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، تو گویا ٹکریں مار کر اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں، اور امیروں اور بادشاہوں

کے ہاں کی آمدورفت، اور اُن سے نذریں حاصل کرنے پر فخر کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کے شر سے بچائے کہ دُنیا کے رہزنوں سے کہیں بڑھ کر یہ دین کے رہزن ہیں۔ دُنیا کا رہزن مال لے جاتا ہے، اور یہ دولت ایمان پر ہاتھ صاف کرتے ہیں، عوام پر ان کے لباسِ فقر کا اثر پڑتا ہے، اور وہ سمجھنے لگتے ہیں، کہ فقیری اسی کا نام ہے۔

سچے فقیر کی علامات۔ محمدیؐ فقیروں کی ایک علامت یہ ہے، کہ وہ قرآن کریم کے ذوق سے مست رہتے ہیں، اور اُس کی آواز پر وجد کرنے لگتے ہیں، اور اس کے سننے کے وقت ان پر خود متکلم (یعنی خدا) کی تجلیوں کا عکس پڑنے لگتا ہے۔ کیسے غضب کی بات ہے، کہ جس محبوب کی محبت کا دعویٰ کیا جائے، اُسی کے کلام میں لطف نہ آئے، اس کے لئے طبیعت حاضر نہ ہو، اور لطف آئے، تو شعر و قصیدہ پر گانے بجانے پر، اور تالیوں پر!

سماع اور قرآن۔ اللہ کے دوستوں اور عاشقوں کے لیے ساری لذّت وحلاوت قرآن میں ہے، اور اُن کے دلوں کی راحت وتسکین کا سامان اسی میں ہے۔ کلام کے ساتھ ہی ان کا دل متکلم سے وابستہ ہو جاتا ہے، اور قرآن کے احکام وقصص، مواعظ واخبار، وعد و وعید کو سنتے ہی اُن کے دلوں میں گداز پیدا ہو جاتا ہے

اور متکلم کی عظمت میں وہ اپنی ہستی گم کر دیتے ہیں، اور یہ جو کہا جاتا ہے، کہ شعر کو نہ کہ قرآن کو، طبیعت بشری سے خاص مناسبت ہے اس لیے اشعار کو سُن کر دل میں قدرتاً تحریک پیدا ہوتی ہے، سو یہ قول لغو دبے حقیقت ہے، اس لیے کہ شعر کے وزن اور موسیقی کے تال سُر پر حرکت کرنا جبلت حیوانی کا تقاضا ہے، چنانچہ حیوانات اور بچے، سب اچھی موسیقی سے اثر قبول کرتے ہیں۔ یہ فطرت حیوانی ہے، انسان کی اعلیٰ فطرت کا درجہ اس سے کہیں بلند ہے۔ جن کے دلوں میں ایمان گھر کر چکا ہے، اور محبت الٰہی حلاوت حاصل کر چکی ہے، جیسا کہ حضرات صحابہؓ اور ان کے بعد کے آنے والوں کا حال تھا، سو ان کے قلب کو حرکت میں لانے والی، اور ان کے شوق، وجد، رقت، اور خشوع کو بڑھانے والی شئے، قرآن پاک کی سماعت ہی ہو سکتی ہے۔

عملی ہدایات۔ صحیح تصوف، یا فقر محمدیؐ میں قدم رکھنے والے کے لئے عملی ہدایتوں میں سے پہلی شئے یہ ہے:۔ اپنے پروردگار کے سامنے، جس نے قرآن اور رسولؐ جیسی پاک نعمتیں اُتاری ہیں، صدق دل سے توبہ کرنا، پھر تنہائی میں جا کر، سب کی نظروں سے الگ، وضو کر کے دو رکعتیں خشوع قلب کے ساتھ پڑھنا، اس سے فارغ ہو کر ننگے سر، ہاتھ باندھے ہوئے اپنی خطاؤں پر نادم ہو کر اتنی دیر تک کھڑے رہنا، کہ دل میں گداز پیدا ہو جائے،

اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو جائیں، اُس وقت رو رو کے توبہ و استغفار کرنا، اور الفاظ حدیث کے مطابق سید الاستغفار پڑھنا، پھر طریق پیروی رسولؐ پر قائم و مضبوط رہنے کے لیے توفیق چاہنا اور آئندہ کے لیے مضبوط عہد کرنا، کہ آنکھ، کان، زبان، شکم، شرمگاہ، اور ہاتھ پیر ہر قسم کے گناہ سے محفوظ رہیں گے، ایسا کہ جب دن ختم ہو، تو نہ زبان کسی کی بدگوئی جھوٹ، بدزبانی وغیرہ سے آلودہ ہوئی ہو، نہ کان نے کوئی بیجا بات سُنی ہو، اور نہ آنکھ کسی ایسی چیز پر پڑی ہو، جس کا دیکھنا شرعاً پسندیدہ نہ تھا، اور نہ خالق و مخلوق میں سے کسی کا حق اپنے اوپر باقی رہنے پائے۔

عملی ہدایات کی دوسری دفعہ یہ ہے، کہ نماز باجماعت اپنے ارکان و آداب وحضورِ قلب وغیرہ کی پوری پابندی کے ساتھ ادا کی جائے، ایسی کہ حدیث میں جو لفظ "احسان" آیا ہے، اُس کی پوری عملی تفسیر ہوتی رہے۔ حال صحیح وہی ہے، جو حالت نماز میں طاری ہو۔ بندہ اور پروردگار کے درمیان رابطہ پیدا کرانے والی شئے نماز ہے، پس اگر نماز میں حضورِ قلب نہیں پیدا ہوتا، تو اُس کا کوئی حال معتبر نہیں، اس لیے کہ جس بندہ کے حجابات، ایسی منزل قرب میں بھی پہونچ کر دُور نہیں ہوتے اُس کے لیے کسی دوسرے موقع پر اس کی کیا اُمید ہو سکتی ہے۔

جیف ہے، کہ سماع شعر کے وقت تو قلب حاضر ہو، لیکن جو وقت عین حضوریٔ حق کا ہوتا ہے، اُسی وقت غائب ہو۔ ایسی فقیری فاسد اور ایسی درویشی ناجائز۔

بنیاد کار۔ سچے تصوف کی ساری بنیاد رسولؐ کریم صلعم کے ساتھ محبت و ربط قلب پیدا کرنے پر ہے، اپنے دل کو اُس ذات گرامی کی محبت میں اٹکایا جائے، اُسی کو اپنا شیخ اور اپنا امام بنایا جائے، اُسی کے نام پر بکثرت درود و صلوٰۃ بھیجا جائے، اور اسی کے ساتھ پیوند محبت مستحکم کر لیا جائے۔ تمام درویشوں کو دیکھا ہوگا کہ اُن کے دلوں میں اُن کے مرشدوں کی عظمت ایسی بیٹھ جاتی ہے، کہ وہ جب کبھی اپنے شیخ یا مرشد کا نام سُنتے ہیں، تو بے چین ہو جاتے ہیں، یہی کیفیت، یہی نسبت قلب سچے درویش کو رسول کریم صلعم کی ذات گرامی کے ساتھ پیدا کرنی چاہیے۔ اپنا امام اور شیخ اُنھیں کو بنانا چاہیے، دل میں خیال آئے تو اُنھیں کا، آنکھوں میں صورت پھرتی رہے تو اُنھیں کی کان لذت حاصل کریں تو اُنھیں کے نام مبارک سے، عظمت کا احساس پیدا ہو تو اُنھیں کے ذکر سے، زبان اُنھیں پر درود کھینچنے میں لگی رہے، دل میں اُنھیں کے حالات سُننے اور جاننے کا ذوق پیدا ہو، حدیث و آثار کے پڑھنے سے علاقۂ محبت کو اور ترقی ہو، شوق و اشتیاق ہو تو اُنھیں کا، یاد ہو تو اُنھیں کی،

پیروی ہو تو انھیں کی، ہر امر میں انھیں کے حکم کی تعمیل اور پیروی کا شوق غالب ہو، اور انکی پیروی میں اتنی شدت برتی جائے، کہ ہر شخص دیکھتے ہی "محمدی" سمجھ لے۔

رسالہ کے اہم اور ضروری مطالب کا ملخص، سطور بالا میں آگیا۔ شیخ عبدالحق دہلویؒ ان تمام مطالب کو نقل کرنے کے بعد خود بھی ان کی پرزور تائید کرتے ہیں۔ کیا اہل شریعت اس میں کوئی امر اپنے عقیدہ کے خلاف پاتے ہیں؟ کیا اہل طریقت کو اس میں کہیں حرف رکھنے کی گنجایش ہے؟ کیا کسی گروہ کو کوئی وجہ اعتراض ہے؟

ہمارے سچے رسولؐ کی زبان سے یہ پیام دُنیا کو پہونچا تھا، کہ غیر مُسلم، اگر خدائے واحد و یکتا کی پرستش پر متفق ہو جائیں، تو مسلمانوں سے فوراً صلح ہو سکتی ہے، اگر آج سارے اسلامی فرقے، رسولؐ خاتم و برحق کی محبت و اطاعت کے مرکزی نقطے پر آکر جمع ہو جائیں، تو آپس کی رنجش و نقیض، رد و کد کے لیے کوئی گنجائش رہ جاتی ہے؟

صابر رسول

صابرِ رسولؐ

انسانیت کے لیے ہر مصیبت میں تعزیت و تسلی کا پیام اور صبر و رضا کا نمونہ

خُلقِ عظیم کا ایک خاص پہلو

اصلاح اور مصیبتیں۔ جتنے مصلحین دین کی فلاح و بہبود کا نقشہ لے کر اُٹھے کس کی آؤ بھگت گالیوں رسوائیوں سے تکفیر و تفسیق سے ضرب و بند سے نہیں ہوئی۔ کیا ابو حنیفہؒ قید میں نہیں ڈالے گئے؟ کیا احمد حنبلؒ کی پیٹھ سے خون کے شرارے خود مسلمانوں کے کوڑوں سے نہیں بہے؟ کیا غزالیؒ کی کتابیں آگ کے ڈھیر میں خود مسلمانوں کے ہاتھوں نہیں جھونکی گئیں؟ کیا اسمٰعیل شہیدؒ پر کفر کا فتویٰ نہیں لگا؟ کیا ان سب کی مصیبتیں اور بپتائیں الگ الگ نہیں، ملا کر اور سب ایک میں شامل کر کے بھی اُس ایک انسان کے مقابلہ میں لائی جا سکتی ہیں، جو مخلوق کے اولین و آخرین میں سب سے بڑا اپنا کر بھیجا گیا تھا؟ لیکن جس کو دن دو دن نہیں، ہفتہ دو ہفتہ، مہینہ دو مہینہ بھی نہیں، تیرہ سال تک مسلسل و یک لخت، دُنیا کے شریروں اور رذیلوں سے گندوں اور کمینوں سے، شرابیوں اور جواریوں سے، لٹیروں اور حرامکاروں سے، پتھروں کے پوجنے والوں اور درختوں کو سجدہ کرنے والوں سے انسانی سانپوں اور اژدہوں سے،

انسان صورت بھیڑیوں اور درندوں سے دب کر اور جھک کے رہنا پڑا۔ آج شہر کے کسی رئیس، کسی حاکم، کسی چودھری کو کوئی چوڑھا چمار ذرا گالی دے کر تو دیکھے، یہاں گالیاں کھلوائی گئیں۔ اُسے جو سارے معززین سے معزز تر، سارے وجاہت والوں سے بڑھ کر وجیہ۔ اور سارے شریفوں سے اشرف تھا۔ ان کی زبانوں سے جو ذلیلوں سے بڑھ کر ذلیل، گندگی میں اپنی آپ نظیر، اور رذیلوں میں بھی ارذل تھے! اب جس جسدِ مبارک کو ادب و احترام کے ساتھ مس کرنا، نور سے بنے ہوئے فرشتوں کے لیے بھی باعثِ فخر و شرف تھا، اس کے ساتھ کیسی کیسی گستاخیاں اور دراز دستیاں وہ جہنم کے کندے کرتے رہے، جنہیں آگ میں جلنا اور آگ میں تلنا تھا! جسے آسمان والے نے "محمد" (ستودہ صفات۔ تعریف کیا گیا) بنا کر بھیجا تھا، گندہ دہن زمینی مخلوق اس کے ساتھ کس طرح پیش آئی۔ کیا اسے جی بھر کر چڑھایا نہیں۔ طرح طرح کے آوازے نہیں کسے؟ ڈھیلے نہیں برسائے؟ ساقِ مبارک کو لہولہان نہیں کیا؟ کھانا پانی بند نہیں کیا؟ ہر طرف سے گھیر کر ایک غار میں بند کر کے، فاقہ کشی کی نوبت نہیں پیدا کر دی؟ دوستوں اور مخلصوں، جان نثاروں اور سرفروشوں پر کیا کیا قیامتیں برپا ہو کر نہیں رہیں؟ غرض تکلیف و تعذیب، توہین و

تحقیر، آزارِ جسمانی و روحانی کا کوئی پہلو اُٹھ رہا؟ تاریخ کے کس واقعہ سے انکار ہو گا؟ اور پھر اس ذاتِ پاک کے صبر میں، ہمت میں، استقامت و استقلال میں کس وقت، کس لمحہ، کس آن فرق پڑنے پایا ہے؟ آپ اپنی تکلیف کو جھینکتے پھرتے ہیں، ہے کوئی جو اس بڑی مثال کے سامنے اپنے کو پیش کر سکے؟ اس پہاڑ کے سامنے، اپنے ریت کے گھروندے کو لائے۔ اس بے مثال، مثال کو سامنے رکھکر ارشاد ہو کہ کس نے دین کی راہ میں کیا کیا ہے؟ کیا سہا ہے؟ کیا کھویا، کیا لٹایا کیا اُٹھایا ہے؟

مظالم اور اسوۂ محمدیؐ۔ مظلومیت و غربت، بیکسی اور بے بسی ہم پر، آپ پر، آج کسی درجہ میں طاری ہو، اسوۂ محمدیؐ سے بڑھ کر کون اسوہ ملے گا تسکین و تسلی کے لیے اس ذات کے سوا اور کہاں سامان نظر آئے گا؟ لیکن فراغت و غلبہ کے وقت بھی کیا اس کا سررشتہ ہاتھ سے چھوٹنے پائے گا؟ اچھا تو یہ بتائے کہ سرداری و فتحمندی کی حالت میں کبھی اس سردارِ دو عالم کے سردار کے قدم نے عبدیت کے حدود سے ذرا بھی تجاوز کیا ہے؟ انتہائے مشغولیت میں بھی کبھی غفلت طاری ہوئی ہے؟ بڑی سے بڑی جنگ اور معرکہ آرائی کے وقت رسد کا سامان، اور روپیہ کا انتظام، گھوڑوں کی فراہمی اور ہتھیاروں

کی خریداری، میدان جنگ کا انتخاب اور صفوف لشکر کی ترتیب کوچ کا حکم اور قیام کا ارشاد، فوجوں کا لڑانا، صلح کے شرائط طے کرنا، مال غنیمت کی تقسیم اور ملوک و سلاطین سے نامہ وپیام یہ سارے کام جن کے لیے آج بیسوں ماہرین خصوصی کی ضرورت ہوتی ہے، کمسریٹ والوں انجینیروں کی، جنرل اور مدبر کی، خدمات بنفس نفیس ہی انجام دیتے تھے، اور ممکن نہ تھا کہ ان میں پڑھ کر کسی وقت کی نماز رہ جائے، معمولات عبادت میں فرق آجائے۔ پھر آج کسی کے مشاغل کیا ان سے زائد ہو سکتے ہیں کس کی مشغول زندگی اس مقابلہ میں لانی ممکن ہے؟

تھکا دینے والے مشاغل اور صبر واستقامت۔ جنگ کی حالت چھوڑیئے، امن کا زمانہ لیجئے۔ ابھی طائف مسلمان ہو رہا ہے، ابھی ایمن کے اسلام کی خوشخبری آرہی ہے۔ ابھی بحرین اسلام قبول کر رہا ہے، ابھی عمان اطاعت قبول کر رہا ہے۔ ابھی فضرمیہ کا وفد آرہا ہے۔ ابھی بنو تمیم کی سفارت پہنچ رہی ہے۔ ابھی قیصر وکسریٰ کے نام خطوط روانہ ہو رہے ہیں، ابھی شاہ مصر کو دعوت اسلام بھیجی جا رہی ہے، فلاں قبیلہ پر جزیہ کی تشخیص ہو رہی ہے، فلاں نومسلم آبادی پر زکوٰۃ کی تعیین کی جا رہی ہے، ادھر دعات ومؤذنین کا تقرر ہو رہا ہے، ادھر مختلف شہروں اور صوبوں کے لیے حکام وولات مقرر کیے جا رہے ہیں، ابھی خیبر

ممالک کے قاصدوں سے گفتگو ہو رہی ہے، ابھی مقدمات کے فیصلے صادر فرمائے جا رہے ہیں، مریضوں کی عیادت بھی ہو رہی ہے، اور ساتھ ہی احتساب کا کام بھی جاری ہے، اور پھر تسبیح وتہلیل میں فرق آنے پاتا ہے، نہ شب بیداری وتہجد گزاری میں، وہی سنا جاتیں اور گریہ وزاری کے ساتھ عبادتیں، اور یہی راتوں کو کھڑے ہو ہو کر اتنا قرآن پڑھنا کہ پائے مبارک پر ورم ہو ہو آئے! آج ذرا سی بھی مشغولیت کسی کو پیش آ جاتی ہے تو چھوٹا نوافل کیا معنی، فرائض تک کے ترک کا حیلہ ہاتھ آ جاتا ہے اور پھر یہ نظیر موجود ہے کہ اس بے حد وحساب مشغولیت کے باوجود تعلق مع اللہ کے آثار ظاہری میں سر مو فرق نہیں۔ جنگ ہو یا صلح فوجی خدمات ہوں یا ملکی مناصب، زمینداری ہو یا ریاست کاشتکاری ہو یا تجارت، کلرکی ہو یا ججی، منسٹری ہو یا گورنری انسانی زندگی کا کونسا رخ ایسا ہے جس کے لیے وہ آفتاب ہدایت دلیل راہ نہیں؟

بہترین رفیق حیات کا صدمہ۔ بیوی اور چہیتی بیوی شوہر کے ہاتھوں اٹھ جانا، شوہر کے لیے کس قدر روح فرسا واقعہ ہوتا ہے، رفیق حیات، جس سے دل ملا ہوا ہو، جس نے زندگی کے ہر نشیب وفراز میں ساتھ دیا ہو، اسے اپنے ہاتھوں کفنانے دفنانے کی ہمت کوئی کہاں سے لائے بجا ہے۔ لیکن ذرا خیال

اللہ کے اس لاڈلے بندہ کی طرف بھی جائیے جس نے خدیجۃ الکبریٰؓ
جیسی عزیز و عزیز الوجود، محبوب و وفا سرشت شریک حیات کو
۲۳، ۲۴ سال کی رفاقت کے بعد اپنے ہاتھ سے کھویا۔ اور
اللہ کی مشیت پر صبر کیا۔ کیا آپ میں کسی کا رنج اس رنج سے
بڑھ کر، کسی کا صدمہ اس صدمہ سے زائد تھا جسے اسے کلیجہ
پر پتھر رکھنا پڑا، جس کی مرضی خود مرضی الٰہی کو منظور رہا کرتی تھی
ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ، تو پھر ہم اور آپ، یہ
اور وہ، زید اور بکر کس شمار میں ہیں تسکین اگر ہوگی، تو پھر اپنے
اسی بڑے کی مثال کو دیکھ کر۔ قومی زندگی سے قطع نظر کیجئے
خانگی زندگی کے مصائب و نوائب میں بھی، اس ایک کے سوا
اور کس کا سہارا پکڑے گا؟

ازدواجی زندگی کا ایک اور غم۔ اس کی برعکس صورت بھی کچھ
کم روح فرسا نہیں۔ نوجوان بیوہ کس طرح چاہنے والے ناز
اٹھانے والے، شوہر کے داغ مفارقت کو برداشت کرے
کس طرح اپنے بے قرار دل کو قرار دے؟ آئیے ایک بار پھر
اسی عالمگیر دواخانہ کی طرف رجوع کریں۔ مائی زینبؓ اور
مائی ام سلمہؓ وغیرہا کو چھوڑیئے، خود عائشہ صدیقہؓ جیسی کم عمر
اور شوہری لطف و محبت کی خوگر بیوہ پر آخر کیا گذری تھی؟
صبر انھیں کیسا آیا؟ کیا جو وقت ان پر ڈالا گیا اس سے بڑھ کر

کوئی وقت کسی دوسری، حوا کی بیٹی پر پڑسکتا ہے؟ یہاں تو سہاگ لٹتے وقت صرف ایک چاہنے والے شوہر ہی کا غم ہوگا، وہاں صدمہ کس کا اٹھانا پڑا تھا، ایسے شوہر کا جو رسولؐ، اور پھر سب رسولوںؑ کا خاتم، سب رسولوں کا سردار۔ اس دکھ کا کوئی علاج، اس صدمہ کا کوئی عوض، تصور میں بھی آسکتا ہے؟ آج بڑی سے بڑی غمزدہ مسلمان بیوہ بھی، عائشہ صدیقہؓ کی بیوگی کو دیکھے، اور ذرا اپنے سوگ کا ان کے سوگ سے مقابلہ کرے؟ انشاء اللہ بیقرار دل کو قرار از خود آجائے گا۔

اولاد کا صدمہ۔ شوہر اور بیوی سے بڑھ کر جانگسل صدمہ اولاد کا ہوتا ہے۔ کسی کے کلیجہ کو گرم گرم لوہے سے داغ دیا جائے، اور کہا جائے کہ زبان سے آہ، اور دل سے شعلہ نہ اٹھنے پائے، تو اس پر کیا گزر رہی ہے گی؟ یہاں جس کے سر پر دین و دنیا کی سرداری کا تاج تھا، اس نے اپنے ہاتھوں ننھے اور معصوم ابراہیم اور دوسرے پیارے نبی زادوں کو نہلایا، کفنایا، جو ساری دنیا کے مسلمانوں کے حق میں رؤف و رحیم تھا۔ جو دشمنوں تک کے لیے رحمت و شفقت تھا، کیا خود اپنی اولاد کے حق میں اس کا دل پتھر کا تھا۔ کیا اس کے دل سے مامتا نکال ڈالی گئی تھی دل پر جو کچھ گذر رہی تھی دل توڑ ڈالا جانے یا دل کا پیدا کرنے والا، خادموں اور جاں نثاروں

نے یہ دیکھا، کہ قبل موت، ننھے لختِ جگر کے منہ پر منہ رکھے ہوئے شفیق باپ، اور ہم سب کا شفیق روحانی باپ، بوسہ پر بوسہ لے رہا تھا۔ اور بعد موت جب قبر میں اپنے ہاتھ سے اتارا ہے، تو آنکھوں سے آنسو جاری تھے، اور زبان پر یہ فقرہ تھا کہ "اے ابراہیم ہم تیرے غم میں رو رہے ہیں!" آج دُنیا کا کون باپ اپنی مصیبت کو اس سے بڑی مصیبت بتا سکتا ہے۔ کفّار اور مشرکین مدتوں کے دشمنوں اور منکروں کا گروہ طعنہ دینے کو مستعد کہ کیسے نبی ہیں کہ اولاد نرینہ کا سلسلہ بھی موقوف ہو رہا ہے، متعدد لختِ جگر پہلے پیوندِ خاک ہو چکے ہیں، آخری فرزند یوں رخصت ہو رہا ہے کس کی مصیبت اس مصیبت سے بڑی ہو گی۔ کس کا حزن اس حزن سے بڑھ کر ہو گا؟

جوان اولاد کا غم۔ اولادیں سب کی سب بچپن ہی میں رخصت نہیں ہوئیں۔ رقیہؓ اور ام کلثومؓ نبی زادیاں پل کر اور بڑھ کر بالغ اور جوان ہو کر، اور پیچھے بعد دیگرے عثمان غنیؓ کی بیوی بن کر دُنیا سے رخصت ہوئیں۔ اور جو سارے عالم کو حیات جاودانی کی بشارت دینے آیا تھا، اس نے اپنی جوان جہان بیٹوں کی حیات ناسوتی ختم ہوتے، انہیں دم توڑتے، اپنی آنکھوں دیکھا۔ ان کے لاشے اپنے ہاتھوں قبر میں اُتارے۔ اب اس کے بعد کون ہے جو اپنی جوان اولاد کے غم میں اپنے کو سب سے

زیادہ غم نصیب سمجھتا ہے آئیے اور تسکین کا مرہم اپنے زخم جگر
پر اسی بے خطا دواخانہ سے حاصل کیجئے!

عزیزوں اور جاں نثاروں کے صدمے ۔ بیوی اور اولاد کے
غم کے بعد پھر دوسروں عزیزوں دوستوں کی وفات کے صدمے
ہوتے ہیں، اُمت میں قیامت تک جس کسی کو یہ صدمے ہوں
وہ آئے اور صبر اس کی مثال کو دیکھ کر حاصل کرے جس نے
ابو طالب کی موت کا، حمزہؓ کی موت کا، جعفر طیارؓ کی موت
کا، شہداء بدر کا، شہداء احد کا، اور اپنے بیبیوں دوسرے
مخلص خادموں اور جاں نثاروں کی موت کا صدمہ اُٹھایا
اور صبر سے کام لیا۔ رسولؐ کے صدمات کے بعد کس کا صدمہ
انوکھا رہ جاتا ہے؟ رسولؐ کے غموں کے بعد کس کا غم بلا
تعزیت رہ جاتا ہے؟ ۔

عسرت اور فاقہ کے مصائب ۔ موت کے صدمات سے ہٹ کر
آئیے۔ تو پھر غم افلاس کا نمبر آئے گا۔ ایک خلقت کی خلقت
ہے، کہ معاش کی تکلیف میں مبتلا، اپنے نصیبوں کو کوس رہی
ہے۔ اُمت کے ان دکھیاروں کو بشارت دیجئے کہ ذرا نظر
اُٹھا کر اس کے جمال جہاں آرا کی جھلک دیکھ لیں جو امیروں
کا امیر اور سردار بنا کر بھیجا گیا ہے۔ مگر حالت یہ ہے کہ کبھی کبھی
وقت گھروں میں چولہا تک نہیں جلتا۔ فاقوں پر فاقے ہو رہے ہیں۔

اور پیٹ پر بھوک کی شدت سے پتھر بندھے ہوئے ہیں، اور متصل فراغت کے ساتھ کھانا تو شاید کبھی تین وقت سے زائد قسمت میں آتا ہی نہیں! کس کی مفلسی اس مفلسی سے بڑھ کر ہے؟ کون بھوکا آج اتنا بھوکا ملے گا، کہ پیٹ پر پتھر بندھے ہیں، اور وہ کام کاج، دوڑ دھوپ میں مشغول ہو بھوک اور معدہ کی کھڑچن، عسرت و ناداری، فقر و فاقہ کے مارے اور ستائے ہوؤ! رسولؐ اسلام کی آواز پر لپکو، کہ اس آواز دینے والے سے بڑھ کر کوئی غمخوار کوئی صحیح معنی میں ہمدرد کہیں نہیں ملے گا!

جسمانی تکالیف۔ اب اس امتی کو لیجئے، جو علیل و رنجور ہے اور جس کا تن طبیبوں کا نیازمند بنا ہوا ہے۔ وہ دیکھے گا کہ روحوں کو شفا بخشنے والا اور اخلاق کے بیماروں کو چشم زدن میں چنگا کر دینے والا طبیب خود بھی جسمانی آزار و آلام سے مستثنیٰ نہیں۔ زہر آپ کو دیا گیا، اور زہر کا اثر آپ پر ہوا، تیر کے زخم آپ کے جسم پر لگے، دندان مبارک شہید ہوئے، اور خون ڈھلا ڈھل اس جسد اطہر سے بہا۔ اور پھر بخار کی شدت اور کرب، جو اپنے صابر اور ضابط کو بھی متاثر کئے ہوئے تھی! کونسی رنجوری ہے جس کے لئے نسخۂ شفا اس دار الشفا میں موجود نہیں؟

یتیمی کے داغ، ماں باپ کا غم۔ یتیمی کے داغ سے بڑھ کر اور کون داغ ہو سکتا ہے اس وقت سے بڑھ کر بیکسی اور بیچارگی کا اور کونسا وقت ہوتا ہے؟ آج ساری دنیا کے

بیکس بیچارے، یتیموں یسیروں کو خوشخبری ہو کہ جس نے ساری دُنیا کے یتیموں کے سر پر ہاتھ رکھا، وہ خود بھی یتیم ہی ہو کر دُنیا میں آیا۔ اور یتیمی بھی کس غضب کی عمر کے دس سال پر نہیں، پانچ سال پر نہیں، والد کی شکل سرے سے دیکھی ہی نہیں۔ اور باپ کی محبت کو ایک لمحہ کے لیے بھی جانا ہی نہیں! جب دُنیا میں تشریف لائے تو باپ پہلے ہی واپس بلا لیے گئے تھے۔ رہیں والدہ ماجدہ، سو وہ بھی پانچ سال سے زائد اپنی آنکھوں کے تارے، اور عالم کے آفتاب کا نظارہ نہ کر سکیں! یتیم کا اطلاق تو اس پر ہونے لگتا ہے جس کا صرف باپ زندہ نہ ہو۔ یہاں شروع سے بے پدری، اور شعور پیدا ہوتے ہی بے مادری، ایک ساتھ یتیمی و یسیری! دُنیا جہاں کے یتیمو! اپنے حال پر رونے اور کڑھنے کی جگہ خوش اور نازاں ہو، کہ تم کس کی صف میں کھڑے ہوئے ہو۔

دلخراش طنز اور تشنیع ۔ طنز و تشنیع سے خوف کھانے، اور بدنامی و رسوائی سے ڈرنے والو ذرا اس نمونہ کو پیش نظر رکھو، جس کے جلو میں ملائکہ مقربین اور جبرئیلؑ روح الامین کی نصرتیں تھیں اس پر بھی اُسے اُحد میں اور حنین میں چاہے وہ کسی مصلحت سے اور کتنا ہی عارضی طور پر ہو، دشمنان دین کے سامنے ناکام رکھا جاتا ہے، اور دشمنانِ حق کے مقابلہ میں اس کی مغلوبیت

دکھائی جاتی ہے! راستی اور راستبازی کے دشمنوں نے ایسے موقع پر انتہائی دلخراش و دل شکن طنز و تمسخر کا کوئی دقیقہ اُٹھا رکھا ہوگا! بے اولادی کا طعن کوئی معمولی طعن ہے! کسی فرزند نرینہ کے نہ باقی رہ جانے کا طنز کوئی آسانی سے برداشت ہو جانے والا طنز ہے! پھر صاحب کوثر کو یہ سب سُننا پڑا یا نہیں اُمت کے حق گوؤں اور حق پرستوں کے لیے حیات طیبہ کی کتاب کے ابواب کیا سرے سے بے معنیٰ ہیں؟ ۔

خانہ داری کے مشکلات ۔ بیوی کسی کی ایک ہوتی ہے، تو اس کے پورے ادائے حقوق اور اس کے ساتھ ہمیشہ لطف و موافقت مشکل رہتا ہے، چہ جائے کہ جس کی ایک وقت میں دو نہیں تین نہیں ۔ اکٹھی نو نو بیویاں ہوں! ان سب کے ساتھ یہ حسن معاشرت نباہ کرنا معمولی بشر کا کام تھا عقل کے اندھے کہتے ہیں، کہ یہ ایک صورت عیش پرستی کی تھی! خدائے واحد کی قسم! یہ صورت انتہائی مجاہدہ اور نفس کشی کی تھی۔ بیویاں بھی جنت کی حوریں یا فرشتہ بنا کر بھیجی گئیں تھیں۔ یہی انسانی اجسام ان کے تھے، یہی کھانے پینے کی خواہشیں اور یہی پہننے اوڑھنے کی ضرورتیں، یہی قلوب کے اندر، رقابت کی چشمکیں باہم چلتیں، باتیں بڑھتیں، اور ملال و تکدر حضورؐ کے قلب مبارک

تک پہنچتا۔ کاشانۂ مبارک میں جو بے سروسامانی تھی ظاہر ہے۔ صراحت کے ساتھ ان بیویوں کو علیحدگی کا اختیار دیا گیا سب کی سب اس درجہ والا وشیدا تھیں کہ کسی ایک نے بھی اس اختیار سے فائدہ اٹھانا گوارا نہیں کیا! بیویوں بچوں کے جنجال میں پھنسے ہوئے اُمتی، کیا کوئی سبق نہیں لے سکتے ؟

تہمت و الزام کے صدمے۔ کسی باعزت شریف کی بیگناہ بیوی پر آج ذرا سا عیب لگا دیا جائے، دیکھئے میاں بیوی دونوں کی کیا حالت ہو کر رہتی ہے۔ نہ معلوم کتنے شوہروں نے ایسے موقعوں پر بیویوں کو تلوار کے وار یا بندوق کی گولی سے ختم کر دیا ہے اور خود بھی خودکشی کر لی ہے اور کتنی بیویاں کنوئیں میں پھاند پڑی ہیں یا کچھ کھا کر سو گئیں ہیں۔ اب ذرا اس شریف شوہر کو دیکھئے۔ جو دُنیا میں شرافت، عصمت وحیا کا پیکر بنا کر بھیجا گیا تھا، اور اس کی اس عزیزہ ومحبوب بیوی کا خیال کیجئے جس کی نیچی نگاہوں کی بلائیں خود حیا پروری اور عصمت شعاری لیتی تھیں۔ اور جس کے صدق ووفا کی گواہی صراحت کے ساتھ قیامت تک کے لیے خود کلام مجید کے صفحات نے دیدی (حوا کی بیٹیوں میں بجز مریمؑ صدیقہؓ کے اور کس کے نصیب میں یہ دولت آئی ہے، بیہودہ لوگوں نے جب عائشہ صدیقہؓ سے متعلق اپنی زبانیں گندہ کی ہیں، تو اس طہارت ولطافت کے پتلے، اور

اس شرم و حیا، عصمت و وفا کی تصویر پر کیا کیا گذر رہی ہوگی تلخ اور زہرہ گداز تجربہ بہرحال کرایا گیا، اور ہر زمانہ کے مومنین اور مومنات کے لیے، تسکین و تسلی کا کتنا اہم اور کیسا بیش بہا سبق دیدیا گیا۔

زندگی کے حوادث میں جامع تعزیت و تسلی۔ غرض اجتماعی و انفرادی، قومی معاشری، خانگی و شخصی، کوئی بھی ممکن پہلو انسانی زندگی کا لیجئے، غم و الم کی جتنی صورتیں انسان کو کسی شعبۂ حیات میں پیش آسکتی ہیں، انہیں فرض کیجئے۔ ہر درد کا درماں، ہر زخم کا مرہم، ہر حادثہ کے لیے تعزیت اگر ملے گی تو اسی دار الشفاء محمدی کے اندر۔ روحانیت کے دوسرے پہلوؤں اور صدق رسالت کے دوسرے دلائل سے قطع نظر محض اسی ایک جامعیت کے پہلو کو لیجئے۔ اس کی نظیر اگلوں اور پچھلوں میں، شرق و غرب میں شمال و جنوب میں کہاں ملے گی؟ ہر بڑی سے بڑی مصیبت کے وقت تسلی و دلدہی کو اسوۂ مبارک موجود۔ کتنا سچ ہے کہنے والے کا قول، جو اس نے اپنے متعلق کہا کہ "میں قصر انبیاءؑ کی آخری اینٹ ہوں" عمارت بے شبہ ہر طرح پر کامل و مکمل، آراستہ و پیراستہ، پہلے سے تیار تھی۔ لیکن اس آخری اینٹ کے بغیر یہ جامعیت اور

یہ اکملیت کہاں تھی رحمتیں اور بے شمار رحمتیں نازل ہوں اس پر جس کے وجود نے کامل کو اکمل، شریف کو اشرف، فاضل کو افضل، حسین کو احسن اور جمیل کو اجمل کے مرتبہ تک پہنچا کر، امت کے غریبوں اور ضعیفوں، دکھیاروں اور ناچاروں، بیماروں اور سوگواروں، غمزدوں اور ناداروں سب کی تسکین کا سامان، رہتی دنیا تک کر دیا۔

خطبۂ نکاح

سیرت و ہدایت رسولؐ کی روشنی میں

خطبۂ نکاح

سیرت و ہدایت رسول ﷺ کی روشنی میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ نَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔

ترجمہ:۔ (تمام تعریف اُس اللہ کی جس سے ہم مدد چاہتے ہیں۔ اور مغفرت مانگتے ہیں۔ اور اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اپنے نفس کی برائیوں سے جس کو اللہ ہدایت دے اس کو گمراہ کرنیوالا کوئی نہیں جسکو اللہ راہ نہ دے اُس کو راہ بتانیوالا کوئی نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ کوئی الٰہ نہیں سوائے اللہ کے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔)

عورت کا مرتبہ رسول پاکؐ کا اسوۂ حسنہ۔ دُنیا ہے اور چھٹی صدی عیسوی کے ثلث آخر کی دُنیا۔ عالم انسانیت جہل اور نادانیوں میں گرفتار، اور فضائے کائنات شرک اور وہم پرستیوں سے تیرہ و تار۔ رحمت حق کو حرکت ہوتی ہے، اور حرا کے خلوت نشین کے لوحِ قلب پر عالم قدس سے نشر شروع ہوتا ہے۔ وحی الٰہی وہ شئے ہے، کہ اس کی ہیبت، انسان ضعیف البنیان الگ رہا، پہاڑ تک کو جگہ سے ہلا دے، پتھر اور لوہے کو پگھلا دے، صاحبِ وحی علیہ الصلوٰۃ والسّلام ہمت کے پہلوان، تحمل کے مردِ میدان، لیکن بہرحال انسان۔ وحی اوّل کے تجربہ، اور فرشتہ سے پہلے پہل سابقہ کے بعد جب کاشانۂ مبارک کو تشریف لاتے ہیں، تو اس حال میں

نوٹ: یہ خطبہ مدیر "صدق" کی لڑکی کے عقد کے موقع پر شنبہ ۷ر اکتوبر ۱۹۳۹ء مطابق ۲۲ر شعبان ۱۳۵۸ھ کو ایک مختصر مجمع کے سامنے پڑھا گیا۔

قلب انور ہیبت وحی سے قدرتاً گرانبار اور جسم اقدس پر خشیت اللہ کے مادی آثار۔ تسکین و تشفی عین اس وقت جو دیتی ہے، اور پیشانی مبارک سے اندیشہ کا پسینہ جو پونچھتی ہے، آپ کو یاد ہے اکہ وہ کونسی ہستی تھی ـــ رفیقۂ زندگی، شریک شادی و غم، مونس راحت والم، حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ــ عورت کی قدر، اسلام کی تاریخ میں آپ نے دیکھی؟ بیوی کا مرتبہ رسولؐ کے مابین آپ نے پہچانا؟ ہے کوئی اس کے مقابل کی چیز عورت کے لفظی ہمدردوں کے دفتر عمل میں؟ نسائیت کے رجز خوانوں کے نعرہائے بے محل میں؟

نکاح یعنی معاہدۂ اخلاص و وفا کی ایک جھلک۔ رسول اکرمؐ دنیا سے تشریف لیے جارہے ہیں۔ عالم ناسوت میں یہ شمع جمال ہمیشہ کے لیے گل ہونے کو ہے۔ امت پر اس سے بڑھ کر قیامت خیز گھڑی، قیامت تک اور کون آسکتی ہے؟ صحابۂ کرام، ایک سے ایک بڑھ کر شیدائے رسول انامؐ، صدہا کی تعداد میں موجود لیکن تاریخ و سیرت کی زبان سے شہادت لیجیے، کہ عین مفارقت روح کے وقت، اور اس کے قبل بھی سر مبارک کس کے زانو پر ہے؟ عین لقائے حق کے وقت، کس خوش نصیب کے نصیب میں ہے کہ جسد اقدس کے سہارے اور تکیہ کا کام دے؟ ابوبکرؓ کے نہ عمرؓ کے، عثمانؓ کے نہ علیؓ کے، جاں باز رفیقوں کے نہ محبوب

عزیزوں کے، بلکہ شریکِ حیات سرآمد ازواجِ مطہرات، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا
کے —— یہ ہے دُنیا کے بڑے مصلح، معلم و ہادی کی زندگی میں
سبق بیوی کی منزلت و مرتبہ سے متعلق۔ ہاں وہی بیوی جس کے لیے
ہم نے بیگانوں کی لغت سے الفاظ سیکھ رکھے ہیں، باندی اور کنیز
اور لونڈی کے! یہ ہے ایک جھلک اُس معاہدۂ اخلاص و وفا
کے احترام کی، جو اللہ کے بندوں اور بندیوں کے درمیان اُس
وقت سے اب تک کروڑوں اور اربوں بار منعقد ہو چکا ہے، اور
ابھی چند منٹ میں، اس محفل میں ایک بار پھر منعقد ہونے والا ہے۔
عورت تسکینِ حیات ہے۔ جنتِ الٰہی ہے اور اُس کی بھی دلاویزیاں
ملائکہ قدس ہیں اور اُن کی بھی زمزمہ سنجیاں، باغِ بہشت کا چپہ
چپہ انوارِ الٰہی سے معمور، الطافِ کبریائی کا قدم قدم پر ظہور، تخلیق
ابو البشر کی ہوتی ہے، تشریف آوری رونقِ بزمِ کائنات، حضرت
خلیفۃ اللہ کی ہوتی ہے، آپ آتے ہیں۔ جنت میں کس لطف
و مسرت کی کمی، ہر سو نعمتوں کی بارش، ہر طرف انوار کی تابش، اس
پر بھی اپنے دل کا ایک گوشہ خالی پاتے ہیں۔ محسوس ایسا ہوتا
ہے، کہ جیسے اب بھی کوئی خلا ہے۔ اتمامِ نعمت کے لیے یہ نہیں ہوتا
کہ جنت کی لذاتِ مادی میں کچھ بڑھا دیا جائے، سرورِ روحانی
کے سامان میں کچھ اضافہ کر دیا جائے بلکہ تخلیق ہوتی ہے آدم
سے ملتی جلتی، لیکن پھر بھی اُس سے ذرا الگ ایک اور مخلوق

ہی۔ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا۔ آدم کا دل تسکین اب جا کر پاتا ہے، تکمیل اپنے وجود کی اب محسوس کرتا ہے، لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا۔ سوچئے اور پھر سوچئے، جنت میں کمی ہو کس چیز کی سکتی تھی؟ ہر ممکن لذت خدمت کو حاضر، ہر ممکن مسرّت چاکری کو کمربستہ۔ لیکن نوازشوں اور بخششوں کی تکمیل جبھی جا کر ہوئی، آدم کے حق میں جنت جبھی حقیقی معنیٰ میں جنت ثابت ہوئی، جب مرد کے لئے عورت، شوہر کے لئے بیوی، وجود میں آئی! —— آدمزاد آج اس دنیا میں اپنی آرزوؤں کی جنت کی تعمیر کس چیز سے کرنا چاہتا ہے؟ مال و دولت ہو، جاہ و حکومت ہو، زہد و عبادت ہو، جو کچھ بھی انسان کو دل و جان سے مرغوب و مقصود ہوتا ہے، جس مقصود کے بھی پھیر میں رات دن ایک کرتا رہتا ہے، غور کرکے دیکھئے، ان سب کے عقب میں، ان سب کی تہ میں آخری چیز کیا ہوتی ہے؟ یہی نہ کہ دل کو جمعیت اور طبیعت کو سکون و تسلی حاصل ہو؟ لیکن بعینہٖ یہی مقصود تو عورت کی بھی تخلیق سے ہے۔ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا —— گویا ایک طرف نسائیت (Feminism) کی پکار ہے، کہ عورت، ہر شعبۂ زندگی میں مرد کی حریف ہے، رقیب ہے۔ مرد اگر سیکڑوں فٹ کی بلندی سے، طیارہ سے چھلانگ مارتا ہے، تو عورت اس سے بڑھ کر چھلانگ مارنے کا حق لے کر رہے گی۔ مرد اگر کشتی لڑتا ہے، تو

عورت بھی کشتی میں نام پیدا کرے گی۔ اور دوسری طرف اسلام کا معیار ہے، کہ عورت، مرد کی حریف نہیں، اُس کے لئے سرمایہ راحت ہے، اور مایۂ تسکین۔ اُس کی متمم ہے، یعنی اُس کی پوری کرنے والی، اُس کی مکمل ہے، یعنی اُس کی زندگی کی تکمیل کرنیوالی!

یاایہا الذین اٰمنوا اتقوا اللّٰہ حق تقٰتہٖ ولا تموتن الا و انتم مسلمون۔ یاایہا الذین اٰمنوا اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منہا زوجہا وبث منہما رجالاً کثیراً ونساء، واتقوا اللّٰہ الذی تساءلون بہٖ والارحام، ان اللّٰہ کان علیکم رقیباً۔ یاایہا الذین اٰمنوا اتقوا اللّٰہ وقولوا قولاً سدیدًا یصلح لکم اعمالکم ویغفر لکم ذنوبکم ومن یطع اللّٰہ ورسولہٗ فقد فاز فوزاً عظیماً۔ ترجمہ:- (اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو، اللہ سے اتنا ڈرو جتنا اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور ہرگز نہ مرو مگر صرف اس حالت میں جبکہ تم مسلمان ہو۔ اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک ہی نفس سے پیدا کیا، اور پھر اُس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت پیدا کردے۔ اور ڈرو اللہ سے جس سے تم بار بار مانگتے ہو، (اور خیال رکھو رشتوں کے حقوق کا)۔ اللہ تم پر ہمہ دم نگران ہے۔ اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو۔ اور سیدھی بات کہو، اللہ تمہارے اعمال کی اصلاح کردے گا۔ اور تمہارے گناہوں کو بخش دیگا جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اس نے بڑی کامیابی حاصل کی)

نکاح سنت رسولؐ ہے۔ بچہ پل کر اور بڑھ کر جوان ہوا، اور جسے کل انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا جا رہا تھا، آج وہ اس قابل ہوگیا

کہ چلے، دوڑے ۔ اور خود ہی نہیں، دوسروں کو بھی اپنے ساتھ چلائے ۔ پڑھ لکھ کر ہوشیار ہوا، اور اس لائق، کہ نہ صرف اپنی ذمہ داری اپنے سر لے، بلکہ قول دے دوسروں کی کفالت کا، حفاظت کا، ذمہ داری کا، خبرگیری کا، سرپرستی کا ــــــ رخصت بچپن کی بےفکریاں، اور ختم معصومیت کی فارغ البالیاں!

اور جو کل تک گھٹنوں کی چھکتی بیٹا تھی، وہ مطالبہ کرنے لگی باپ سے اپنے حق کا ۔ مطالبہ اپنی زبان سے نہیں، جس پر قفل شرم و حیا کے چڑھے ہوئے اور پردے ادب و لحاظ کے پڑے ہوئے ہیں ۔ مطالبہ اُس کی زبان سے جو بڑوں اور چھوٹوں سب کی رہنمائی کے لئے آیا، جس نے ایک ایک کو اُس کا فرض یاد دلایا، ایک ایک کو اُس کا حق جتلایا ۔ ارشاد ہوتا ہے کہ

اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ ۔ (نکاح تو میرا طریقہ ہے، میرا لایا ہوا دین ہے، اور میرا پھیلایا ہوا آئین ۔ ایسا نہ ہو کہ اسے کوئی فضول ولایعنی رسم سمجھ بیٹھو یا خواہ مخواہ کی قید) دُنیا شروع سے بار بار غلط تجربہ کرتی آئی ہے، اور آخر تک کرتی رہے گی ۔ کوئی شرک و ارواح پرستی کے چنگل میں پھنسا ہوا، تجرد و رہبانیت کی طرف لے جائیگا، اور کوئی الحاد و مادّہ پرستی کی دلدل میں دھنسا ہوا Free love اور حیوانیت کے رُخ پر چلائے گا ۔ دُنیا کے ہاتھ میں صحیح قانون دینے میں آیا ہوں ! میں اعلان کرتا ہوں کہ یہ سارے راستے

ہیں جہل و نادانی کے، بدنظمی و فتنہ سامانی کے۔ اور صحیح راستہ وہی ہے جماعت کے لئے اور فرد کے لئے، عورت کے لئے اور مرد کے لئے، صحت کے لئے اور عافیت کے لئے، عصمت کے لئے اور عاقبت کے لئے، جو میرا بنایا ہوا، میرا سمجھایا ہوا، میرا اپنایا ہوا، میرا چلایا ہوا ہے!

فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ۔ اب اس پر بھی جو بدنصیب میرا طریق چھوڑ، ادھر ادھر بھٹکتا ہے، اور حکیم حاذق کے مطب سے منہ موڑ، چوراہے کے کسی عطائی، اشتہاری، دوا فروش کا دامن پکڑتا ہے، وہ جان لے اور سن رکھے کہ

فَلَیْسَ مِنِّیْ۔ وہ میرا ہرگز نہیں، میں اس کی شامت اعمال سے بری، اب وہ جانے اور اس کی کج روی!

نئی زندگی۔ باپ کی امانت کا زمانہ ختم ہوا۔ جس موم کی پتلی کو بچپن سے آج تک آنکھ کی پتلی بنا کر رکھا، پالا، پڑھایا، لکھایا، سکھایا، کھلایا، برسوں جس سے دل نے سرور حاصل کیا اور آنکھوں نے نور، جب وہ کسی قابل ہوئی، جب وہ خود اس لائق ہوئی کہ خدمت کر سکے اپنے ہنر اور سلیقہ کی شمع سے اندھیرے کو اجالا بنا دے، تو حکم ملتا ہے کہ وداع کر دو اسے! منتقل کر دو امانت کو دوسرے کے ہاتھ میں! آج سے اس کی نئی زمین ہو گئی اور نیا آسمان، نئی زندگی اور نیا سامان!

کہتے ہیں، آج سے پانچ ہزار سال قبل، ایک باپ، بہت بوڑھے باپ کو حکم ملا تھا، کہ ذبح کر ڈالو اپنے جگر پارہ کو اپنے ہاتھ سے! لڑکی کو نہیں، لڑکے کو، دودھ پیتے بچے کو نہیں اچھے پلے پلائے، دوڑنے، پھرنے والے، باپ کا ہاتھ بٹانے والے لڑکے کو! اللہ اللہ! جہاں یہ معاملہ اپنے دوستوں اور شیدائیوں کے ساتھ ہو، وہاں نام کے کلمہ گو کس شمار و قطار میں؟ وقار الفت کے اس میدان میں جسم تو حسینؓ ابن علیؓ اور ان کے رفقاء کے، خاک و خون میں تڑپتے ہیں، اور شہادتگاہِ امتحان میں سر عثمانؓ و علیؓ کے نذر ہوتے رہتے ہیں ؎

بزم ترا شمع و گل خستگیٔ بوتراب
ساز ترا زیر و بم حادثۂ کربلا

حکم وہی ملتِ ابراہیمی کے ہر پیرو کو ملتا ہے، کہ جس کسی کے بھی لڑکی ہو، آزمائش کی اسی راہ سے گذرے، اور کسی کے دس، بیٹیاں ہوں تو دس بار امتحان میں پورا اترے!

فخر آبائے نامدار، اور ہم سب کے آقا و سردار، تین صاحبزادیاں رکھتے تھے، تینوں کو اسی طرح بیاہا، رخصت کیا، اپنے ہاتھوں دوسروں کو سونپا۔ رقیہ بیاہ کر گئیں (رضی اللہ عنہا) ام کلثوم گھر سے وداع ہوئیں (رضی اللہ عنہا) اللہ کے پیارے کی پیاری، فاطمہ زہراؓ کا شانۂ نبوت چھوڑ دوسرے کے گھر جا بسیں۔

اللہ اکبر بندہ نواز کے ہاں بے حساب طریقے ہیں بندوں کے نوازنے کے، اور بیشمار راستے ہیں بندوں کے سرافراز کرنیکے! ابراہیم خاک کے پتلے، گوشت پوست کے بنے ہوئے بندے (علیہ الصلوٰۃ والسلام) انہیں اپنا دوست کہہ کر پکارا اور خلیل کے لقب سے بڑھایا، چڑھایا۔ اللہ اللہ! کیا کیا بندہ نوازیاں ہیں، اور کیسی کیسی سرافرازیاں؟ جسے بڑھانا چاہیں، یوں خاک سے پاک بنا دیتے ہیں، اور جسے اٹھانا چاہیں یوں فرش سے عرش پر پہونچا دیتے ہیں! اور پھر صلہ وانعام کو جب عام کرنے، اور بخشش کو وقفِ دوجہاں کر دینے پر آئے، تو جو امتحان اپنے خلیل کا ان کے ظرف وہمت کی مناسبت سے لیا، اس کا ایک ہلکا سا خواب، ملتِ ابراہیمی میں ہر بیٹی کے باپ کو دکھا، اس میں مناسبت مرتبۂ خلیلؑ سے پیدا کر دیتے ہیں! مقصود تو خود ہی لطف و نوازش کرتی ہے، اور شانِ کریمی کی جھلک دکھائی، اور اس کے لیے بہانے کیسے کیسے مہیا کر دیے ہیں، ایک ہی وقت میں لطیف بھی اور دلگداز بھی، ایک ہی ساتھ پُر درد بھی اور دلنواز بھی؟

مبارکباد کا وقت۔ مبارکباد کا وقت وہ نہیں ہوتا جب امتحان کے کمرہ میں لڑکوں کے ہاتھ میں پرچہ آتا ہے۔ مبارکبا

اُس وقت دی جاتی ہے، جب کامیابی کا گزٹ چھپ سکتا ہے، مسافر کا سفر کامیاب اُس وقت نہیں کہا جا سکتا، جب وہ ٹکٹ لے کر درجہ میں داخل ہوتا ہے۔ کامیاب اُس وقت کہا جائیگا جب وہ سارے درمیانی اسٹیشنوں سے گذرتا ہوا، سڑکوں اور پُلوں کو عبور کرتا ہوا، سارے مرحلوں کو طے کرتا ہوا، منزلِ مقصود تک بہ خیریت و بہ عافیت پہونچ جائے۔ محفل کا نوشہ اور پردہ کی لڑکی، دونوں سُن لیں، کہ آج کی گھڑی، عملی زندگی کے بڑے اور کڑے امتحان میں داخلہ کی ہے، ایک عظیم الشان و پُرپیچ سفرِ حیات کے آغاز کی ہے۔ وقت نہیں ہے غفلت کے شادیانوں کا، موسم نہیں ہے مدہوشی کے ترانوں کا۔ یہ گھڑی ہے احساس ذمہ داری کی پوری بیداری کی۔ اور یہی راز ہے اس کا کہ نکاح کا زمانہ بلوغ کے بعد ٹھہرایا گیا ہے، اور رضامندی معتبر بالغ ہی کی مانی گئی ہے، کہ خود بلوغ کے معنی ہی یہ ہیں، کہ روح بھی اور جسم بھی اور قلب بھی، ایک عظیم الشان ذمہ داری کا بار اُٹھانے کو تیار ہو گئے!

اچھی عورت۔ اچھی بیوی اور اچھی عورت وہ نہیں، جو بے جھجک مردوں سے ملے، اور بے جھجک ہال میں رقص کرے۔ بے شک شرک کے مذہبوں اور جاہلیت کی تہذیبوں نے معیار اسی کو ٹھہرایا ہے، اور آج سحرِ فرنگ سے

مرعوب "متجدد" بھی اسی پر ریجھا ہوا ہے۔ لیکن دُنیا کے سب سے بڑے معلّم کے لائے ہوئے دینِ فطرت اور پھیلائے ہوئے آئینِ حکمت میں گنجائش ان آزادیوں، بے باکیوں، آوارگیوں کی کہاں؟ یہاں تو نکاح بجائے خود ایک "قید" ہے اور اپنے ساتھ بہت سی قیدوں کا بڑھانے والا، بہت سی پابندیاں کا لانے والا۔ بس سُن لے مسلمان لڑکی، کہ زمانہ بے فکریوں کا ختم ہوا، اور دور شروع ہوا، نئی فکروں اور پابندیوں کا، نئی قیدوں اور ذمہ داریوں کا! اب تک سہیلیوں کے ساتھ کھیل کھیلی، بہنوں کے ساتھ ہنسی، بولی، ہجولیوں کے ساتھ جھولا جھولی اب کل سے زندگی وقف ہوگی دوسروں کی خدمت کے لیے نہ کھانا اپنے لیے ہوگا نہ پہننا اپنے لیے، نہ اپنے وقت سونا نہ اپنے وقت جاگنا۔ خود بعد کو کھائے گی، پہلے دوسروں کو کھلائے گی۔ بے شک پہنے گی اور اوڑھے گی، مگر اس لیے کہ شوہر کو بھلی لگے، اپنے کو سنوارے گی، نکھارے گی، مگر اس لیے کہ شوہر کی نظر میں جچے۔ راتوں پر راتیں جاگے گی ٹہل ہٹل کر کاٹے گی، اس لیے کہ نئی نسل کو بڑھائے، پھیلائے، صحت و زندگی کی شاہراہ پر چلائے، دوسروں کی سیرت کی تشکیل کرے، اُن کی نشو و نما کی تکمیل کرے! منزل بیشک کڑی ہے، اور ذمہ داریاں سخت، لیکن

جو اس کو نباہ لے گئی، اور شوہر کا دل ہاتھ میں لیے دُنیا سے اُٹھی —، بشارت ہے اُس کے لیے دُنیا کے سب سے بڑے راستباز کے کلام میں، کہ اُس کے اور جنت کے درمیان کوئی روک نہیں! —— یہ آخری منزل نظر کے سامنے ہو، اور یہ دستورالعمل ہاتھ میں، تو صحرائے ہستی کا ہر کانٹا انشاء اللہ پھول بن کر کھلے گا، اور راہ کا ہر پتھر پانی ہو کر بہے گا!

جی میں تھا، کہ آج امانت کا چارج نئے امین کو دیتے وقت، ذمہ داریوں کا نقش اُس کے دل کی گہرائیوں میں بٹھا، اور فرائض کی فہرست ایک ایک کر کے اُسے سُنائے، پر آہ کہ اس کی ہمت کہاں سے لائے!

سنگ اُٹھایا تھا کہ سر یاد آیا!

آخر ایک دن وہ بھی تو تھا، کہ جو آج کی محفل میں باپ کی حیثیت سے ہے، خود بزم میں نوشہ کی حیثیت سے تھا۔ اور کسی اور کی امانت کو۔ اس کی اہمیت محسوس کئے بغیر، ذمہ داری کا بوجھ محسوس کئے بغیر، اس ہلکے پھلکے دل کے ساتھ قبول کر رہا تھا، کہ گویا ایجاب وقبول ایک کھیل تماشہ ہے! اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوماً جَھُولاً، ظلوم اور جہول بیشک اپنے اصلی معنی میں!

حفاظت الٰہی کی دعا۔ کنعان کے پروانہ کا قصہ ہے، کہ اپنے نورِ نظر یوسف ؑ کو بچانے کی کیسی کیسی کوششیں کر ڈالیں لیکن

اور تو اور، خود اپنے بیٹوں سے پیش نہ گئی! پھر ایک چرکا لگ ہی چکا تھا، اور بیٹے کے غم میں بصارت تک کھو بیٹھے تھے، دوسرے لختِ جگر ابن یامین کی حفاظت کے لیے احتیاط کی نگاہ نے یہاں تک سمجھا دیا، کہ مصر کے شہر میں سب بیٹے داخل ہوں، تو ایک ساتھ ایک دروازہ سے نہ داخل ہوں!

پھر یہ ہماری عقل آزمائیاں اور مصلحت بینیاں کچھ بھی چلیں؟ کہاں بندہ بے بس کی تجویز و تدبیر، اور کہاں حکیم مطلق کی مشیت تکوین و تقدیر! لیکن دیکھیے گا، عارفوں کے سردار کی زبان سے اس لمحہ بھی سچائی کس قیامت کی ادا ہوتی ہے۔ وما اغنی عنکم من اللہ من شیٔ ان الحکم الا للہ علیہ توکلت وعلیہ فلیتوکل المتوکلون۔ روتے جاتے ہیں، لرزتے جاتے ہیں، اور زبان سے کہتے جاتے ہیں، کہ میری تجویزوں اور تدبیروں سے ہوتا کیا ہے، مجھ ناچیز کی کوئی احتیاط مشیت تکوینی کا مقابلہ کر سکتی ہے؟ ہوگا تو وہی، جو میرا نہیں، میرے پروردگار کا چاہا ہوگا، وہی حاکم ہیں، وہی مالک ہیں، وہی متصرف ہیں، تکیہ اور بھروسہ صرف انھیں کی ذات پر ہے!

گنہگار باپ کی معصوم لڑکی! سپرد کیا تجھے اُس حافظ برحق و ناصر مطلق کے، جس نے حفاظت کی یوسفؑ کی کنوئیں کے اندھیروں میں، اور بنی یامین کی پردیس کے خطروں میں

جب ایک بزرگ پیغمبر تک بے بس ثابت ہو چکے تھے! وہی تیرا محافظ رہے، زندگی کی ہر مشکل میں، سفرِ حیات کی ہر منزل میں آج بھی صبح زندگی کی کرن پھوٹتے وقت، اور کل بھی شامِ زندگی کی شفق پھولنے کے وقت! اُس وقت بھی جب کہ تیرے سر پر ہاتھ رکھنے والے بڑے، اور اُن بڑوں کے بڑے زندہ وسلامت ہیں، اور اُس وقت بھی جب کہ خود تیرا شمار ہو گھر کی بوڑھیوں میں گھرانے کی نانیوں اور دادیوں میں، اور لڑکپن کی تازگی کی جگہ لے چکیں، لٹوں کی سفیدیاں اور چہرے کی جھریاں اور آج کے دعاگو خطبہ نویس کی ہڈیاں تک خاک میں مل کر خاک ہو چکی ہوں؟

جنسی تفریق اور امتیاز۔ مرد و عورت کی تفریق انسان ہی میں نہیں، نر و مادہ کا اختلاف تو حیوانات میں بھی ہے، بلکہ نباتات تک میں دریافت ہو چکا ہے۔ اب اگر دونوں صنفیں ہر جہت سے یکساں ہیں تو اس تقسیم و تفریق کی ضرورت ہی سرے سے کیا تھی؟ اور اگر بالکل ہی مختلف ہیں، تو ایک ہی مخلوق کی دو قسمیں کیوں قرار پاتیں؟ غیر فطری مذہبوں اور جاہلی تہذیبوں کو ٹھوکر یہیں آکر لگی ہے، عقل کم اندیش آخر کہاں تک پہنچتی، اور نفس کے کن کن دھوکوں سے بچتی؟ دینِ فطرت نے رہنمائی، آکر کی، کہ بہ حیثیت انسان دونوں بالکل

ایک، حقوق بشری کے لحاظ سے دونوں میں سرمو فرق نہیں۔ بھوک، پیاس، گرمی، سردی، سختی، نرمی، رنج، خوشی کا احساس اِس کو بھی اُس کو بھی، چوٹ لگے گی تو جسم اس کا بھی دُکھے گا، اُس کا بھی، دل کو دھکا پہونچے گا، تو غیرت و خودداری اُس کی بھی تڑپ اُٹھے گی، اُس کی بھی ان تمام حیثیتوں سے یکساں ہیں آدم کے بیٹے اور حوا کی بیٹیاں، اور بھائی اور بہن سب یکساں، اور اسی طرف اشارہ ہے ادائے حقوق کے باب میں، وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ کا۔ کلام کی بلاغت و معنویت پر غور ہو۔ ارشاد یہ نہیں ہوتا کہ دونوں کی صلاحیتیں ایک ہیں، دونوں کی قوتیں ایک ہیں دونوں کی ساخت جسمانی و ترکیب نفسی ایک ہے، بلکہ صرف یہ کہ دونوں کے حقوق ایک دوسرے پر یکساں ہیں!

لیکن جہاں سے صنفیت کے حدود شروع ہوئے، اور دونوں صنفوں کا مستقل وجود خود دلیل ہے اس امر کی، کہ دونوں کی قوتیں الگ، صلاحیتیں مختلف، اور دائرۂ عمل علیحدہ نظام صنفی، نظام حیاتی کا ایک جزو غیر منفک ہے، اور جب ایک کا دوسرے سے مستقل طور پر الگ ہے، تو اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ اختلاف اثر انداز ہو رہا ہے، نظام شعوری، نظام فکری، نظام حسّی، نظام عضوی،

نظامِ معاشرہ سب پر، اور کارخانۂ عالم میں دونوں کے
حدود جداگانہ ہیں ـــــ یقیناً ایک دوسرے کے متمم و مکمل،
معین و معاون۔ لیکن بہرحال ایک دوسرے سے مختلف
و متباین ـــــ ٹیم میں جیت کی کوشش میں شریک سب
ہوتے ہیں، لیکن فیلڈ میں پوزیشن ہر کھلاڑی کی جداگانہ مقام
پر کھیلنے والے کا متعین اور دوسروں سے الگ۔ اب اگر فٹبال
میں گول کیپر کہے، کہ میں کیوں سب سے پیچھے اپنی جگہ پر جما کھڑا
ہوں۔ درآنحالیکہ میرے ساتھی دوڑتے جھپٹتے جاتے ہیں، اور
فارورڈ والے یہ کہنے لگیں، کہ دوڑ کی ساری محنت ہمیں گوارا کریں
درآنحالیکہ بیک والے پیچھے آرام سے کھڑے ہیں تو فرمائیے اس
ٹیم کا کیا حشر ہو کر رہے گا؟ ـــــ

اللہ بہتر جانتا ہے، کہ آج عورت کے جو نادان دوست اُس
کے حجاب کو اس کی پستی اور "غلامی" پر بطور دلیل لا رہے
ہیں۔ اور اُس کی خانہ داری کی زندگی کا مرقع اس بھیانک
شکل میں پیش کر رہے ہیں، کہ گویا اس کے حق میں وہ ایک عذاب
ہے، ٹھیک اسی قسم کے انتشارِ ذہنی میں مبتلا، دوسروں میں بھی
یہی "انارکی" پھیلا رہے ہیں، اور ٹیم کا دشمن خود ٹیم والوں کو
بنا رہے ہیں!

ٹیم کے اندر اعلیٰ و ادنیٰ کیسا، اور معزز و حقیر کے کیا معنی؟

لیکن انتظامی ضروریات کے لیے مرکزیت پیدا کرنے کے لیے (Dead Lock) تعطل دور کرنے کے لیے، ٹیم کا ایک کپتان ضرور ہوگا، پھر کیا ٹیم کے دوسرے کھلاڑی کپتان کے "غلام" ہوتے ہیں؟ ہماری شریعت نے تو اس مرکزیت کی یہاں تک تاکید رکھی ہے، کہ اگر دو مسلمان سفر میں ہوں، تو ایک کو امیر سفر بنا لیا جائے، ہر شخص کی خانگی زندگی اپنی جگہ ایک ننھی منھی سلطنت ہوتی ہے۔ بجٹ کیونکر تیار ہو، آمد و خرچ میں توازن کیسے قائم رہے، خوراک کا کیا بندوبست ہو، مسکن و لباس کے مسئلہ کس طرح حل ہوں، بیماروں کے علاج کی کیا صورت ہو، لڑکوں کی تعلیم و تربیت کس راہ پر لگے، وغیرہا۔ یہ سارے اُمور جس طرح بڑے بڑے مدبرین سلطنت کے سوچنے، سمجھنے اور طے کرنے کے ہوتے ہیں، اُسی طرح وہ بہت ہی چھوٹے پیمانہ پر سہی، ہر میاں بیوی کے لیے قابل غور رہتے ہیں۔ ان کے ایک جزو کا مالک و مختار مرد ہوتا ہے، اور اور دوسرے کی کنجی بیوی کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ کما کر مرد لائیگا، کمائی کو سلیقہ کے ساتھ ٹھکانے عورت لگائے گی۔ زمین میں غلّہ مرد بوئے گا، گوڑے گا، جوتے گا، ہل چلائے گا۔ عورت اس غلّہ کو پھٹکے گی، پیسے گی، گوندھے گی، روٹی پکائے گی۔ مریض بچوں کو لے کر ڈاکٹر کے پاس باپ جائے گا، دوا ماں پلائے گی، ہاتھ پیر وہ سہلائے گی۔ غرض جہاں تک اندر کی زندگی کا تعلق ہے،

عورت اپنی اس چھوٹی سی سلطنت کی رانی یا ملکہ ہوتی ہے۔
اسلام نے اس کو یہی مرتبہ بخشا ہے، اور اسی کو کسی کی زبان حکمت ترجمان سے یوں ادا کرایا ہے، کہ

الدنیا کلها متاع وخیر متاع الدنیا المرأة الصالحة

(مشکوٰۃ، کتاب النکاح، فصل اوّل)

اس دار ناپائیدار میں بہترین جنس اچھی اور پاک بیوی ہے
اور پھر مرد، ٹیم کا کپتان ہی (وللرجال علیهن درجة)
اور گھر کی سلطنت کا افسر ہی (الرجال قوامون علی النساء)
لیکن آدفراد کی قوت جسمانی اور دوراندیشی کے مقابلہ میں جو آزادی کے پاس کم ازکم ایک روشن پہلو، مسلسل صبر و تحمل، اور ایثار و جاں سپاری کا ہے، جس نے ان کا درجہ باپ سے کچھ اونچا ہی کر رکھا ہے، ہم میں کون ایسا ہے، جسے سخت سے سخت مشقتوں کے باوجود، مسلسل نو نو مہینے تک اپنے بطن کے اندر رکھے ہوئے اس کی ماں نہیں چلتی پھرتی رہی ہے؟ ڈیڑھ ڈیڑھ اور دو دو برس تک رضاعت نہیں کی ہے؟ ہر وقت کی دیکھ بھال، حفاظت و کفالت، اپنے ذمہ نہیں رکھی ہے، (حملته امه وهنا علی وهن وفصاله فی عامین) اور پھر ان سب سے بھی دشوار تر اور اہم ترین کام، نومولود کی سیرت سازی اور اس کی تربیت کی تشکیل اور تکمیل کس کے حصہ میں رہی ہے؟

غم ہم کو دیا سب نے جو مشکل نظر آیا

جنت ماں کے قدموں کے نیچے کیوں۔ دنیا کی عمر جب سے قائم ہے، اس مشکل ترین اور نازک ترین ذمہ داری کو آج تک عورت ہی نے جھیلا، نباہا، سنبھالا ہے۔ اور یہی راز ہے اس کا کہ جنت باپ کے نہیں، ماں کے قدموں کے نیچے ارشاد ہوئی ہے!

دو مسافر ہیں، جو ایک لمبا سفر ایک اجنبی ملک کا شروع کرنے والے ہیں، ایک ان میں سے ٹائم ٹیبل گائڈ بک خریدتا ہے پرانے مسافروں سے مل کر مسافت کا، جغرافیہ کا، موسم کا، آب و ہوا کا، طرزِ معاشرت کا، ایک ایک چیز کا حال پوچھ لیتا ہے، کرایہ کیا پڑے گا، راستہ کونسا اختیار کرنا ہوگا، زبان کی اجنبیت کیسے حل ہوگی، وغیرہ وغیرہ ہر چیز جان لیتا ہے۔ دوسرے صاحب ہیں، جو آغاز سفر کے وقت، صاحبِ تجربہ سے مشورہ کرنا اپنے عزمِ آزادیِ سفر کی توہین سمجھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ میں جب چاہوں گا جس سمت چاہوں گا، جس سامان کے ساتھ، جس حال میں ہوں گا چل کھڑا ہوں گا ـــــ عورت کے نادان دوست، جو آج نوجوان، کمسن، ناتجربہ کار لڑکوں لڑکیوں کے درمیان یہ پروپگنڈا کرنے اٹھے ہیں، کہ جو جس سے چاہے، بلا والدین کی وساطت و مشاورت کے شادی رچالے، ٹھیک اسی قسم کی "آزادی" کے مبلغ ہیں۔ ان "خود پسندیدہ" شادیوں کے جو نتیجے فرنگیوں کے

ملک میں نکل رہے ہیں، اور طلاق و تفریق کے جو جو قضیئے وہاں کی عدالتوں اور اخبارات کے صفحات کی رونق بنے رہتے ہیں، ان کے مختصر اعادہ کے لیے بھی اس محفل میں گنجائش کہاں سے نکالی جائے؟

ولی کی اہمیت۔ یہ حقیقت صرف شریعت اسلام نے پیش نظر رکھی ہے، کہ نکاح نام ہے حتی الامکان عمر بھر کے لیے ایک معاہدہ کا، ہر وقت کے، ہر قسم کے سابقہ کا۔ بچہ جس طرح ہمیشہ بچہ نہیں رہتا۔ نوجوان اسی طرح نوجوان ہی بنا نہیں رہتا شادی کی رات بہرحال چند گھنٹے کی عمر لے کر آتی ہے، اور شادی کا دن بہرحال دن ہی بھر کا ہوتا ہے۔ ہر سن اور ہر دن نئے نئے مسائل سامنے لائے گا، اور خود نوجوانی میں بھی ایک ہی قسم کے نہیں، بیسیوں مختلف و متضاد جذبات سے دوچار ہونا پڑے گا، لازمی ہے، کہ اپنی پسند و انتخاب کے ساتھ اپنے مخلص ترین و تجربہ کار بزرگوں کے مشوروں کو شریک رکھا جائے۔ اور یہی راز ہے ہماری شریعت میں نکاح کے لیے ولی کی اہمیت کا! آج جنھیں جوانی سے اترا ہوا، بوڑھاپے کی طرف جھکا ہوا دیکھا جا رہا ہے، آج نہ سہی کل وہ بھی نوجوان ہی تھے، اور نوعمری کے جذبات سے پوری طرح لذت آشنا و سرشار۔

گزر چکی ہے یہ فصلِ بہار ہم پر بھی!
واقف اس کوچہ کے قدم قدم سے، آگاہ اس وادی کے ایک ایک پیچ و خم سے ؎

معلوم ہیں مجھ کو ترے احوال کہ میں بھی
مدّت ہوئی گزرا تھا اسی راہگذر سے

خطبۂ رسولؐ کے مطالب۔ دنیا کے سب سے بڑے حکیم اور سب سے بڑے خطیب کا خطبۂ نکاح، آپ نے عربی کی دو مختلف عبارتوں میں سُن لیا۔ اُس میں آپ نے کیا پایا؟ سب سے پہلے حمد اُس کی جو اکیلا حمد والا ہے، ہر نعمت کا مبدا، ہر مسرت کا منتہیٰ پھر التجا اُس سے دُنیا میں اعانت کی، آخرت میں مغفرت کی۔ اور اس کی استدعا کہ بچائے رکھے ہم کو خود ہمارے نفس کے حملوں سے، گویا ایک صاف اشارہ ہے، کہ اب جو نئی زندگی شروع ہو رہی ہے، وہ شروع ہونیت کی صفائی اور قلب کی پاکیزگی سے۔ اس کے بعد اس حقیقت کا اعتراف کہ تکوینی طور پر اسباب ہدایت و گمرہی سب اُسی کے دستِ قدرت میں ہیں، اور اُس کی یاد دہانی کہ ایمان کی کشتی ہر وقت امید و بیم کے دوا بہ میں ہے۔ معاً بعد کلمۂ شہادت۔ شہادت اس کی کہ احکام تو صرف وہ ہیں، جو اللہ کے نازل کئے ہوئے ہوں نہ کہ ذہن انسانی کے تراشے ہوئے نظریے۔ اور پھر شہادت

اُن کی کہ احکام معتبر وہی ہیں جو رسولؐ کی وساطت سے پہونچے ہیں۔
یہ دونوں شہادتیں گویا دُنیا کے سامنے دلیرانہ اعلان ہیں اس کا کہ حکمتیں اور صداقتیں جو کچھ بھی ہیں، سب سمٹ سمٹا کر قانونِ اسلام کے اندر آگئی ہیں!

تجدیدِ ایمان کے اس درس کے بعد اللہ کا بندہ اور سفیر اپنا کلام چھوڑ اپنے خالق کا کلام سنانے لگتا ہے، اور متفرق مقامات سے چار آیتوں کی تلاوت کرتا ہے۔ اور ان چار مختصر آیتوں میں سے اِتَّقُوا اللّٰہَ کی تکرار پانچ بار ملتی ہے! گویا نئی زندگی میں داخلہ کے وقت، سب سے مقدم اور سب سے اہم، تقویٰ الٰہی، خوفِ خدا کی تاکید ہے۔ رسول اللہ صلعم دُنیا کے لیے معلم ہو کر آئے تھے، مصلح ہو کر آئے تھے، نعوذ باللہ کوئی فلسفی، کوئی رومان نویس نہ تھے تعلیم حقائق کی، اور صرف حقائق کی دے گئے، جانتے تھے کہ جس رشتہ میں دو ذی روح ہستیوں کا ساتھ اور سابقہ، سال کے ۳۶۵ تین سو پینسٹھ دنوں، اور دن کے چوبیس گھنٹوں کا ہے، لازمی ہے کہ ناگواریاں بھی پیش آئیں، اور کبھی کبھی ناچاقیاں بھی، کبھی بے اتفاقی کی سردمہریاں اپنا رنگ دکھائیں گی، اور کبھی غصہ و اشتعال کی گرماگرمیاں، کبھی دُکھ کبھی سُکھ، کبھی مایوسیاں، کبھی معذوریاں کبھی بیماریوں کی دُکھن، کبھی ناکامیوں کی چبھن۔ علاج ان سارے بڑے اور چھوٹے امراض کا، ناخوشگواریوں کے

سلسلہ دراز کا، ازدواجی زندگی کے ہر نشیب و فراز کا ایک اور صرف ایک ہے، اور اُس کا نام ہے خوفِ خدا یا تقویٰ الٰہی! یہی ایک ایسی چیز ہے، جو ہر معصیت سے بچائے گی، ہر لغزش کے وقت آڑے آئے گی۔ یہی معنی و مفہوم ہیں ایجاب و قبول کے، اور یہی راز ہے خطبۂ نبویؐ میں آیاتِ تقویٰ کی تکرار کا۔

خاتمہ خطبۂ نبویؐ کا اس قانونِ ربانی کی منادی پر ہوتا ہے کہ وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا۔ صلاح و فلاح کی راہ دکھانے والی روشنی تو صرف اللہ و رسولؐ کے قانونِ شریعت میں ہے، اور کامیابی تو اُنہی کا حصّہ ہے جو اطاعت اختیار کرے اس کامل ہدایت نامہ کی، اس مکمل دستور العمل کی، غلامی چھوڑ کر اپنی ہی جیسی محدود عقل و بینش رکھنے والوں کے نظریوں اور فلسفیوں کی —— اور کامیابی بھی کیسی؟ مادّی بھی، اور روحانی بھی، دینی بھی اور دنیاوی بھی، اشخاص اور افراد کے لیے بھی، اور اقوام و جماعات کے لیے بھی۔ —— اور اسی ایک شاہراہ کے سوا، ہر روش باطل اور ہر راہرو کے حق میں سمِّ قاتل، خواہ وہ راہ دکھانے والا ہزروکٹ ہو ایران کا، یا برٹرینڈ رسل ہو انگلستان کا، یا جج لنڈسے ہو امریکہ ذی شان کا!

اسلام اور نکاح ۔ نکاح، اسلام کی نظر میں ایک معاہدہ ہے، ایک طرف سے اطاعت کا، خدمت کا، دوسری طرف سے حفاظت کا، کفالت کا، اور دونوں طرف سے محبت کا، امانت کا، رفاقت کا۔ وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً

ایک نسبتہً ضعیف و نازک مخلوق زبان ہار رہی ہے کہ اپنے کو سپرد کر رہی ہوں دوسرے کے۔ دوسری نسبتہً قوی اور صاحب اقتدار ہستی قول دے رہی ہے کہ میں قبول کر رہا ہوں دوسرے کی ذمہ داری کو۔ اور دونوں اس قول قرار پر گواہ ٹھہرا رہے ہیں، قطع نظر ان دو عاقل بالغ گواہوں کے، جن کا تعلق صرف دنیا کے ضابطہ سے ہے، خود عالم الغیب والشہادۃ اور اس کی ساری غیبی و شہودی قوتوں کو۔ نہ ہو کہ عمر کے کسی مرحلہ میں حیات منزلی کے کسی شعبے میں، غفلت کے کسی لمحہ میں نگاہِ استقامت بھٹکے، قدمِ ثبات پھسلے۔ مرد چونکہ ٹیم کا کپتان ہے، قوّام ہے با اختیار زیادہ ہے، اس لیے قدرتاً خطاب، خطبہ بھر میں براہ راست مرد ہی سے ہے۔ اور حجۃ الوداع کے مشہور و معروف خطبہ میں، زبان نبوت نے مردوں سے خطاب کی صراحت کر دی ہے،

اتقوا اللہ فی النساء ۔ ڈرتے رہو اللہ سے عورتوں کے حقوق کے باب میں، پرہیزگی تاکید اسی کو کی جاتی ہے، جس سے

بدپرہیزی کا خطرہ ہی زیادہ ہوتا ہے' اور اختیارات محدود اسی کے کیے جاتے ہیں' جسے حکمرانی کا اختیار ہوتا۔

عورتوں کے حقوق۔ حدیث کی ہر "کتاب النکاح" کے ماتحت ایک باب "عشرۃ النساء" کا یا مثل اس کے ملے گا' اور وہ بھرا پڑا ہوگا بیوی کے ساتھ حُسنِ معاشرت' رفق و ملاطفت کی تفصیل و تاکید سے۔ یہ سب تفسیر ہے حکم قرآنی وَعَاشِرُوھُنَّ بِالْمَعْرُوفِ کی۔ قول رسولؐ پاک کے کان لگا کر سنئے۔ تو صاف یہ آوازیں سُننے میں آئیں گی کہ کھلاؤ پہناؤ بیوی کو اپنی ہی طرح رکھو معاشرت میں' معیشت میں اپنی سطح پر' بات نکتہ چینی و دلشکنی کی زبان پر نہ لاؤ۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حق پہچانو بیوی کا سارا برتاؤ میں' یعنی جو معاملات بھی برتنے میں آئیں' اُن کا طریقہ بہتر سے بہتر ہے' اور شستہ سے شستہ۔ نہ ہو کہ دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ کسی بھک منگی کی جھولی میں خیرات کی روٹی کا ٹکڑا ڈالا جا رہا ہے' انکی اصلاح کی کوشش یقیناً کرو' لیکن اس میں بھی لحاظ انکی نزاکت کا رکھو۔ کمان کو اتنا نہ جھکاؤ کہ ٹوٹ کر رہ جائے۔ اور تو اور' مومن کے ایمان تک کا معیار یہ ارشاد ہوا ہے' کہ ایمان کامل ترین اُس کا ہے جو نرم ترین ہے اپنے اہل کے حق میں' اپنی عورتوں کے باب میں' اور عمل رسول پاکؐ کا دیکھنا چاہئے' تو اس شفاف مرقع میں یہ صاف دیکھ لیجئے کہ

آپ اپنے اہل سے ہنس بول رہے ہیں پوری بے تکلفی اور خوش خلقی کے ساتھ ۔ کوئی بیوی صاحبہ کبھی کوئی کڑی بولی بول اٹھتی ہیں تو آپ صبر و تحمل سے کام لیتے ہیں ۔ جو بیوی صاحبہ کمسن ہیں، ان کی رعایت سے آپ ان کے کھیل تماشہ، تفریح میں شرکت فرما رہے ہیں ۔ یہاں تک کہ شب کو جب آپ مرحومین کے لیے دعائے مغفرت کے لیے بستر مبارک سے اٹھ، قبرستان کو جانا چاہتے ہیں، تو اٹھتے آہستہ سے ہیں، اور یہ سارا اہتمام آہستگی کا، اس لیے کہ پاس ہی سونے والی بیوی صاحبہ کے آرام میں بلا ضرورت خلل نہ پڑے !

بچپن میں تو جب کسی کی شادی کا نام سننے میں آتا، تو ذہن اپنے سامنے کھیل تماشہ کی تصویر لا کھڑی کرتا ۔ بچپن کا یہ خواب نوجوانی تک قائم رہا ۔ گو شکل بدل گئی، نکاح کی حقیقت اب بھی مخفی رہی، اور جھوٹے شاعر اور لپاڑے روماں نویس اصل حقائق کو مخفی سے مخفی تر بناتے گئے ۔ جب خیال اپنی شادی کا آیا، تو اس کے معنیٰ محدود رہے چند تفریحوں اور چند دلچسپیوں تک ۔ گویا ازدواجی زندگی سمٹ آئی تھی، اپنی عظیم الشان وسعتوں اور بے نہایت پہنائیوں کے ساتھ، دھوم دھام کی چند گھڑیوں میں، راگ رنگ کے چند گھنٹوں میں، غفلت کے چند قہقہوں میں، عشرت کے چند زمزموں میں ! —— گویا سفر کا

آغاز مترادف تھا نفس سفر اور اختتام سفر کے! اور بچہ کی پیدائش مترادف تھی بچپن کے؛ لڑکپن کے، نوجوانی کے، جوانی کے، بڑھاپے کے، ہزار ہا تغیرات کے، اور بیشمار انقلابات کے! ــ آہ! بچپن کی نادانیاں، اور نو عمری کی خام خیالیاں! بات اتنی صاف، صریح، واضح، لیکن اُس وقت سمجھ میں نہ آتی تھی نہ آئی کہ ایک "آج" پر خدا معلوم کتنے "کل" آنے والے ہیں نرم بھی اور گرم بھی، اور اس ایک شام کی خدا جانے کتنی صبحیں طلوع ہونے والی ہیں دلکش و رنگین بھی، اور اُداس و غمگین بھی ــ آنکھوں سے پردے رفتہ رفتہ ہی ہٹے، اور سوالات پیچیدہ سے پیچیدہ اور سنجیدہ سے سنجیدہ، ہر قسم کے چھڑے، یہاں تک کہ نوجوانی کی برق پاشیاں رخصت ہوئیں، پختہ عمر کی ٹھنڈی چاندنی چھٹکی، اور ترجمان حقیقت اقبالؔ کا شعر، قال نہیں، حال بن کر رہا ؎

میں نوائے سوختہ در گلو ــ تو پریدہ رنگ رمیدہ بُو

میں حکایتِ غمِ عاشقی ــ تو حدیثِ ماتمِ دلبری!

قربان جایئے اُس معلم و ہادی کے، جس نے ایک مختصر خطبہ میں ان منازل راہ کی طرف اشارہ کر دیا اور ہر مشکل کا حل، نسخۂ تقوی الٰہی میں دیدیا۔ مرد وہ ہے جو یاد رکھے ان سب موقعوں پر اپنی ذمہ داریوں کو، ذمہ داری کی

گرانباریوں کو! ——— جذبات کی تیز و تند آندھی یقیناً گزر جانے والی ہے، اور اُسے گزر ہی جانا چاہئے، بغیر اس کے کہ گھروں میں آگ لگائے، بغیر اس کے کہ ہرے بھرے گلشن کو جھلسا دے، لیکن طویل رفاقت سے جو مناسبت فریقین میں پیدا ہو جاتی ہے، اور یہ مناسبت تام آہستہ آہستہ تبدیل ہو جاتی ہے موانست عام میں۔ اور اس اُنس و موانست، اور محبت لطیف کی نسیم جانفزا کی ہلکی ہلکی جنبش، زندگی کی آخری سانس تک کو لذیذ بنائے رکھتی ہے

طریق عشق و محبت، رہِ ہوا و ہوس

وہ راہبر کی ہدایت، یہ رہگذر کا فریب

باپ کی وصیت۔ باپ کا سن جب اتنا آجاتا ہے، کہ اولاد جوان ہو کر شادی کے قابل ہو جائے، تو یقین کر لینا چاہئے کہ جو وقت دُور کبھی بھی نہ تھا، اب اور قریب آلگا ہے۔ ابراہیمؑ اور یعقوبؑ، اللہ کے برگزیدہ پیغمبروں، اور ہم فدوائیوں کے نبی بزرگوں کی سنت چلی آرہی ہے، کہ جب اُس نہ ٹلنے والے وقت کا قرب محسوس ہو جائے، تو وصیت کا کلمہ اپنی اولاد کو پہونچا دیا جائے۔ حاضرین بھی اس وصیت کو سُن لیں اور گواہ رہیں کہ جس بزم کا آغاز الحمد للہ سے ہوا تھا، اُس کا اختتام انا للہ پر ہو رہا ہے۔ یہ وصیت کچھ لانبی چوڑی نہیں، دونوں کے پروردگار نے اپنے اسمٰعیلؑ نبی کے واسطہ سے گنتی کے چند لفظوں میں ہم تک پہونچا دی ہے۔

ان اللہ اصطفیٰ لکم الدین فلا تموتن الا وانتم مسلمون۔

اے اللہ! آج تیرے ایک ناتواں بندہ اور ناتواں بندی کے
درمیان تیرے ہی قانون کے ماتحت، تیرے ہی حکم و ہدایت کے مطابق
تیری ہی رضا کے خاطر، وہ رشتہ قائم ہو رہا ہے، جو آدمؑ و حواؑ سے لے کر
اب تک تیرے بیشمار نیک بندوں اور نیک بندیوں کے درمیان
قائم ہو چکا ہے۔ اے اللہ! اُن سب کے طفیل میں ان دونوں کو
بھی اس امتحان میں پورا اُتار، ہر آزمایش میں ثابت قدم رکھ! انکے
نفوس کو پاک کر دے، انکے قلوب کو اپنی محبت و ذوق طاعت سے
بھر دے! ان کی دُنیا سُدھار دے، ان کی عاقبت سنوار دے!
ان کی زندگیاں جوڑی جا رہی ہیں تیرے نام کی برکت کا سہارا لیکر
قائم رکھ اس سہارے کو جب تک یہ تیری زمین پر جئیں، اور جب
اس عالم سے اُٹھیں، اور جب دوبارہ تیرے حضور میں حاضر ہوں!
دونوں گم کر دیں اپنی مرضی تیری مرضی میں، تو ان کا ہو جا، اور یہ تیرے
ہو جائیں۔ اے اللہ! محفوظ رکھ ان کو اور ان کی نسل کو سارے فتنوں
سے عصر حاضر کے اور عصر مستقبل کے، خواہ وہ کیسے ہی خوشنما نقاب اپنے
چہروں پر ڈال کر آئیں، کیسے ہی نظر فریب پردوں میں اپنے کو چھپائیں!
اے اللہ! ان کے نصیب پر سایہ ڈال دے اپنے خلیل ابراہیمؑ اور
بی بی سارہؓ کا، اپنے خلیل ابراہیمؑ اور بی بی ہاجرہؓ کا۔ انھیں نقش قدم
پر چلا محمد رسولؐ اللہ اور بی بی خدیجہؓ کے، محمد رسولؐ اللہ اور بی بی عائشہؓ

کے! بادِ سموم کی ہر لپیٹ کو ان کے حق میں نسیم سحر کا جھونکا بنا دے آتشِ نمرود کے ہر شعلہ میں ان کے لیے گلزارِ خلیل کے پھول کھلا دے اپنے دین کی محبت ان کے دلوں میں جما دے، اپنے دین کی خدمت کا ولولہ ان کی روح میں بسا دے۔ اپنے دین کی نصرت کا جذبہ ان کے اندر جگا دے! جب تک اس دنیا میں آباد رہیں، اسلام کے ہتھیاروں سے اپنے جسم کو سجائے ہوئے، اور جب تیرے حضور میں حاضر ہوں، تو ایمان کا طغرا پیشانی پر لگائے ہوئے! جب بلاوا تیرے یہاں سے آئے تو ان کے دل تیری دید کی آرزو بسائے ہوئے، اور ان کے چہرے تیرے شوق و اشتیاق کی چمک سے جگمگا رہے ہوئے! دنیا غدار ہو جائے، اور یہ محمدؐ کے دین کے وفادار رہیں۔ زمانہ اپنے قول سے پھر جائے، اور یہ کلمۂ توحید پہ استوار رہیں! انھیں شرمندہ نہ کر ایک دوسرے سے، شرمندہ نہ کر اپنے سے، اپنی کتاب اور اپنے رسولؐ سے! تیری مرضیات کی جنت انکے لیے ہو، اور یہ تیری جنت کے لیے، اپنے کھلے ہوئے چہروں کے ساتھ، ہنستے ہوئے جلووں کے ساتھ، چمکتے ہوئے بشروں کے ساتھ، دمکتے ہوئے مکھڑوں کے ساتھ، اور ان کے ساتھ ہم سب دعاگوؤں کے لیے بھی!

مسئلہ طلاق
کتاب و سنت کی روشنی میں

مسئلہ طلاق

کتاب و سنت کی روشنی میں

اپنوں کی بیگانہ وشی ۔ جہاد، پردہ، غلامی، اور تعداد ازدواج کی طرح طلاق بھی شریعت کے اُن چند مسائل میں سے ہے جن پر "دانایانِ فرنگ" نے بہت روز خوب ہنسی اُڑائی ۔ لیکن جتنا ہنسے اُس سے کہیں زیادہ رونا پڑا اور بالآخر بہت سی ٹھوکریں کھا کھا کر بڑی حد تک اسلام ہی کے قانون کی تقلید پر مجبور ہونا پڑا ۔ لیکن عبرت کا مقام ہے، کہ اپنوں کی بیگانہ وشی اب تک قائم ہے ۔ اور بیگانے تو تجربہ کی تلخیاں اُٹھا اُٹھا کر کچھ نہ کچھ درست ہو گئے پر اپنوں نے اپنی چیزوں سے بیزاری جو انھیں کی تقلید میں سیکھی تھی ۔ وہ بدستور قائم ہے ! نوبت یہاں تک آگئی ہے، کہ آج اگر کوئی شخص طلاق دیتا ہے تو غیر مسلم نہیں، خود مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ گویا اُس نے کسی ظلم عظیم کا، اور عقل و شریعت دونوں کے سنگین جرم کا ارتکاب کیا !

افراط و تفریط ۔ طلاق کے بارے میں افراط و تفریط شروع سے چلی آ رہی ہے ۔ یونان کے دورِ تمدن و تہذیب میں اسے عورت کے لیے سخت معیوب خیال کیا جاتا تھا اور عملاً

اس میں سخت دشواریاں تھیں ۔ ایک مورخ لکھتا ہے :۔

ایتھنیا میں بیویوں کو قانوناً کوئی حق ہی حاصل نہ تھا شوہر اگر بدسلوکی کرے تو بھی عورت کے لیے تفریق حاصل کرنی آسان نہ تھی ۔ جب طلاق ہو جاتی تو اولاد بجائے ماں کے باپ کے پاس رہتی [1] ۔

رسوم نکاح کا مورخ مسولیٹورنا فرانسیسی ، یونان کے ذیل میں لکھتا ہے :۔

عورت کے لیے تفریق بڑی توہین کی بات تھی ۔ یوری پیڈیس (شاعر) امیڈیا کی زبان سے کہلاتا ہے کہ "طلاق عورت کے لیے بڑی شرم کی بات ہے" .... ایتھنیہ میں تفریق کے واقعات ہوتے ضرور تھے لیکن انکی تعداد کہیں زائد ہوتی اگر شوہر کو مالی نقصان نہ برداشت کرنا ہوتا ۔ شوہر کو طلاق دیتے وقت قانوناً بیوی کا جہیز واپس کرنا ہوتا تھا یا ایک خاص شرح سے اس پر سود دینا ہوتا ۔ مطلقہ کے اعزا اس کی زندگی بھر کے نفقہ کے لیے دعوی کر سکتے تھے [2] ۔

متعدد دوسری قوموں میں بھی یہی دستور رہا ہے ۔ رومہ کے عروج تمدن کے زمانے میں صورت حال ٹھیک اس کے برعکس ہو گئی ۔ اب طلاق کوئی بات ہی نہ رہی ، فسخ نکاح بات بات پر

---

[1] "تاریخ دنیائے قدیم" از ڈاکٹر ڈیسٹرن امریکی ص ۵۷۳ مطبوعہ جارج ہیرپ لنڈن ۔
[2] "ارتقائے نکاح" از مسیولیٹورنا ص ۲۴۳ مطبوعہ والٹر اسکاٹ لنڈن ۔

ہونے لگا۔ اور تفریق زوجین نے ایک کھیل تماشہ کی حیثیت اختیار کرلی۔ ڈاکٹر ویسٹر کے الفاظ میں "عقد نکاح کی حیثیت محض ایک قانونی معاہدہ کی رہ گئی جو جلد قائم بھی ہو سکتا تھا اور جلد ٹوٹ بھی سکتا تھا۔ ایسی ایسی رومی خواتین بھی تھیں جن کی بابت یہ مشہور ہے کہ وہ اپنے سن کا حساب اپنے شوہروں کی تعداد سے لگایا کرتی تھیں۔ طلاق ایک بالکل عام چیز ہو گئی تھی (ص۲۸۶ کتاب مذکور) مورخ گبن نے اپنی مشہور "تاریخ زوال مملکت رومہ (باب۴۴) میں تفصیل کے ساتھ طلاق کی اس گرم بازاری کو لکھا ہے۔ اور ایک فٹ نوٹ میں ایک شوہر کا ذکر کیا ہے جو ایک فاتحانہ انداز سے اپنی اکیسویں بیوی کو دفن کر رہا تھا اور خوش تھا کہ یہ وہ عورت تھی جو اس سے قبل ۲۲ شوہروں کو ختم کر چکی تھی! خود رومہ بھی اس حیثیت سے ہر زمانہ میں یکساں نہ تھا" ایک زمانہ وہ تھا کہ بقول "لیکی" مصنف "تاریخ اخلاق یورپ کے رومہ نے پانچ سو بیس برس تک طلاق کا نام بھی نہیں سنا[۱]۔ کہاں ایک زمانہ میں اس قدر احتیاط تھی اور کہاں پھر ایک زمانہ یہ آیا کہ مورخ لیکی کے الفاظ میں۔

"نکاح کی حیثیت جب فریقین کے درمیان نرے قانونی معاہدہ

---

[۱] تاریخ اخلاق یورپ مترجمہ عبدالماجد جلد ۲ ص۱۹۰ انجمن ترقی اردو۔

کی رہ گئی تو ہر فریق جب چاہتا اپنی مرضی کے موافق اس معاہدہ کو ختم بھی کرسکتا تھا۔ اور تفریق کے بعد از سرِ نو نکاح کرسکتا۔ نکاح کا احترام اب رخصت ہو چکا تھا۔ سترو نے اپنی بیوی ٹھرنشیا کو اتنی سی بات پر چھوڑ دیا کہ اس نے نئے جہیز کی فرمائش کی تھی۔ اگسٹس نے لیویا کے شوہر سے لیویا کو اس کے زمانۂ حمل میں جبراً اس لیے طلاق حاصل کرائی کہ خود اپنے عقد میں لاسکے۔ ..... ایک عورت کا ذکر آتا ہے جو دس شوہر کر چکی تھی اور ایک عورت کا جو پانچ سال کے اندر آٹھ شوہر بدل چکی تھی۔ سب سے بڑھ کر ایک اور عورت کا ذکر آتا ہے جو تئیسویں بار ایک ایسے مرد کے نکاح میں آئی تھی جس کی وہ اکیسویں بیوی تھی[۱]۔

مسیحیت کی تفریط۔ عرب جاہلیت میں بھی طلاق کا یہی رنگ تھا۔ رومہ کی شائد اسی افراط کو دیکھ کر مسیحیت نے تفریط یہ کی کہ طلاق کو بجز سزائے زناکاری کے اور ہر صورت میں قطعاً ناجائز قرار دیدیا۔ ہندوؤں کے قانون میں بیوی کی زندگی کو تمام تر شوہر کی زندگی میں ضم کردیا گیا اور علیحدگی کی گویا کوئی شریفانہ صورت باقی ہی نہ رہی۔ اس وقت بھی دنیائے غیر متمدن کو چھوڑ کر خود دنیائے متمدن کے اندر طلاق کے مختلف نظریے قائم ہیں۔

---

[۱] یہ اقتباس اصل انگریزی کتاب سے لیا گیا ہے۔ اس کا ملخص اردو ترجمہ سے منقول نہیں۔

امریکہ اور یورپ کے ہر ہر ملک کے الگ الگ قوانین و ضوابط ہیں۔ اور کوئی طلاق کے شرائط کو نرم سے نرم کرنے پر مُصر ہے اور کوئی اُن کے سخت سے سخت کرنے کے درپے۔ تفصیل کی گنجایش اس مختصر مضمون میں نہیں۔ عملاً امریکہ میں اس وقت طلاق کی جو گرم بازاری اور فیصدی جتنی شادیوں کا انجام طلاق پر ہوتا ہے اُس کا تذکرہ انگریزی خوان ناظرین کو "انکل شیم کے صفحات میں مل سکتا ہے۔

تغیر پذیر نظریے' طلاق ایک سلبی چیز ہے۔ حاصل اس گفتگو کا یہ ہے کہ طلاق سے متعلق قوموں اور جماعتوں کا زاویۂ نگاہ ہمیشہ بدلتا رہا ہے۔ بڑے بڑے مدعیان علم و دانش' تہذیب و تمدن' ماضی و حال میں ایک دوسرے سے اس باب میں سخت مختلف الرائے ہیں۔ اصل مسئلہ کی تحقیق کے لیے ضروری ہے کہ خود حقیقت طلاق پر غور کیا جائے۔ طلاق ظاہر ہے کہ ایک سلبی شئے ہے۔ کسی ایجابی شے کا نام نہیں۔ فسخ رشتۂ ازدواج کا نام ہے۔ پس طلاق کا مفہوم صحیح اُس وقت سمجھ میں آسکتا ہے جب نکاح کا مفہوم صحیح ذہن نشین کر لیا جائے۔ اور یہ کوئی طویل و پیچیدہ مسئلہ نہیں۔ دوسرے مذاہب نے جو کچھ بھی سمجھا ہو' اسلام نے حیرت انگیز بلکہ معجزانہ جامعیت کے ساتھ نکاح کی اصلی غرض و غایت دو مختصر لفظوں میں بیان کر دی ہے:-

هو الذی خلقکم من نفس واحدۃ جعلنها زوجها یسکن الیہا ط (اعراف ع ۲۴)

اللہ وہی تو ہے جس نے تم انسانوں کو تن واحد سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ تم اسی سے راحت حاصل کرو۔ نکاح کی غایت۔ مرد کے لیے اس کے ہمجنس زوجہ کی غایت تخلیق یہاں بیان کر دی ہے کہ مرد اس سے تسکین حاصل کرے یسکن الیہا کا ترجمہ اردو میں تسکین پائے، انس حاصل کرے راحت پائے آرام پکڑے ان سب فقروں سے ہو سکتا ہے۔ گویا بیوی بننے کے معنی ہی یہ ہیں کہ شوہر کا قلب اس سے تسکین پائے، بیوی اس کے لیے باعث راحت و موجب آرام ہو، ایک کی زندگی دوسرے کی زندگی کا جزبن جائے۔ ایک دوسری جگہ اسی مفہوم کو ذرا اور وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے:۔ ومن آیتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیہا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ اور اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے ہی نفسوں سے تمہارے لیے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے راحت پاؤ اور تمہارے درمیان محبت و ہمدردی پیدا کر دی (روم ع ۳)

پہلی آیت میں اگر یہ اجمال تھا کہ شائد مراد صرف حضرت حوا علیہا السلام کی پیدائش سے ہو اور دلالت حضرت آدمؑ تک محدود رہے ایک دوسری آیت نے یہ شبہ بھی دور کر دیا اور صاف صاف من انفسکم

کہہ کر دلوں کو بالکل روشن کر دیا۔ اور بیویوں کی غایت تخلیق
پھر دُہرا دی کہ شوہر کے لیے تسکین قلب اور مزید توضیح و تاکید
کے لیے یہ بھی جتا دیا کہ میاں بیوی کے درمیان مودت و رحمت
(محبت و ہمدردی) پیدا کر دی جاتی ہے۔ تیسری بار یہی مفہوم
ایک اور لطیف پیرایہ میں بیان ہوا ہے :- هن لباس لکم
وانتم لباس لهن (بقرہ ع ۲۳)
تمہاری بیویاں تمہارے لیے لباس ہیں اور تم اُن کے لیے
لباس ہو۔ علامہ ابن جریرؒ نے آیت کی تفسیر میں ایک معنی
یہ لکھے ہیں کہ :- زوجۃ الرجل سکن تسکین الیها کما
قال تعالیٰ ذکرہ وجعل منها زوجها لیسکن الیها۔
مرد کے لیے بیوی مایۂ تسکین ہوتی ہے جس سے وہ سکون پاتا
ہے جیسا کہ دوسری آیتہ وجعل منها زوجها لیسکن الیها
میں وارد ہوا ہے۔
اور پھر اسی معنی کی تائید میں اکابر تابعین مجاہدؒ،
قتادہ، سدی وغیرہ کے اقوال نقل کیئے ہیں بلکہ خود ترجمان
القرآن حضرت عباسؓ کا بھی یہ قول نقل کیا ہے کہ :-
قال هن سکن لکم وانتم سکن لهن۔ بیویاں تمہارے
لیے مایۂ تسکین ہیں اور تم اُن کے لیے۔
اور حافظ ابن کثیرؒ نے بھی ابن عباسؓ، مجاہدؒ، سعید بن جبیرؒ

عن، قتادہ، سدی اور مقاتل بن حیان سے یہی نقل کیے ہیں۔ بعد کے مفسرین میں سے صاحب معالم و صاحب خازن وغیرہم نے بھی یہی معنی اختیار کیے ہیں۔ غرض ازدواجی زندگی سے متعلق اسلام کا مطمح نظر یہ ہے ہی نہیں کہ عورت مرد کے سر کسی نہ کسی طرح منڈھ دی جائے اور روتی ہوئی اور جھینکتی ہوئی اُس کے گھر میں پڑی ہوئی اپنی زندگی کے دن پوری کرکے رہے۔ بلکہ شریعت کو مطلوب یہ ہے کہ دو زندگیاں مل کر ایک ہو جائیں اور دونوں ایک دوسرے سے خوب مانوس و مالوف ہو کر رہیں۔

سکینت قلب و تسکین خاطر کا لفظ حیرت انگیز جامعیت رکھتا ہے۔ انسان کے خالق سے بڑھ کر انسان کا فطرت شناس اور کون ہو سکتا ہے۔ فطرت بشری کے اسرار و دقائق کی رعایت اُس کے کلام سے بڑھ کر کس کے کلام میں ہو سکتی ہے۔ سکینت کے لفظ کو مطلق چھوڑ دینا اور اُس کی مزید تشریح و تفصیل نہ کرنا بھی ایک خاص اعجاز ہے۔ ظاہر ہے دُنیا میں اختلاف مذاق بے حد و حساب ہے۔ ہر فرد کا مذاق دوسرے سے جداگانہ ہوتا ہے اسی لیے ہر شخص کے سکون قلب کے اسباب بھی دوسرے سے مختلف ہی ہوتے ہیں۔ ہر شخص کے لیے بہترین بیوی اسی کے معیار کے مطابق

اُسی کے دلچسپیوں کے لحاظ سے ہو سکتی ہے۔ رنگ روپ حسن و جمال قد و قامت مزاج و طبیعت، سلیقہ و شعور، تعلیم و تربیت ہر لحاظ سے ایک کا معیار دوسرے سے مختلف ہی ہوتا ہے اجمالاً بس اتنے جزو پر سب متفق ہیں کہ ہر شخص اپنی تسکین قلب ہی چاہتا ہے[1]۔

بیویوں میں اعلیٰ مرتبہ ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بیویوں میں سب سے اعلیٰ مرتبہ اُسی کا ہے جس سے شوہر کو تسکین قلب سب سے زیادہ حاصل ہو۔ چنانچہ حضور صلعم کی نظر میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے محبوب ترین ہونے کا راز بھی یہی ہے، ورنہ محض جمالِ ظاہری کے لحاظ سے سب سے زیادہ شہرت ام المومنین حضرت صفیہؓ بنت حی کی تھی۔ تسکین بدرجۂ اتم حاصل ہونا

---

[1] امام نسائیؒ نے اپنے سنن کی کتاب النکاح میں ایک باب باندھا ہے ای النساء خیرٌ (بہترین بیوی کونسی ہے) اور اس کے تحت میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے جو حدیث لکھی ہے التی تسرہ اذا نظر و تطیعہ اذا امرو تخالفہ فی نفسہا و مالہا بما یکرہ۔ یہ بھی گویا صورت و سیرت کی خوبیوں کی جامع "مایہ تسکین" کی تفسیر ہی ہے۔

ب غالب شاعر نے اپنے محبوب کو مخاطب کر کے کہا ہے۔

[2] تسکیں کو ہم نہ روئیں جو ذوقِ نظر ملے ۔ حورانِ خلد میں تری صورت مگر ملے

ہیں شاعر نے محبوب میں سب سے اعلیٰ شئے "تسکین" ہی کو قرار دیا ہے۔ کہتا ہے کہ وہ تو بجز محبوب کے اور کسی سے حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔ کم از کم اُس کی سی صورت ہی حور وں کی ہو۔

آسان نہیں بلکہ کہنا چاہیئے کہ عموماً ممکن ہی نہیں۔ لیکن دنیا میں ہر وصف مطلوب کے مراتب و مدارج ہوتے ہیں۔ اگر راحت و انس کسی درجہ میں بھی ہے تو مقصد نکاح کسی حد تک پورا ہو رہا ہے اور فسخ معاہدہ کی کوئی صورت داعی نہیں ہوتی لیکن اگر اتفاقات ایسے پیش آجائیں کہ صورتِ حال اس کے بالکل برعکس ہو جائے اور سکون قلب کسی درجہ میں بھی حاصل ہونے کے بجائے ہر وقت اذیت قلب کا سامان رہنے لگے تو ایسی صورت میں بجز اس کے چارہ ہی کیا ہے کہ سرے سے معاہدہ ہی کو ختم کر کے فریقین ایک دوسرے سے آزاد ہو جائیں؟ یہ صورتِ حال خوشگوار ہرگز نہیں اور نہ شریعت میں پسندیدہ ہے لیکن سوال خوشگواری و پسندیدگی کا نہیں، ضرورت کا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب باوجود سعی و تدبیر ایسے حالات مخالف جمع ہو جائیں تو اس وقت علاج کیا ہے؟ مذہب و احکام مذہب کو چھوڑیے جن اہل فکر نے خالص عقلی حیثیت سے مسئلہ پر غور کیا ہے وہ بھی آج تک کیا کوئی اور تدبیر و علاج نکال سکے ہیں؟ اسی ارادی انقطاع تعلق کا شرعی نام، اگر شوہر کی طرف سے ہو، طلاق اور اگر بیوی کی طرف سے ہو خلع ہے۔

اس توضیح سے ظاہر ہو گیا ہو گا کہ طلاق سخت ترین سزا کے مترادف نہیں یعنی شریعت کو مقصود یہ صورت حال نہیں کہ

بیوی کی طرف سے کوئی معمولی سی ناخوشی شوہر کو ہوئی اور اُس نے اپنے اختیارات کو کام میں لاکر بیدھڑک اُسے اپنے گھر سے نکالدیا طلاق کے کلمات زبان سے ادا کردیئے۔ بے شبہ ایسی صورتیں بھی پیش آتی رہتی ہیں اور یہ حد درجہ افسوسناک ہے لیکن شریعت نے طلاق کی اصلی حیثیت سزا کی نہیں رکھی بلکہ بہت سی ضرورتوں کے آخری علاج کی حیثیت سے جائز رکھا ہے۔ آپریشن کرنے والا نشتر ورد و اذیت رفع کرنے کے لیے ہوتا ہے لیکن کوئی شامت زدہ اُسے اپنے قلب میں بھونک کر خودکشی کرلے تو یہ اُس کی اپنی بدبختی ہوئی نشتر ساز کا اس میں کیا قصور؟ یہی سبب ہے کہ شریعت نے شوق طلاق سے روکا ہے اور اس میں جلد بازی کو پسند نہیں کیا ہے اہل نظر نے کلام مجید ہی سے اس نکتہ کو سمجھا ہے سورہ نساء میں ایک جگہ بیویوں کے ذکر میں ارشاد ہوتا ہے۔

وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسی ان تکرھوا شیئاً ویجعل اللہ فیہ خیراً کثیراً۔

اُن کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتے رہو اگر تمہیں وہ ناپسند بھی ہوں تو کیا عجب ہے کہ تم ایک شئے کو ناپسند کر رہے ہو اور اللہ اسی میں بہت سی بھلائی رکھدے۔ ابوبکر حصاص رازیؒ اس آیت کو نقل کرکے لکھتے ہیں:۔

یدل علی انه مندوب الی امساکہا مع کراہته لہا (احکام القرآن للجصاص جلد ۲ صـ۱۳۲) آیت سے نکلتا ہے کہ ایسی بیوی کے ساتھ باوجود ناپسندیدگی کے نباہ کرتے رہنا چاہیئے۔ اور حافظ ابوبکر ابن عربی مالکیؒ اسی آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں :-

المعنی ان وجد الرجل فی زوجته کراہیةً وعنہا رغبةً ومنہا نفرةً من غیر فاحشة ولا نشوز فلیصبر علیٰ اذاہا وقلة انصافہا فربما کان ذٰلک خیرا له ..... قال علماؤنا فی ہذا دلیل علیٰ کراہیة الطلاق (احکام القرآن لابن عربی جلد ۱ صـ۱۵۲) مطلب یہ ہے کہ اگر شوہر بیوی کی طرف سے بجز بے حیائی اور نافرمانی کی صورتوں کے کسی اور جہت سے اپنے اندر ناپسندیدگی یا بے رغبتی یا بیزاری پائے تو چاہیئے کہ اس کی بیوی کے اسی عیب پر اور اس کی خوبی کی کمی پر صبر سے کام لیتا رہے کہ اکثر اس کے حق میں یہی بہتر ہوتا ہے ..... اور علمائے مالکیہ نے طلاق کے ناپسندیدہ ہونے کی دلیل اسی آیت سے پکڑی ہے۔

دوام کی نیت ۔ اگر رشتۂ نکاح میں شروع ہی سے نیت دوام و پائیداری کی نہ ہو اور طلاق کا رواج عام ہو جائے

یا بات بات پر بلا کسی وجہ قوی کے مرد اپنی بیویوں کو چھوڑنے لگیں تو نتیجہ کیا ہوگا؟ یہ کہ حیات منزلی و خانگی زندگی کی مسرتیں خاک میں مل جائیں گی میاں بیوی کے درمیان اوّل دن سے بے اعتمادی و بدگمانی قائم ہو جائے گی۔ نکاح کا جو اصلی مقصد، رفاقت دائمی اور ایک دوسرے کے لیے ہمدردی و ایثار ہے وہی سرے سے فوت ہو جائے گا اور بجائے اس کے خود غرضی اوّل دن سے جڑ پکڑنے لگے گی۔ اور مردوں و عورتوں کی اصلاحِ نفس ہونے کے بجائے دونوں کے پیشِ نظر صرف نفس پرستی رہ جائے گی۔ بچوں کی تربیت اور گھر کی تعمیر و آبادی جیسی کچھ غارت ہو کر رہے گی مستزاد۔ یہ محض خیال آرائیاں اور مفروضات نہیں۔ رومہ کی تاریخ میں اس کا تجربہ ہو چکا عرب جاہلیت اور یہود قدیم اس کا خمیازہ اٹھا چکے اور آج امریکہ کی عدالتیں روزمرہ اس "طلاق بازی" کے عبرتناک نتائج کا مرقع پیش کر رہی ہیں۔ رازدارِ شریعت، حکیم امت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:- اعلم ان فی الاکثار من الطلاق وجریان الرسم بعدم التفات به مفاسد کثیرۃ (حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ صـ ۱۰۳ مطبع خیریہ) جاننا چاہیے کہ طلاق کی کثرت اور بے پروائی کے ساتھ اس کا دستور

جاری ہو جانے میں بہت زائد خرابیاں ہیں۔ آگے ان نقصانات کو خاصی تفصیل سے گنایا ہے لیکن ان سب چیزوں کے باوجود علاج بہرحال علاج ہے۔ لذت و خوشگواری کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ بعض اوقات صحت قائم رکھنے کے لیے جسم سے خون نکالدینا، یا کسی عضو کو کاٹ دیناہی ضروری ہوتا ہے اور وہ علم طب کامل نہیں ناقص ہے جو فصد و آپریشن کا نام سنتے ہی کانوں پر ہاتھ دھرنے لگے اور کسی حال و کسی صورت میں ان اعمال کی اجازت نہ دے! حضرت شاہ صاحب نے کہاں تو زور و قوت کے ساتھ مفاسد رواج طلاق کو بیان فرمایا ہے اور کہاں حکیمانہ نکتہ سنجی کے ساتھ خود ہی یہ لکھنے پر بھی مجبور ہیں کہ:- ومع ذلک لایمکن سد هذا الباب والتضیق فیه فانه قد یصیر الزوجان متناشزین اما لسوء خلقهما او لطموح احدهما الی حسن انسان آخر او لضیق معیشتهما او لفرق واحد منهما ونحو ذلک من الاسباب فیکون ادامة هذا النظم مع ذلک بلاء عظیما وحرجاً (ایضاً) بایں ہمہ اس باب (طلاق) کو بند کردینا یا اس میں دشواری پیدا کرنا بھی صحیح نہیں۔ اس لیے کہ میاں بیوی کے درمیان بھی کبھی مخالفت ہو ہی جاتی ہے۔ کبھی طرفین کی

بدمزاجی کی بنا پر اور کبھی اس بنا پر کہ ایک فریق کو کسی تیسری ہستی کے ساتھ فریفتگی ہو جاتی ہے اور کبھی تنگی رزق کی بنا پر اور کبھی کسی فریق کے حمق کی بنا پر اسی طرح اور بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں۔ ایسے حالات میں اس رشتہ کا قائم رکھنا ایک سخت مصیبت و آفت کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔

دوائے تلخ۔ یہیں سے یہ ہے کہ کلام پاک میں صراحت کے ساتھ کہیں بھی طلاق سے ناگواری ظاہر نہیں فرمائی گئی۔ طلاق، فصد یا آپریشن کی طرح ایک علاج ہے اور کوئی طبیب حاذق کسی خاص طریق علاج سے اپنی مستقل بیزاری کا اظہار نہیں کر سکتا۔ زیادہ سے زیادہ وہ یہ کہے گا کہ یہ کوئی شوق یا تفریح کی چیز نہیں، علاج ہے۔ اور اس لیے اسے خواہ مخواہ اور بلا ضرورت ہاتھ میں نہ لینا چاہئے۔ لیکن جب حالات ایسے پیش آجائیں کہ دوسری تدبیریں بے اثر رہنے لگیں تو بڑی تکلیفوں سے بچنے کے لیے اس چھوٹی تکلیف کو یقیناً برداشت کرنا چاہیئے۔ کڑوی دوا کسے خوش گوار معلوم ہوتی ہے۔ لیکن مرض کے شدائد کے وقت دوائے تلخ کی ناخوش گواری کو گوارا بنانا ہی ہوتا ہے۔ کلام پاک میں لفظ طلاق اور اس کے مشتقات میں ایک دو جگہ نہیں بیسیوں بار آئے ہیں مگر ناگواری کے الفاظ کسی ایک مقام پر بھی وارد نہیں

پھر احکام طلاق بھی اچھی خاصی تفصیل کے ساتھ ارشاد ہوئے ہیں (کیا جو شے مستقلاً مبغوض و مکروہ ہوتی ہے اس کے احکام و آداب بھی تلقین کئے جاتے ہیں؟) پھر حضرت زیدؓ ایک ممتاز صحابی تھے اُن کا مرتبۂ امتیاز اسی سے ظاہر ہے کہ تمام جماعت صحابہ میں وہی ایک ایسے ہوئے ہیں جن کا نام صراحت کے ساتھ اللہ کے کلام میں آیا ہے اور نہ صرف نام بلکہ ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ انعم اللہ علیہ (وہ شخص جو اللہ کے ہاں سے مورد انعام ہوا ہے) ان ممتاز صحابی نے اپنی بیوی صاحبہ کو طلاق دی۔ بیوی صاحبہ اس مرتبہ کی تھیں کہ پہلے سے حضور انورؐ کی قریبی عزیز تھیں اور بعد کو ازواج مطہرات میں داخل ہوئیں۔ حضرت زیدؓ کے واقعۂ طلاق کا ذکر کلام پاک میں ہے۔ لیکن بلا اشارۂ ملامت و مذمت۔ اگر طلاق بالذات قابل ملامت و مذمت ہوتی تو کیا ممکن تھا کہ کلام مجید اس پہلو کو نظر انداز کر دیتا۔ یہ بھی واضح رہے کہ حضرت زیدؓ نے کوئی متعین و مخصوص الزام نہیں لگایا تھا۔ عام ناموافقت مزاج ہی کو عذر قرار دیا۔

حدیث کی طرف رجوع کرنے سے حقیقت اور زیادہ واضح ہو کر رہتی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت سے حدیث ذیل متعدد کتب فقہ و تفسیر میں نقل ہوئی ہے :-

تزوجوا ولا تطلقوا فان الله لا یحب الذواقین والذواقات

نکاح کرو اور طلاق نہ دیتے رہو کیونکہ خدا لذت چکھنے والوں
اور چکھنے والیوں کو پسند نہیں فرماتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ (شریعت
کو عمومی و طبعی حالت نکاح و ازدواج ہی کی مقصود ہے) طلاق
سے اس نے روکا ہے مگر کن کو؟ ذواقین و ذواقات کو
رنگ رنگ کی لذت چکھنے والوں اور والیوں کو۔ ان مردوں
اور عورتوں کو جو محض لذت نفسانی کی تلاش میں ادائے حقوق
و فرائض سے غافل اور اپنی ذمہ داریوں سے بے خبر روز
ایک نیا شکار پھانسنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ اور پرانی بیویوں
کو محض اس بنا پر چھوڑتے رہتے ہیں کہ وہ پرانی ہو چکی ہیں۔
پس طلاق میں اگر کراہیت ہے تو اس طلاق میں جس کا معنی انتشار
نفس پرستی ہو، نہ کہ اس طلاق میں جو کسی مقصد صحیح کے ساتھ
بغرض رفع مفاسد یا بطور علاج عمل میں لائی جائے۔

صحاح ستہ میں بسلسلۂ طلاق صدہا احادیث مروی
ہیں۔ ایسی کوئی حدیث بھی وارد نہیں ہوئی ہے جس میں نفس
طلاق پر ملامت آئی ہو۔ لے دے کے ایک روایت ابغض
الحلال والی ہے جو عام طور پر زبان زد ہے اور اسی کو کراہیت
طلاق کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہ بخاری کی حدیث ہے
نہ مسلم کی۔ ابوداؤد میں البتہ اس مضمون کی دو روایتیں آئی ہیں

ایک کے الفاظ یہ ہیں :- عن محارب قال قال رسول اللہ صلعم ما احل اللہ شیئاً ابغض الیہ من الطلاق -
محارب کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں حلال کی ہیں اُن میں اُسے سب سے زیادہ ناپسند طلاق ہے۔
محارب جن پر روایت ختم ہوئی ہے صحابی نہیں تابعی ہیں اُن سے کسی صحابی کا نام جس نے خود حضورؐ کی زبانِ مبارک سے سُنا ہو منقول نہیں ۔ ایسی روایات کو اصطلاح میں "مرسل" کہتے ہیں اور ان کا درجہ ظاہر ہے کہ حدیث مرفوع سے بہت پست ہوتا ہے ۔ دوسری روایت ان الفاظ میں ہے :-
عن ابن عمر عن النبی صلعم قال ابغض الحلال الی اللہ عز وجل الطلاق - حضرت ابن عمرؓ رسول اللہؐ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناگوار طلاق ہے - لیکن ناقد حدیث حافظ سخاویؒ کی تحقیق میں اس روایت کا اسناد صحابی ابن عمر تک تو صحیح ہے رسول اللہؐ تک اس کی مرفوعیت ضعیف ہے - (المقاصد الحسنہ) گویا دونوں روایتیں اول تو بجائے احادیث نبوی کے محض آثار کا درجہ رکھتی ہیں - اور پھر معنی بھی اسی قدر ہیں کہ عقدِ مناکحت جیسے پاک رشتہ کو جو اللہ کے واسطے سے دو زندگیوں کو جوڑ کر ایک کرتا ہے بلا ضرورت محض نفس پرستیوں کی خاطر توڑ ڈالنا اللہ کی نظر میں ناگوار و ناپسندیدہ

ہے حافظ ابن حجرؒ ایک جگہ شرح بخاری میں ضمناً اس اثر ابن عمرؓ کو لا کر لکھتے ہیں۔ کہ امام بخاریؒ نے اثر مذکور کو محل حدیث ابغض الحلال الی اللہ الطلاق علی ما اذا وقع من غیر سبب[1]۔ اُس وقت سے متعلق سمجھا ہے جب طلاق بلا وجہ دی جائے۔ حضرت زید کی طلاق کا ذکر قرآن مجید کے حوالہ سے اوپر آچکا ہے۔ کیا یہ ممکن تھا کہ اللہ کی مبغوض شے کا ذکر کلام مجید میں بلا شائبہ ملامت آجاتا؟ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی طلاق کا ذکر بخاری وغیرہ کتب صحاح میں ہے۔ متعدد دوسرے اجلّ صحابہ کی طلاقوں کے تذکرے سیر و تاریخ میں مذکور ہیں اور حضرت امام حسنؓ کی کثرتِ طلاق تو فرطِ شہرت سے حد ضرب المثل تک پہونچی ہوئی ہے۔ اگر طلاق علی الاطلاق شریعت کو ناگوار و مبغوض ہے تو کیا خدانخواستہ حضرات صحابہؓ کثرت کے ساتھ امر مبغوض کے مرتکب ہوا کیئے؟۔

سُنت کی روشنی۔ سب سے بڑھ کر مثال خود سرورِ کائنات کی ذات مبارک ہے۔ حضورؐ کا حضرت حفصہؓ کو طلاق دینا اور

---

[1] ۔ فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۲۸۵ مطبوعہ مصر، خیریہ، طیبی وغیرہ۔ دوسرے شارحین نے اثر مذکور کی شرح میں لکھا ہے کہ شیطان کا محبوب ترین مشغلہ میاں بیوی کے درمیان جدائی ڈالنا ہے لان احب الاشیاء عند الشیطان التفریق بین الزوجین۔

پھر اُسے واپس لے لینا ایک مشہور و معلوم واقعہ ہے ابن سعد نے متعدد طریق سے روایات درج کی ہیں اُن سب کا ماحصل یہ ہے کہ حضورؐ نے حضرت حفصہؓ کو طلاق دی لیکن حضرت جبرئیلؑ یہ پیام لے کر آئے کہ

ارجع حفصة فانها صوامة قوامة وهی زوجتك فی الجنة (طبقات جلد ۸ صفحہ ۵۶ مطبوعہ لائڈن)

حفصہؓ کی طلاق واپس لے لیجئے وہ بڑی روزہ رکھنے والی اور بڑی نماز پڑھنے والی ہیں اور جنت میں آپ کی بیوی۔ اس پر آپ نے طلاق سے رجوع کر لیا۔ سیر کے علاوہ حدیث میں بھی اس کا ذکر ہے۔ چنانچہ ابو داؤدؒ نے اپنے سنن میں حضرت عمرؓ سے اور نسائی نے اپنے سنن میں حضرت عمرؓ سے ہی روایت کی ہے۔ البتہ ان احادیث میں حضرت جبرئیلؑ والا جزو موجود نہیں۔ صرف اس قدر ہے کہ حضورؐ نے طلاق دی تھی پھر رجعت کر لی۔ کیا (نعوذ باللہ) حضورؐ اوز بھی ایسے فعل کا ارتکاب کر رہے تھے جو اللہ کو مبغوض تھا؟ اور خیر! ام المومنین حفصہؓ کی طلاق تو آپ نے واپس بھی لے لی اور واقعہ عام و متداول کتابوں میں شائع بھی ہو چکا لیکن ان کے علاوہ حضورؐ نے اپنے نکاح میں آئی ہوئی کم از کم دو اور بیویوں کو بھی طلاق دی ہے جو قائم رہی اور واپس

نہیں لی گئی۔ بعض اہل سیر نے تو دو سے بھی زائد کا ذکر کیا ہے لیکن دو کے متعلق مطلقہ ہونا بالکل ثابت ہے حالکہ اہل قلم نہ معلوم ان واقعات کا ذکر کرنے سے شرماتے کیوں ہیں؟ درآنحالیکہ اُس پاک زندگی کا کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ جزئیہ بھی ایسا نہیں جو اپنے اندر ہدایت کا سبق اور رہنمائی کی روشنی نہ رکھتا ہو۔ بہرحال ایک منکوحہ کا نام اسمار بنت نعمان کندیہ تھا۔ اور دوسری کا نام عمرہ بنت یزید کلابیہ۔ ابن ہشام جو موجودہ ذخیرۂ سیرت نبوی میں سب سے قدیم اور سب سے مقدم ہے اُس میں ہے:۔ اسماء بنت النعمان الکندیہ تزوجها فوجد بها بیاضاً فمتعها وردها الی اہلها

(سیرۃ ابن ہشام حصہ ۳ ذکر ازدواج الرسول)

اسمار بنت نعمان کندیہ کے ساتھ آپؐ نے نکاح کیا لیکن اُن کے جسم پر سفید داغ دیکھے۔ پس آپ نے انھیں رخصت کردیا اور انھیں اُن کے گھر والوں کے پاس بھیج دیا۔

وعمرہ بنت یزید الکلابیہ فلما قدمت علیٰ رسول اللہ صلعم استعاذت من رسول اللہ صلعم فقال رسول اللہ صلعم منع عائذ اللہ فردها الی اہلها۔ ویقال ان التی استعاذت من رسول اللہ کندیہ عمرہ سماء بنت النعمان ویقال ان رسول اللہ صلعم

دعاها فقالت انا من قوم نؤل ولا ناتی فردہا رسول اللہ صلعم الی اہلہا (ایضاً)

عمرہ بنت یزید کلابیہ جب یہ حضورؐ کے پاس آئی .....
.... تو اس نے حضورؐ سے پناہ مانگی پس حضورؐ نے اسے رخصت کر دیا اور اسے اس کے گھروالوں کے پاس بھیج دیا .... اور ایک قول یہ ہے کہ جس عورت نے حضورؐ سے پناہ مانگی تھی وہ یہ نہ تھی بلکہ اسماء بنت النعمان کی چچازاد بہن ایک کندیہ تھی .....
اور ایک قول یہ ہے کہ جب حضورؐ نے اسے بلایا کہا کہ ہم لوگ کسی کے پاس نہیں جاتے لوگ ہمارے پاس آتے ہیں پس حضورؐ نے اسے اس کے لوگوں کے پاس واپس کر دیا۔

ان میں سے پہلی یعنی اسماء بنت نعمان کا ذکر سہیلی نے بھی روض الانف شرح ابن ہشام میں کیا ہے اور قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں اور زرقانی نے شرح مواہب میں بھی عمرہ اور اسماء کے نام اسی حیثیت سے گنائے ہیں سب سے زیادہ تفصیل طبقات میں ہے۔ ابن سعد نے کلابیہ اور جونیہ دونوں کے واقعات کو بسط کے ساتھ کئی صفحوں میں لکھا ہے۔ اور مختلف و متعدد روایتیں جمع کر دی ہیں۔ مضمون یوں ہی بہت طویل ہوا جا رہا ہے ورنہ طبقات کی روایات اس قابل تھیں کہ حرف بحرف نقل کی جاتیں۔ سب کا جزو مشترک

نفس واقعہ طلاق ہے۔ اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی رح نے
بھی مدارج النبوت میں ایسی ہی بسط و تفصیل سے کام لیا ہے
سیر و طبقات سے گذر کر حدیث تک میں یہ ذکر موجود ہے۔
سنن ابن ماجہ میں باب متعۃ الطلاق کے زیر عنوان
ام المومنین صدیقہ روایت کرتی ہیں :-
عن عائشۃ ان عمرۃ بنت الجون تعوذت من
رسول اللہ صلعم حین ادخلت علیہ فقال
لقد عذت بمعاذ فطلقھا وامر اسامۃ او انسا فمتعھا
بثلاثۃ اثواب رازقیہ - عمرہ بنت الجون - جب
آنحضرت صلعم کے پاس (خلوت) میں لائی گئی تو اس نے اللہ
کی پناہ مانگی - آپ نے فرمایا تو نے ایسے کی پناہ مانگی جس
سے پناہ مانگی جاتی ہے پس آپ نے اسے طلاق دیدی۔
اور اسامہ رض یا انس رض کو حکم دیا تو انھوں نے اسے تین جوڑے سفید
کتان کے دے کر رخصت کر دیا۔
سنن نسائی میں باب مواجھتہ الرجل المراۃ بالطلاق میں
ہے کہ اوزاعی نے زہری سے اُن بیوی کی بابت دریافت
کیا جنھوں نے رسول اللہ صلعم سے پناہ مانگی تھی - تو زہری
نے روایت ذیل بیان کی :-
عن عائشۃ ان الکلابیہ لما دخلت علی النبی صلعم

قالت اعوذ باللہ منک فقال رسول اللہ صلعم لقد عذت بعظیم الحق باھلک۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ زن کلابیہ جب رسول اللہ صلعم کے پاس خلوت میں آئی تو کہا کہ میں آپ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اس پر آپ نے فرمایا کہ تو نے بڑے کی پناہ مانگی۔ اب اپنے والوں سے جا مل۔

اور آگے بڑھیئے امام بخاریؒ نے کتاب الطلاق میں ایک مستقل باب اس عنوان سے باندھا ہے کہ من طلق وھل یواجہ الرجل امرأتہ بالطلاق۔ باب اس شخص کے بیان میں جس نے طلاق دی اور آیا مرد عورت کے روبرو ہی اُسے طلاق دے؟

اور اس کے تحت میں دو حدیثیں ایک حضرت عائشہؓ سے اور دوسری ابو امیہؓ سے نقل کی ہیں۔ جن میں جونیہ کا ذکر خاصی تفصیل سے ہے اور واقعہ طلاق نبوی کو صراحت سے بیان کیا ہے۔ تفصیلات و جزئیات اور اختلافات جو بھی ہوں حضورؐ انور کی نفس طلاق پر امام بخاری کی بھی شہادت موجود ہے۔ پھر نعوذ باللہ کوئی "روشن خیال" مسلمان یہ سمجھنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ حضورؐ نے بھی ایسا فعل کیا جو حق تعالیٰ کو ناپسند و ناگوار تھا؟۔

ان تصریحات کے بعد یہ تو واضح ہو گیا ہو گا کہ مقصد صحیح کے ساتھ حسب موقع و ضرورت طلاق دینا شریعت اسلامی میں بلا شائبہ ملامت و کراہیت بالکل جائز و درست ہے۔ کلام مجید عمل رسول تعامل صحابہ سب اسی پر متحد ہیں۔ عقلیت و روشن خیالی بھی نفس طلاق یا تفریق بین الزوجین کے مطلقاً نادرست ہونے پر کوئی دلیل اب تک پیش نہ کر سکی گفتگو صرف یہ رہ جاتی ہے کہ وہ مقاصد صحیحہ ہیں کیا کیا؟ اسباب طلاق ہونے کیا کیا چاہئیں۔ طلاق کا قدم کن کن مواقع پر اور کن کن حالات کے درمیان اٹھانا چاہیئے؟ نزاع و اختلاف کا اصلی میدان یہی ہے مختلف قوموں و ملکوں کے عقلاء کے دماغوں نے زور آزمائی اسی موضوع پر کی ہے۔ کسی قوم کے مقننین نے اتنی سختی کی کہ بجز بیوی کی حرامکاری کے اور کوئی صورت اُسے چھوڑنے کی جائز نہ رکھی۔ یہی وہ قومیں ہیں جن کے ہاں طلاق کا مفہوم سزا کے مترادف ہے اور کہیں کے اہل حل و عقد نے اتنی ڈھیل ڈالدی کہ مرد پر مطلقاً کسی قسم کی پابندی و ذمہ داری ہی نہیں رکھی۔ گویا بیوی مرد کے ہاتھ میں ایک کھلونا ہے کہ جب اس کا جی چاہے زمین پر اٹھا کر پٹخ دے! اسلام کا قانون فاطر کائنات کا قانون ہے۔ فطرت بشری کا لحاظ اس میں نہ ہوگا

تو اور کہاں ہو گا۔ شریعت نے دیکھا کہ طلاق عملی نتیجہ ہے شوہر کی انتہائی بے رغبتی و ناپسندیدگی کا۔ اور رغبت، دلی پسند، التفات خاطر و تعلق قلب کے قوانین وضوابط کوئی آج تک منضبط کر سکا؟ جس طرح عشق و محبت کے موجبات و محرکات بے شمار ہوتے ہیں اُسی طرح بیزاری و تنفر کے اسباب کا شمار و استقصار بھی کسی کے بس کی بات نہیں۔ مختلف قوموں ملکوں اور زمانوں کے مذاق ایک دوسرے سے مختلف تو ہوتے ہی ہیں خود ایک ہی مقام کے افراد باہم کتنا اختلاف مذاق رکھتے ہیں۔ اسے بھی چھوڑیے ایک ہی فرد کا مذاق عمر، صحت و عام حالات کے اعتبار سے کتنا بدلتا رہتا ہے۔ اس لیے اُس نے اپنے ہاں اسباب طلاق کا ضابطہ یہ رکھا کہ سرے سے کوئی ضابطہ ہی نہیں رکھا اور وجوہ طلاق مطلقاً معین ہی نہیں کیے۔ یہ شریعت اسلامی کا کوئی نقص نہیں عین کمال ہے عیب نہیں ہنر ہے۔ امریکہ کی چھوٹی چھوٹی ولایات و یورپ کے چھوٹے چھوٹے ملک جو داخلی و اندرونی معاملات میں آزادی کامل رکھتے ہیں اس باب میں آج تک متحد نہ ہو سکے ہر ملک کا قانون اپنے ہاں کے لیے جدا گانہ وجوہ طلاق رکھتا ہے اور انھیں پر زور دیتا ہے۔ اور اس پر بھی ان قوانین میں برابر رد و بدل ترمیم و تنسیخ ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ بعین ان

سطور کی تحریر کے وقت بھی ناروے وسویڈن کے ملکوں سے
ایک جدید مسودۂ قانون طلاق کی خبریں آرہی ہیں۔ جب ایک
ہی زمانہ کی اور وہ بھی یکساں تمدن و معاشرت رکھنے والی
قومیں اس باب میں ایک دوسرے سے متفق نہیں ہوسکتیں
اور سب نے پسند و ناپسندیدگی کا معیار جدا جدا رکھا ہے تو
اسلام تو عالمگیر مذہب ہے اور اس کا قانون ہر قوم ہر تمدن
ہر زمانہ ہر ملک کے لیئے ہے ظاہر ہے کہ وہ اسباب طلاق
کا کوئی معین نظام و ضابطہ کیونکر رکھ سکتا تھا؟ اُس نے وہی
کیا جو ایک عام و عالمگیر مذہب کو کرنا چاہیئے تھا۔ اور محض
عام ہدایات دے دینے پر قناعت کی۔

شرائط طلاق۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اُس نے مرد پر
کوئی ذمہ داری نہیں رکھی اور اُسے آزاد و مطلق العنان چھوڑ دیا
یہ عام ہدایات بجائے خود ایسی ہیں جو مفاسد طلاق کی تمامتر
مصلح ہیں اور اُن کا اگر لحاظ کیا جائے تو طلاق کی تلخیاں
و ناگواریاں تا حد بشر بالکل دور ہو کر رہیں۔ پہلی اور سب سے
بڑی خصوصیت اسلامی طلاق کی یہ ہے کہ طلاق کے وقت
ادائے مہر شوہر کے ذمہ لازمی رکھا گیا ہے۔ کلام پاک میں
تصریح ہے کہ جو مال عورت کا حق ہو چکا اُسے واپس لینا
جائز نہیں ولا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتموھن شیئاً (بقرع ۲۹)

اور تمہارے لیئے جائز نہیں کہ طلاق دیتے وقت بیویوں سے اُس مال سے کچھ واپس لے لو۔ جو تم اُنہیں (بطریق مہر وغیرہ) دے چکے ہو۔ بعض لوگ اسی ڈر سے عورت کو طلاق نہیں دیتے تھے بلکہ اُنہیں تنگ کر کر کے اور تکلیف دے دے کر قیدِ نکاح میں پڑا رہنے دیتے تھے۔ ایسوں کو مخاطب کرکے فرمایا۔

ولا تعضلوهن لتذهبوا ببعض ما اٰتيتموهن (نساء ع ۲)

اور بیویوں کو اس لیئے نہ روکے رکھو کہ جو کچھ اُنہیں مہر وغیرہ میں دے چکے ہو اُس میں سے کچھ حصّہ واپس لے لو۔

اور مہر مقرر کرانے میں چونکہ عورت آزاد ہے اس لیئے اُسے حق حاصل ہے کہ شوہر پر ایک طرح کی روک رکھنے کے لیئے جتنا چاہے مہر مقرر کرالے۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا (نساء ع ۳)

اگر تم ایک بیوی کو چھوڑ کر دوسری بیوی کرنا چاہو اور تم اُس بیوی کو انبار کا انبار مال (بطور مہر یا ہبہ) دے چکے ہو تو تم اُس مال میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔ دوسری جگہ اہم قید عدت کی لگائی ہے عدت کی مدت تین مہینہ کی رکھی ہے اور یہ اس لیے ہے کہ طلاق رفتہ رفتہ تین مہینہ کے اندر اپنی تکمیل کو پہنچے یہ نہ ہو کہ عورت دفعۃً قیدِ نکاح سے باہر ہو جائے۔ والمطلقٰت

یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروءٍ (بقرۃ ۲۸)

اور طلاق پائی ہوئی عورتیں اپنے کو انتظار میں رکھیں تین بار کے ایام ماہوار تک۔ دفعتہً واحدۃً تین طلاقیں بعض ائمہ کے نزدیک تو جائز ہی نہیں۔ حنفیہ کے ہاں ایسی طلاق کا گو قانونی نفاذ ہو جاتا ہے تاہم ناپسند اُن کے ہاں بھی کی گئی ہے اور یہ دکھانے کو کہ ایسی طلاق دینا مخالفت سنت کے گناہ کا مرتکب ہونا ہے اس کا نام تک طلاق بدعی رکھا ہے۔ (یہ تین ماہ کی مدت ایسی ہے کہ شوہر کو غور و فکر کا کافی موقع مل سکتا ہے اور ناگواری اگر کسی ہنگامی غصہ یا فوری اشتعال کا نتیجہ ہے تو بآسانی دور ہو سکتی ہے)۔ تین مہینہ کی جدائی میں فریقین کو ایک دوسرے سے متعلق اپنے جذبات کا بھی صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ طلاق کا مسنون و پسندیدہ طریقہ یہ ہے کہ شوہر صرف ایکبار طلاق دے اور اگر چاہے تو تین مہینہ کے اندر اس سے رجوع کرے اگر رجوع نہیں کیا تو یہی طلاق بائن ہو جائے گی یعنی اس کا نفاذ ہو جائیگا اور اب رجوع بجز دوسرے شخص سے نکاح کر لینے کے بعد ممکن نہیں رہے گا۔ "قروء" کا لفظ لا کر آیت میں یہ بھی بتلا دیا کہ زمانۂ عدت کا آغاز زمانہ طہر سے ہونا چاہیئے۔ اور چونکہ عدت کا آغاز عین وقت طلاق ہی سے ہو جاتا ہے اس لیے گویا حکم یہ ہوتا ہے کہ طلاق جب دی جائے تو حالت طہر ہی میں ہو جب کہ

فریقین کے تعلقات زندہ و بیدار ہوتے ہیں۔ نہ کہ عورت کے اُس مخصوص زمانے میں جب کہ فریقین میں فی الجملہ علیحدگی سی ہوتی ہے بلکہ احادیث سے تو یہاں تک ثابت ہے کہ حضور انورؐ کو عورت کے زمانۂ ناپاکی کی طلاق سخت ناپسند تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جب اس حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دی اور حضورؐ کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے اُسی وقت اُن سے رجوع کرایا۔ صحاح کی حدیثوں میں یہ روایت بہ تفصیل موجود ہے۔

پھر اگر اس تین ماہ کی مدت میں شوہر رجوع کرلے تو بہتر ہے۔ وبعولتھن احق بردھن فی ذلک ان ارادوا اصلاحًا (بقرع ۲۸) اور اُن کے شوہر ہی اس مدت کے اندر اُنہیں لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں اگر قصد اصلاح ہو۔ اتنی مدت کے بعد بھی اگر دبی ہوئی محبت نہیں اُبھرتی تو معلوم ہوا کہ مزاجوں کی ناہمواری حد تدبیر سے باہر ہو چکی ہے۔ اور اب علاج اگر ہے تو علیحدگی ہی ہے" اگر قصد اصلاح ہو" (ان ارادوا اصلاحًا) کی قید بڑھا کر واضح کر دیا کہ رجعت کا مقصد آئندہ کے لیے اصلاح حال اور سدھری ہوئی خوش و خرم زندگی ہونا چاہیے۔ تنگ کرنے یا تکلیف دینے کے خیال سے یا محض لوگوں کی شرما شرمی میں بلا قصد اصلاح رجعت کرنا نہ کرنا برابر ہوگا۔ اگر شوہر کا دل بالکل ہی ہٹ نہیں

چکا ہے اور آئندہ موافقت کی کوئی گنجایش باقی ہے تو اسکی
ایک عملی صورت بھی ارشاد فرمائی گئی ہے :- وان خفتم
شقاق بینھما فابعثوا حکما من اہلہ وحکما من
اہلھا ان یرید ا اصلاحا یوفق اللہ بینھما (نساء ۶)
اگر تم لوگوں کو میاں بیوی میں رنجش کا اندیشہ ہو تو چاہیے کہ ایک
حکم شوہر کے خاندان سے اور ایک حکم بیوی کے خاندان سے مقرر
کرو پھر اگر میاں بیوی موافقت چاہیں گے تو اللہ ان میں اتفاق
پیدا کردے گا ۔ " اگر میاں بیوی موافقت چاہیں گے" (ان
یرید ا اصلاحا) کی قید یہاں بھی لگی ہوئی ہے ۔ یعنی اصل
دارو مدار فریقین کی مناسبت مزاج و توافق پر ہے ۔ اگر محبت
کی چنگاری بالکل جل کر بجھ نہیں چکی ہے بلکہ محض زیر خاکستر
ہے تو باہر والوں کی کوشش سے پھر چمک اٹھے گی ۔
جلد بازی کے علاج کے طور پر شوہر کو یہ بھی صاف سمجھا
دیا گیا ہے کہ طلاق کا کلمہ زبان سے خوب سوچ سمجھ کر نکالے
اس لیے کہ تیسری بار طلاق پڑ جانے کے بعد اب کوئی صورت
اس بیوی سے مراجعت کرنے کی باقی نہ رہے گی ۔ سوا اس کے
کہ وہ بیوی کسی اور سے نکاح کرے اور پھر وہ شوہر بھی اسے
چھوڑ دے ۔ فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح
زوجا غیرہ فان طلقھا فلا جناح علیھما ان یتراجعا

ان ظنا ان یقیما حدود اللہ (بقرع ۲۹) جب شوہر طلاق بائن دیدے تو وہ عورت اس شوہر کے لیے حلال نہیں ہوتی تاوقتیکہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح نہ کرلے ۔ پھر اگر وہ بھی اسے طلاق دیدے تو کوئی حرج نہیں اگر وہ میاں بیوی ایک دوسرے کی طرف رجوع کرلیں ۔ اگر انہیں یقین ہو کہ وہ اللہ کے ضابطوں کو قائم رکھیں گے اور اب کی پھر نزاع واختلاف حقوق کی نوبت نہ آنے پائے گی[1]

جب میل وموافقت کی سب راہیں بند نظر آئیں اور چارہ کار طلاق ہی رہ جائے جب بھی حسن سلوک وحسن معاشرت کی ہر صورت وبہر حال تاکید ہے ۔ الطلاق مرتٰن فامساك بمعروف اوتسریح باحسان (بقرع ۲۹) طلاق (جس کے اندر رجوع کرنا جائز ہے) دو مرتبہ ہے اس کے بعد پھر دو ہی صورتیں ہیں یا تو قاعدہ کے ساتھ واپس لے لینا اور یا خوش عنوانی کے ساتھ رخصت کردینا ۔ بقول حضرت مولانا تھانوی مدظلہ خوش عنوانی سے چھوڑنے کے لیے ضرور ہے کہ نیت بھی شرع کے موافق ہو یعنی رفع نزاع مقصود ہو ۔ یہ قصد نہ ہو کہ اس کی دل شکنی کریں اس کو ذلیل

---

[1] اور حلالہ کے بعد زوج اول کے ساتھ نکاح ہونا جب ہی ہے کہ ان کو حکم خداوندی کے قائم رکھنے یعنی ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کا خیال اور اس پر اعتماد ہو ۔ ورنہ ضرور نزاع باہمی اور اتلاف حقوق کی نوبت آئیگی اور گناہ میں مبتلا ہوں گے (حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن)

کریں اس لیے نرمی و دلجوئی کی رعایت ضروری ہے (تفسیر بیان القرآن جلد ۱ صہ ۱۲۲) اس کے بعد پھر تاکید ہے، واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف اوسرحوھن بمعروف ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا ومن یفعل ذلک فقد ظلم نفسہ (بقرع ۲۹) اور جب تم طلاق دے چکے عورتوں کو اور وہ اپنی عدت کو پہونچنے لگیں تو یا روک لو ان کو موافق دستور کے، یا چھوڑ دو انھیں اسی طرح سے اور ان کو ستانے کے لیے نہ روکے رہو کہ ان پر زیادتی کرنے لگو اور جو کوئی ایسا کرے گا سو اپنی ہی جان پر ظلم کرے گا۔ سورۂ طلاق میں ایکبار پھر ارشاد ہوتا ہے فاذا بلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او فارقوھن بمعروف (طلاق ع ۱) جب ان عورتوں کی عدت ختم ہونے لگے تو انھیں یا خوش عنوانی کے ساتھ روک لو (یعنی بدستور اپنے نکاح میں رہنے دو) یا خوش عنوانی کے ساتھ چھوڑ دو۔

سورۂ بقر میں ایک جگہ مطلقہ عورتوں کی مختلف قسمیں کرکے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا ذکر کرکے آخر میں ایک عام ارشاد ہر قسم کے مطلقات کے لیے ہوتا ہے۔ وللمطلقات متاع بالمعروف حقا علی المتقین (بقرع ۳۱) سب مطلقہ عورتوں کو فائدہ پہونچانا دستور کے موافق یہ حق ہے متقین کے اوپر۔ غرض

بار بار تاکید و تصریح ہے تو اسی کی کہ ظلم و زیادتی، اتلاف حقوق ہرگز نہ ہونے پائے (رشتۂ نکاح جب تک قائم رہے تو اسی غرض سے کہ طرفین کی زندگی لطف و راحت سکون و اطمینان سے بسر ہو اور رشتۂ نکاح اگر توڑنا پڑے جب بھی مقدم لحاظ اسی کا رہے کہ دفع ظلم، رفع نزاع، دفع شر ہو) ان حدود اور ان قیود ان شرطوں اور ان حدبندیوں کے ساتھ بھی کیا طلاق کوئی ظالمانہ فعل کسی درجہ میں باقی رہ جاتا ہے؟ کیا اب بھی اسلامی طلاق کو سزا کے مترادف قرار دینا صحیح ہوگا؟ دنیا کا کوئی قانون اس سے زیادہ حکیمانہ اس سے بڑھ کر مصالح پر نظر رکھنے والا ہو سکتا ہے؟ ممانعت قطعی اگر کسی شئے کی ہے تو بیوی کے ساتھ بدسلوکی کی۔ بیوی کو دکھ پہنچانے کی، بیوی کو جلانے، ستانے تڑپانے کی۔ اسے معلق چھوڑ دینے کی اس کے ادائے حقوق کی طرف سے غافل ہو جانے کی اور حکم موکد اگر ساری ازدواجی زندگی میں کسی شئے کا ہے تو وہ عاشروھن بالمعروف کا حسن معاشرت کا، رفق و ملاطفت کا۔ اگر یہ صورت نکاح ہو تو سبحان اللہ اگر حالات اسے ناممکن بنادیں تو بہ صورت افتراق سہی لیکن رہے بہر حال یہی۔ کیا ایسے منصفانہ، ایسے مصلحانہ قانون کی نظیر دنیا کہیں پیش کر سکتی ہے؟

عدت خصوصیت اسلام ہے۔ زمانہ عدت کا تقرر اسلامی قانون کے مختصات میں سے ہے۔ آخر ہی بحث یہ رہ جاتی ہے کہ شریعت نے اس مدت کے لیے کیا احکام مقرر فرمائے ہیں۔ اور آغاز طلاق سے لیکر

انھیں طلاق تک عورت کو کس حال میں چھوڑا ہے ؟ ایک بیوی جو
کل تک گھر میں بیٹھی ہوئی راج کر رہی تھی کیا وہ شوہر کی زبان سے کلمہ
طلاق نکلتے ہی معاً گھر سے نکال دی جائیگی ۔ اور اس وقت سے اُسے اپنی
ضروریات زندگی کے لیے خود انتظام کرنے پر مجبور ہو جانا پڑے گا ؟

اس کے جواب میں متعدد آیات قرآنی پہلے ہی گزر چکی ہیں جن میں تصریح
و تاکید ہے کہ طلاق کے وقت بیوی کو ننگی بوچی کر کے نہیں بلکہ مہر کی
رقم نیز بقدر وسعت کچھ اور سامان دے دلا کر اچھی طرح رخصت کرنا
چاہیے ۔ لیکن رخصت کرنے کے بھی یہ معنی نہیں کہ اُسی وقت گھر سے
باہر نکال دیا جائے ۔ بلکہ کلام پاک میں تصریح ہے کہ زمانۂ عدت عام
حالت میں شوہر ہی کے مکان میں گزارنا چاہیے اور شوہروں کو حکم
ہے کہ بلا وجہ خاص ہرگز گھر سے باہر نہ نکالیں ۔ اذا طلقتم النساء
فطلقوھن بعدتھن واحصوا العدۃ واتقوا اللہ ربکم
ولا تخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن الا ان یاتین
بفاحشۃ مبینۃ وتلک حدود اللہ ومن یتعد حدود
اللہ فقد ظلم نفسہ (طلاق ۱۴) جب تم اپنی عورتوں کو طلاق
دو تو اُن کی عدت سے پہلے طلاق دو اور عدت کو یاد رکھو اور
اپنے رب کا تقویٰ رکھو ان عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور
نہ وہ خود نکلیں سوا اس صورت کے کہ وہ کوئی کھلی بیحیائی کر بیٹھیں ۔
(اس صورت میں انھیں نکالنا جائز ہوگا) اور یہ اللہ کی حدیں ہیں ۔

جو شخص اللہ کے حدود سے تجاوز کرتا ہے وہ اپنی ہی جان پر ظلم کرتا ہے۔ گویا جب تک کوئی صریح قصور نہ صادر ہو[1] مطلقہ عورتوں کو تین مہینہ تک گھر میں رہنے دینا اسی طرح ضروری ہے جس طرح منکوحہ بیویوں کے لیے ہوتا ہے۔ ذرا آگے بڑھ کر پھر اسی حکم کی تاکید ہے۔

اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم ولا تضاروھن لتضیقوا علیھن (طلاق ع) مطلقہ عورتوں کو اپنی حیثیت کے مطابق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو اور انہیں تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ دو۔

من وجدکم کا لفظ سکنیٰ سے گذر کر نفقہ پر بھی حاوی ہے چنانچہ امام ابو منصور ماتریدیؒ سے اس کی تفسیر یہ منقول ہے کہ مطلقہ عورتوں کو وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو اور انہیں نفقہ اپنی حیثیت کے لائق دیتے رہو

---

[1] فاحشۃ مبینہ کا مفہوم نہایت وسیع ہے۔ ہر بڑی برائی خواہ اس کا تعلق قول سے ہو یا فعل سے فحش و فاحشہ کہی جا سکتی ہے۔ الفحش والفحشی والفاحشۃ اعظم قبحہ من الافعال والاقوال (راغب) سلف سے اس موقعہ پر متعدد معنی منقول ہیں۔ مثلاً حرامکاری، بدزبانی، ہر معصیت، شوہر سے گستاخی، گھر سے باہر نکلنا۔ میرے نزدیک سب سے زیادہ صحیح قول ان کا ہے جنھوں نے یہ کہا کہ اس موقعہ پر فاحشہ سے مراد مطلقاً معصیت ہے اس لیے کہ فاحشہ کے معنی بھی ہر امر قبیح کے ہیں پس زنا، سرقہ، بدزبانی، اور گھر سے بزمانہ عدت باہر نکلنا یہ سب اس کے تحت میں آجاتا ہے۔

جصاص حنفیؒ اور ابن عربی مالکی نے بھی اپنے اپنے احکام اقوال اسی طرح کے متعدد معانی نقل کیے ہیں۔ فقہا حنفیہ میں (علاوہ جصاص کے) جینی شارح کنز نے بھی فاحشہ مبینہ سے یہی مراد لی ہے۔ کہ شوہر کے اعزہ سے بدزبانی کی جائے۔ اور انہیں تکلیف دی جائے۔ وھو ان تفحش علی اہل الرجل فتوذیھم۔

قال الامام ابو منصور ماتریدی تاویل هذا الآیۃ اسکنوهن من حیث سکنتم وانفقو علیهن من وجدکم (کفایہ شرح ہدایہ)

اہل تفسیر میں سے صاحب معالم وصاحب خازن نے بھی یہاں مسکن کے ساتھ نفقہ کو بھی شامل رکھا ہے اور ابن جریر نے سدی کا قول بھی اسی معنی میں نقل کیا ہے۔ عن السدی قال المراۃ یطلقہا فعلیہ ان یسکنہا وینفق علیہا۔ کہ جب عورت کو طلاق دی جائے تو شوہر کے ذمہ اُس کا مسکن ونفقہ واجب ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود عبداللہ ابن مسعودؓ کی ایک قرات اس معنی کی تائید میں ملجاتی ہے۔ یدل علی صحۃ هذا التاویل قراۃ ابن مسعودؓ وانفقو علیهن من وجدکم (کفایہ شرح ہدایہ)۔ اس معنی کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ابن مسعودؓ سے اس آیت کی قرات یوں منقول ہے وانفقو علیهن من وجدکم۔ ملک العلماء مسعودؓ کا سانی دونوں قرأتوں کا ذکر کرکے لکھتے ہیں کہ والاختلاف بین القرائتین لکن احدهما تفسیر الاخری کقول عزوجل والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیهما وقرأۃ ابن مسعود ایمانهما ولیس ذلك اختلاف القراۃ بل قراۃ تفسیر قراۃ الظاهر فکذا هذا (بدائع صنائع جلد ۳ صفحہ ۲۱ مصری) دونوں قراتوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں بلکہ ایک قرأت دوسری

محض تفسیر ہے جیسے اس آیت میں السارق والسارقة فاقطعو ایدیھما من ابن مسعودؓ کی قرأت ہے (یعنی چوری کرنیوالے اور کرنیوالی دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو کے بجائے دونوں کے داہنے ہاتھ) یہ اختلاف قرأت نہیں بلکہ ابن مسعودؓ کی قرات شرح و تفسیر ہے مشہور قرأت کی ایسا ہی اس موقع پر بھی ہے۔ مسکن کے حکم میں نفقہ کا حکم شامل ہی ہے اس لیے کہ جب عورت مکان کے اندر رہے گی تو کچھ کما نہ سکے گی اب اگر اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ نہ ڈالا جائے اور خود اُس کے پاس کچھ ہے نہیں تو سوائے اس کے کہ ہلاک ہوجائے یا سخت مصیبت میں پڑے اور کیا نتیجہ ہوگا اور یہ جائز ہے نہیں۔

چنانچہ فقیہ ابن ہمامؒ نے بھی آیت سے یہی مسئلہ نکالا ہے۔ فی قولہ تعالیٰ اسکنوھن الخ فان المراد انفقوا علیھن وجدکم (فتح القدیر) آیہ کریمہ اسکنوھن الخ سے مراد یہی ہے کہ مطلقہ عورتوں کو نفقہ اپنی حیثیت کے لایق دیتے رہو۔

کلام مجید کی ضروری تصریحات گذر چکیں۔ تلاش سے اور بھی مل سکتی ہیں۔ دفتر احادیث اس متن کی شرح ہے۔ البتہ ایک "اثر" جو فاطمہ بنت قیس کا جو متعدد طریقوں سے مروی ہوا ہے اس مضمون کا ہے کہ انہیں طلاق کے بعد حضورؐ نے اُن کے شوہر سے نفقہ و مسکن نہیں دلوایا۔ بلکہ اُن کے لیٔے ایک دوسرے مکان میں زمانۂ عدت گزارنے کا انتظام فرمایا اور فقہاء شافعیہ نے اسی

حدیثؓ سے استناد و احتجاج بھی کیا ہے۔ لیکن حنفیہ نے اپنی کتابوں میں اس کے معقول و شافی جوابات دئے ہیں۔ اور سب سے زیادہ بسط و تحقیق کے ساتھ امام ابوجعفر طحاویؒ نے کہ وہ جس پایہ کے فقیہ تھے اُسی پایہ کے محدث بھی تھے اس مسئلہ پر شرح معانی الآثار میں گفتگو کی ہے۔ اور کنز کے بعض شارحین نے بھی تفصیل و اطناب سے کام لیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اوّل تو نفس روایت، اپنے مختلف طرق کے اختلافات و تناقصات کی بنا پر خود ہی مشتبہ ہے دوسرے یہ کہ اکابر صحابہ مثلاً حضرت عمرؓ حضرت عائشہؓ حضرت زید بن ثابتؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت اسامہ بن زیدؓ وغیرہم کے سامنے یہ روایت پیش ہوئی اور انھوں نے اس سے انکار کیا اور عمل اس کے خلاف کیا۔ تیسرے یہ کہ ان صاحبہ کا نفقہ و مسکن جو شوہر کے ذمہ سے ساقط کرایا گیا یہ استثنائی صورت انہیں کے قصور یعنی زبان کی تیزی کی بنا پر ہوئی نہ یہ کہ یہ کوئی عام قانون تھا۔

کیا اس کا کوئی بدل ہے؟ اب اسلام کی ساری تعلیمات طلاق کے بارے میں بقدر ضرورت پیش نظر ہو چکیں ان سب کے مطالعہ کے بعد اپنے دل کو ٹٹولیے اور اپنے ہی سے سوال کیجئے کہ اسقدر حکیمانہ و عادلانہ قانون کا بدل (نعم البدل نہ سہی محض بدل) دنیا اب تک کسی گوشہ میں کسی دور میں پیش کر سکی ہے؟ اور جنھوں نے اس تعلیم کو بھی ظالمانہ کہہ کر پکارا ہے۔ حقیقۃً ان سے بڑھکر ظالم اور کون ہے۔

عتابِ محبوب

عتابِ محبوب

صورتِ حال۔ صورت یہ ہوئی کہ ایک بار مکہ میں حضورؐ اپنی مجلس میں مصروفِ تبلیغ تھے کہ قریش کے بڑے بڑے زورآور اور متکبر سردار، ابوجہل، شیبہ، امیہ، وغیرہم آنکلے اور اس مجلس میں بیٹھ گئے۔ اسلام سے بڑھ کر ظاہر ہے کہ حضورؐ کو کونسی شئے عزیز ہوسکتی تھی؟ دن رات اُٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے۔ دُھن تھی تو اسی کی، تڑپ تھی تو اسی کی۔ ایسا موقع مل جانا حضورؐ کے نقطۂ نظر سے غنیمت نہیں نعمت تھا ایسے موقع حاصل ہی کب ہوتے تھے؟ منکرین قریش، حضورؐ کی کوئی آواز اپنے کانوں تک آنے ہی کے کب روادار ہوتے تھے جتنی سرگرمی جس قدر انہماک، خیال میں آسکتا ہے، حضورؐ اس سب کے ساتھ انھیں کی طرف متوجہ تھے، خدا جانے کن کن آرزوؤں کے ساتھ کہ ان میں سے ایک متنفس بھی ایمان قبول کرلے، تو اس کے ساتھ بیسوں، پچاسوں، سیکڑوں اور مسلمان ہوجائیں!

عین ایسے موقع پر ایک نابینا اور وجاہت دنیوی کے اعتبار سے ایک بالکل معمولی درجہ کے مسلمان، حاضرِ خدمت ہوتے ہیں، اور کچھ پوچھ پاچھ شروع کردیتے ہیں۔ غریب کو کیا خبر کہ یہاں کون کون بیٹھا ہوا ہے۔ سردارانِ قریش کی ذہنیت کا

تعال معلوم ہے ۔ اپنے مرتبہ اپنی پوزیشن کے نشہ میں کس قدر چور رہتے تھے ۔ بدر میں مقابلہ پر جب انصار (شرفائے مدینہ) آئے تو یہ کہکر لڑنے سے انکار کر دیا، کہ تم ہمارے برابر کے نہیں اچنانچہ نہیں لڑے، جب تک کہ مقابلہ میں خاندان قریش ہی کے مومنین صف آرا نہ ہو گئے ۔ اسی بدر میں ابوجہل جب قتل ہونے لگا تو عین اس وقت اپنے قاتل سے رحم کی درخواست نہیں کرتا، بلکہ پوچھتا ہے کہ تم ہو کون ؟ اور جب جواب میں ان کا انصاری ہونا سنتا ہے، تو حسرت و یاس سے انھیں آخری لفظوں پر دم توڑتا ہے، کہ کاش میرا قاتل شرفائے مکہ میں سے کوئی ہوتا ! افسوس کہ جان ایک کاشتکار کے ہاتھ سے جا رہی ہے!

یہ تھی ذہنیت ان قریشی سرداروں کی ۔ اس ذہنیت کے افراد پر، جو اثر ان نابینا کے یک بیک آ جانے اور (ان کے نقطۂ خیال سے) تو دخل در معقولات شروع کر دینے کا پڑا ہوگا، وہ ظاہر ہے ۔ حضورؐ سے بڑھ کر ان لوگوں کے ایمان لے آنے پر حریص اور کون ہو سکتا تھا ۔ ٹھیک اسی نسبت سے حضورؐ پر تنغص و انقباض کا اثر ہونا بھی بالکل قدرتی تھا ۔

اب آیت پڑھیے اور مفہوم، مقتضائے حال کی مناسبت سے پوری طرح ذہن نشین کرتے جائیے ۔

عبس و تولی ان جاءہ الاعمی ۔ نبیؐ اپنی مجلس خاص میں منقبض

ہوگئے اور بے التفاتی برتی اس پر کہ ایک نابینا آوارد ہوئے۔
اعمیٰ کا لفظ کسی تحقیر یا تعریض کے لیے نہیں، بلکہ یہ لفظ لاکر گویا ان صحابیؓ کی طرف سے صفائی پیش کردی گئی، کہ ان بیچارے کی یہ مداخلت، قصداً اور دانستہ نہ تھی!

تبلیغ کا اقتضاء۔ حضورؐ انورؐ اس موقع پر، اور ان حالات میں، یہ نہ کرتے تو اور کیا کرتے، کوئی بھی مبلغ ایسے موقع پر ہوتا تو اور کیا کرتا؟ کیا اُن بڑے بڑے سرداروں کے ایمان لانے کا موقع یوں ہاتھ سے نکلے جاتے دیکھنے پر خوش ہوتا؟

فروع کا سوال۔ پھر وہ صحابیؓ صاحب، زیادہ سے زیادہ پوچھنا کیا چاہتے تھے خدانخواستہ انھیں توحید میں شک تھا؟ رسالتؐ میں شبہ تھا؟ وجود آخرت میں تردد تھا؟ مومن تو بحمداللہ وہ تھے ہی۔ جو کچھ بھی پوچھتے، دین کے فروع ہی کی کوئی بات ہوتی، کہاں کسی کو دین کے اندر کوئی فرعی عمل بتانا اور کہاں کفّار کے کسی رئیس، یا چند روساء کو دائرہ اسلام میں لانا! دونوں کی اہمیت کا کوئی مقابلہ ہوسکتا تھا؟ چہ جائیکہ جب وہ چند کافر، چندسو کے لیے ذریعہ ہدایت بن سکتے تھے!
نبیؐ سے کمتر ضبط رکھنے والا کوئی دوسرا مبلغ ہوتا، تو یہ وقت تو وہ تھا، کہ بے اختیار جھنجلا اٹھتا۔ حضورؐ خود بھی اگر اس گھڑی قولی یا فعلی، کوئی، سختی یا تشدد برتتے، جب بھی فطرت بشری

کے لحاظ سے بالکل حق بجانب ہوتا نہیں فطرت بشری ہی نہیں، فطرت نبویؐ کے بھی عین مطابق ہوتا، راہ تبلیغ میں رکاوٹ دیکھئے، کون نبیؐ ایسا تھا، کہ اللہ ہی کے واسطے اللہ ہی کے دین کے واسطے جوش سے تمتما نہ اٹھتا؟ —— لیکن یہاں کمال حلم سے یہ بھی تو نہ ہوا۔ اور معاملہ صرف عدم التفات اور چین جبین پر ختم ہو کر رہا! اور وہ صاحب ٹھہرے آنکھوں سے معذور۔ انھوں نے دیکھا ہی نہیں، اس لیے ان کی کچھ زیادہ دلشکنی بھی نہ ہونے پائی۔

غرض مبلغ اعظمؐ نے جو بھی کیا ، اس موقع پر کوئی بشر یہاں تک کہ پیمبر بھی اس سے زیادہ، اور اس کے سوا کر ہی نہیں سکتا تھا۔ لیکن اب انکی سنئے، جو بشر نہیں، خالق بشر ہیں اور جن کے لیے انسانی غیب، اور شہادت" دونوں ایک حکم میں ہیں فرماتے ہیں، اور ان کا فرمانا، بشری دماغ کی تشریح کے مطابق سمجھتے جائیے!۔

وما یدریك لعلہ یزکی ۔ اے پیغمبر آپ کو غیب کی کیا خبر؟ ممکن تھا کہ ہمارے علم غیب میں یہی مقدر ہوتا، کہ وہ صحابیؓ آپ کی اس وقت کی توجہ و التفات سے پوری طرح نکھر جاتے! نکھرے ہوئے تو تھے ہی، اب پوری طرح سنور جاتے۔ کمال تزکیہ حاصل کر لیتے۔

او یذکر فتنفعه الذکریٰ - یا یہی ہوتا کہ وہ جو خاص چیزیں آپ سے دریافت کرنے آئے تھے، اسی میں آپ کی نصیحت پوری طرح کارگر ہو جاتی، اسی باب خاص میں انھیں پوری تشفی ہو جاتی!

اجتہاد نبوی صحیح یقیناً نہیں قرار پایا - لیکن کس معیار سے؟ کسی بشری، انسانی، طبعی، مخلوقی، یہاں تک کہ پیمبری معیار سے بھی نہیں! محض خدائی، الٰہی، فوق البشری عالم غیبی معیار سے!

ارشاد ہوتا ہے کہ آپ کا اجتہاد بجائے خود بالکل صحیح، مرض کی اہمیت یقیناً انہی کفار کی بہت بڑھی ہوئی تھی، لیکن مسئلہ کا دوسرا رُخ بھی تو تھا - نظر اُدھر کرنی چاہیے تھی سرداران قریش کا مرض لاکھ اہم سہی، یہ بھی بالکل درست کہ ہر طبیب، زکام کے مریض سے کہیں بیشتر ہیضہ ہی کے مریض پر توجہ کرے گا لیکن پھر یہ بھی تو ہے، کہ وہ بدبخت طالب علاج تھے کب؟ ساری کنجی لفظ

اما من استغنیٰ فانت له تصدیٰ - استغنیٰ سے، وہ اپنے کو مریض اور محتاج علاج سمجھ ہی کہاں رہے تھے؟ اب تو اُلٹے آپ سے نفرت و وحشت کر رہے تھے، طلب حق سے بیزار تھے، آپ کے پاس سے ہٹنے اور بھاگنے کا بہانہ ڈھونڈ رہے تھے،

اور آپ انھیں کی طرف لیے جاتے تھے حق تعالیٰ کی غیرت اسے گوارا نہیں کر سکتی۔ ایمان لائیں نہ لائیں، خود ہی بھگتیں گے۔

یہ بالکل درست، کہ مبنی و منشار آپ کے اس عمل کا، آپ کی غرض اصلاح و شفقت علی الخلق ہی تھی۔ لیکن اثرات تبلیغ کے ترتیب و وقوع کا اس درجہ اہتمام آپ کے ذمہ ہے کب؟ آپ کا کام صرف تبلیغ کر دینا ہے۔ وہ نہیں سُنتے تو۔ **وما علیك الا یزکی**۔ آپ کو کیا۔ نتائج و ثمرات تو تمامتر ہمارے ہاتھ میں ہیں۔ وہ نہ مانیں آپ کی بلا سے۔ آپ پر ان کے نہ ماننے کا کیا الزام؟ اور آپ کیوں اس فکر میں پڑیئے۔

اب رہا وہ دوسرا شخص جس سے آپ نے بے التفاتی برتی، اس کا مرض لاکھ ہلکا سہی اور اس پر ضرورت توجہ اس حیثیت سے اور اسی نسبت سے، ہزار مؤخر۔

واما من جاءك یسعیٰ وھو یخشیٰ فانت عنه تلھیٰ

لیکن یہ بھی تو خیال کیجئے، کہ وہ طلب صادق کے ساتھ امید شفا لے کر، اپنے کو مریض اور آپ کو طبیب سمجھ کر دوڑا ہوا آیا تھا۔ اس کے دل میں اعتراض نہیں، اللہ کا ڈر تھا وہ نسخہ شفا آپ سے مانگنے آیا تھا۔ کیا اب بھی وہ مستحق توجہ نہ تھا؟ اس کا حق راجح نہ تھا؟

خیر یہ واقعہ خاص تو گذر ہی چکا۔ آئندہ ایسا نہ ہونے پائے۔

خوب مستحضر رکھیے کہ

کلا انہا تذکرۃ فمن شاء ذکرہ ۔ کلام مجید زبردستی کسی کے سر پر چپکنے کی چیز ہی نہیں محض نصیحت کی کتاب ہے۔ جس کا جی چاہے، اسے ہنسی خوشی قبول کرے جو ادھر نہ آنا چاہے وہ آپ بھگتے گا۔

اس کے آگے بھی کچھ دور۔ کلام مجید ہی کے خصوصیات کا بیان چلا گیا ہے لیکن جو سوال تھا، اس کا جواب ختم ہو چکا ان توضیحات و تصریحات کے بعد نبی کریم صلعم کا طرز عمل بحمد اللہ بالکل شفاف بے غبار نظر آنے لگا، اور کم از کم اس باب میں ذہن کو کوئی الجھن باقی نہیں رہی۔

میلادی روایات

میلادی روایات

بعض پچھلے نمبروں میں بہ ذیل مراسلات' میلادی روایات کی صحت و عدم صحت پر کچھ گفتگو آچکی ہے' آج کی صحبت میں پھر اس پر ایک نظر کرنا ہے۔

کلام مجید میں ذکر متعدد انبیاء کرام کا آتا ہے' لیکن صرف چند انبیاء کرام اور ان کے متعلقین ہیں' جن کی پیدائش یا ولادت کا بھی ذکر آیا ہے۔ اس مختصر فہرست میں سب سے پہلے نام حضرت آدم علیہ السلام کا ہے۔ آپ کی پیدائش خوارق عادات کا ایک مجموعہ تھی' اور فطرت کے عام دستور کے بالکل مخالف ہوئی۔ اوّل تو آپ کو بغیر ماں اور بغیر باپ کے پیدا کیا گیا' پھر فرشتوں سے آپ کی تعظیم کرائی گئی' اور جس مخلوق نے آپ کو سجدہ کرنے سے انکار کیا وہ ہمیشہ کے لئے ملعون ہو گیا۔ آپ کو تمام اسماء کا علم کرادیا گیا' آپ کی پیدائش سے قبل فرشتوں سے خاص طور پر گفتگو فرمائی گئی۔ اور پیدائش کے بعد ہی فرشتوں کے علم کا آپ کے علم کے مقابلہ میں امتحان لیا گیا' جس میں آپ کو کامیابی ہوئی۔ ظاہر ہے کہ یہ سارا سلسلۂ واقعات عام انسانوں کی پیدائش کے قبل و بعد وجود میں لاتے رہنے کا دستور نہیں۔ زوج آدمؑ حضرت حواؑ کی پیدائش کے بابت کوئی تصریح کلام مجید میں وارد نہیں' لیکن اس قدر

ہے کہ وخلق منہا زوجہا (اسی نفس واحد یعنی آدمؑ سے اُس کے زوج کو پیدا کیا)، اور اکثر مفسرین مثلاً امام ابن جریر، حافظ ابن کثیر، قاضی بیضاوی وغیرہم نے قتادہؓ، سدیؒ، و ابن عباسؓ کے حوالے دے کر یہ معنی لکھے ہیں، کہ آپ کی پیدایش حضرت آدمؑ کی پسلی سے ہوئی۔ یہ معنی بالکل صحیح ہوں یا نہ ہوں، لیکن اتنا اشارہ تو کلام مجید سے بھی ہوتا ہے، کہ آپ کی پیدایش فطرت کے عام دستور سے ہٹ کر کسی اور طریق پر ہوئی تھی۔

حضرت اسحٰقؑ کی ولادت کے سلسلہ میں کلام مجید سے ثابت ہے کہ بشارت دینے فرشتے انسان کی صورت میں مرئی ہوکر آئے، جنھیں آپ کی والدہ نے، جونہی نہ تھیں دیکھا، اور اُن سے گفتگو کی، اور اُن فرشتوں نے انھیں حضرت اسحٰقؑ کے علاوہ حضرت یعقوبؑ کی بھی بشارت دی، اور اُن کے دل کو تسلی اور ڈھارس دی۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت پر، اُنکی والدہ پر، باوجود اُن کے نبی نہ ہونے کے، وحی نازل ہوئی۔ اُن کے دل کو تسلی وتشفی دی گئی، حضرت موسیٰؑ کی حفاظت کا ایک خاص طریقہ بتایا گیا، اُن کے محفوظ رہنے اور آیندہ پیمبر بننے کا علم جو اب تک پردۂ غیب میں تھا، اُن کی والدہ کو عطا کیا گیا۔ پھر سمندر میں ڈالے جانے کے بعد معجزانہ

انداز سے آپ کی پرورش فرعون و اہل فرعون سے کرائی گئی، اور رضاعت پر آپ کی والدۂ ماجدہ ہی کو مقرر کرایا گیا - یہ ساری تصریحات کلام مجید ہی میں ہیں، احادیث میں اور زائد تفصیلات موجود ہیں - یہ سارے واقعات خوارق عادت ہیں یعنی فطرت کے عام دستور کے خلاف ہیں -

حضرت یحییٰؑ کی ولادت اُس وقت ہوئی، جب آپ کے والد ماجد اپنے کو بوجہ ضعیفی تولید کے ناقابل اور آپ کی والدہ کو عقیمہ سمجھ چکے تھے - پھر اس مبارک ولادت کی بشارت فرشتوں نے پکار پکار کر دی - اور حضرت عیسیٰؑ کی ولادت تو ایک مجموعۂ عجائب ہے - آپ کی والدہ ماجدہ حضرت مریمؑ کا بغیر کسی مرد کے حاملہ ہو جانا، باوجود نبی نہ ہونے کے فرشتوں کا آپ سے گفتگو کرنا، اور اپنے بطن سے ایک نبی مرسل کے تولد ہونے کی بشارت ملنا، وضع حمل کے وقت ایک چشمہ کا جاری ہو جانا، تازہ پھلوں کا خود بخود آ گرنا، پھر حضرت مسیحؑ کا بچپن ہی میں بولنے لگنا، اور اپنی والدہ مکرمہ کی پاکدامنی کی شہادت دینا ہر واقعہ بجائے خود ایک معجزہ ہے - خود حضرت مریمؑ کے پاس اپنے بچپن میں بغیر کسی ظاہری ذریعہ کے کھانا پہونچ جانا قرآن ہی میں درج ہے - اور احادیث میں خوارق عادات کے مزید جزئیات مل جاتے ہیں -

بہرحال اللہ کے جتنے نیک اور برگزیدہ بندوں اور بندیوں کی پیدائش کا ذکر کلام مجید میں ہے، اُن سب میں یہ امر مشترک ہے، کہ ان میں سے ہر ایک کی پیدائش کے وقت، یا قبل، یا بعد، کچھ خوارق عادت کا ظہور ضرور ہوا ہے، یعنی ایسے واقعات برابر پیش آئے ہیں، جنھیں انسان اپنے محدود تجربہ میں، فطرت کے عام دستور کے خلاف پاتا اور سمجھتا ہے۔ خصوصاً ماؤں کو غیبی بشارتیں ملنا، تو حضرت مسیحؑ، حضرت موسیٰؑ، اور حضرت اسحٰقؑ، تینوں کی ولادتوں کے متعلق اور فرشتوں کا مرئی ہو کر آنا، حضرت مریمؑ اور حضرت سارہؑ دونوں کے متعلق (باوجود ان کے نبی نہ ہونے کے) ثابت ہے۔ پھر اگر رسولوں کے سردار اور پیمبروں کے سرتاج کی ولادت کی بشارتیں فرشتوں نے پکار پکار کر دی ہوں، اگر اس آفتاب کے طلوع پر عالم ملکوت میں غلغلۂ شادمانی و مسرت برپا ہوا ہو، اگر اس نورِ مجسم کی والدہ ماجدہ کے لئے بعض انوارِ غیب مرئی ہو گئے ہوں، اگر اس خوش نصیب و قابلِ رشک خاتون کے شہود میں بعض لطائفِ ملکوت سامنے آ گئے ہوں، تو کیا کسی مسلمان کو اس پر حیرت ہونی چاہیے؟

کہا جاتا ہے کہ صحیح حدیثوں میں ان عجائب و خوارق کا ذکر نہیں، جو عموماً میلاد ناموں میں درج ہیں۔ حدیثوں میں ان واقعات کا ذکر تو کثرت سے ہے، اس سے کسی گروہ کو بھی انکار نہیں۔

بحث صرف یہ رہ جاتی ہے، کہ آیا یہ احادیث صحیح و قابل استناد بھی ہیں، یا ضعیف و موضوع؟ اس کے جواب کا حق عوام کو نہیں، بلکہ صرف ماہرین فن کو ہے، قانون، طب، فلسفہ، ادب، دنیا کے ہر علم و فن کی طرح فن حدیث بھی ایک مخصوص فن ہے۔ اور حدیثوں کا پرکھنا، صحیح کو ضعیف سے الگ کرنا، صرف انھیں بزرگوں کا کام ہو سکتا ہے، جنھوں نے مخصوص اس فن کی تحصیل و تکمیل میں اپنی عمریں صرف کی ہوں، اور جن کا محدّث و نقاد حدیث ہونا اہل فن کو مسلم ہو۔

یہ سچ ہے، کہ بعض محدثین نے ان میلادی روایات کی تضعیف کی ہے، لیکن جن بزرگوں نے انھیں قبول کرکے اپنی تصانیف میں درج کیا ہے، اور ان سے استناد کیا ہے، اُن کا علم و فضل، اُن کا تبحّر و دائرہ نظر بھی کچھ کم قابل احترام نہیں۔ ایسی حالت میں ہم عامیوں کے لئے اُن روایات سے یکسر انکار کر بیٹھنا کہاں تک زیبا ہے؟ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ دورِ متاخرین میں شاید محدثین کے سرتاج ہوئے ہیں، کتب میلاد کی تصنیف میں آپ کا بھی حوالہ دیا جاتا ہے، لیکن خود شاہ صاحبؒ نے جو فارسی میلاد نامہ تالیف فرمایا ہے، اُس میں ان روایات سے انکار نہیں، بلکہ بعض کا اندراج موجود ہے۔ فرماتے ہیں:۔

شب ولادت آنحضرت صلعم در حرکت آمد کوشک کسریٰ تا آنکہ شنیدہ شد آواز وے و افتاد از آنجا چہاردہ کنگرہ و بمرد آتش فارس و نمردہ بود پیش ازاں بہزار سال وخشک شد چشمہ ساوہ (سرور المحزون، ص۳، مجتبائی دہلی)

آنحضرت صلعم کی شب ولادت کسریٰ کے محل میں لرزہ پڑا جس کی آواز سنی گئی، اور اس کے چودہ کنگرے گر گئے، اور آتش فارس جو ایک ہزار سال سے برابر روشن تھی بجھ گئی، اور چشمہ ساوہ خشک ہو گیا۔

یہ روایتیں عام طور سے میلاد ناموں میں بیان کی گئی ہیں اور شاہ صاحبؒ کا انھیں قبول کر لینا ہم عامیوں کے لئے کافی تشفی بخش ہو جانا چاہیئے۔

آج سے ساڑھے تین سو سال قبل، ہندوستان کے ایک اور فاضل، حضرت شاہ عبد الحق دہلویؒ بھی فن حدیث کے ایک ممتاز و مستند عالم گزرے ہیں، آپ کا ایک رسالہ عربی میں ماثبت بالسنّۃ کے نام سے ہے، جس کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے۔ اس رسالہ کے ص۳ سے لے کر ص۱۲ تک میلاد نبوی کے سلسلہ میں جو جو عجائب و خوارق عام میلاد ناموں میں مذکور ہیں، تقریباً سب کے سب درج ہیں۔ مثلاً قریش کا پہلے سے خشک سالی میں مبتلا ہونا اور آنحضرت صلعم کے قرب ولادت کی

برکت سے کھیتوں کا سرسبز ہو جانا، حضورؐ کی والدۂ ماجدہ کو حمل کی گرانی نہ محسوس ہونا، ہر مہینے رؤیا میں بشارتیں ملتے رہنا، وضع حمل کے وقت نورانی پرندوں کا نظر آنا، فضاء میں بیبیوں کا چاندی کے لوٹے لئے ہوئے دکھائی دینا، زمین کے مشرق و مغرب کے انتہائی سرے تک نظر کے سامنے آجانا، ایک علم کا مشرق میں، ایک علم کا مغرب میں، اور ایک علم کا پشت کعبہ پر نصب ہونا، ایوان کسریٰ میں زلزلہ پڑنا، اور چودہ ستونوں کا گر جانا، آتش عجم کا ہزار سالہ روشنی کے بعد بجھ جانا وغیرہ وغیرہ، اور پھر کچھ یہ نہیں، کہ اس رسالہ میں رطب ویابس سب ہی کچھ جمع کر دیا گیا ہے، بلکہ عجائب و خوارق میلاد کی ابتدا ہی میں محقق مصنف نے تصریح کر دی ہے کہ اس میں صرف وہی اخبار درج کئے گئے ہیں، جو روایات احادیث کے مسلم و متعارف طریقوں سے صحیح ثابت ہو چکے ہیں! (وآوردنا من الاخبار ما ورد وصح من الطریق المتعارف فی روایۃ الاحادیث (ص۳ نولکشوری) اور صرف اسی رسالہ میں نہیں بلکہ سیرت نبویؐ پر مدارج النبوۃ کے نام سے حضرت شیخؒ کی جو مشہور کتاب فارسی میں ہزار ڈیڑھ ہزار صفحے کی ضخامت کی ہے، اس میں بھی ان واقعات کو اور زیادہ تفصیل کے ساتھ دوہرایا ہے (جلد دوم، ص۱۵ تا ص۲۳ مطبوعہ فخر المطابع ۱۲۷۰ھ) حضرت شیخ کا

ان روایات کو نقل کرنا اور ان کی تصحیح، توثیق کرنا کسی عامی کا نقل کرنا نہیں۔

ان دونوں بزرگوں سے بھی بڑھ کر شہادت قاضی عیاض مالکیؒ کی ہے، جو پانچویں اور چھٹی صدی کے ایک نامور محدّث اور صحیح مسلم کے مشہور شارح گزرے ہیں اور فن حدیث میں اُن کا یہ مرتبہ ہے کہ بخاری و مسلم کے مشہور شارحین، امام نووی، علامہ ابن حجرؒ وغیرہ سب ان سے استناد کرتے ہیں، ان کی کتاب، الشفا فی تعریف حقوق المصطفٰی کی بابت صاحب کشف الظنون کہتے ہیں وھو کتاب جلیل عظیم النفع کثیر البرکة لم یؤلف مثله فی فنه فی الاسلام۔ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ۔ ایں کتاب از عجائب کتب مصنفہ ایں باب است وخیلے مقبول افتادہ"۔۔۔۔" و در حق آں کتاب علماء و شعراء اطالت مدح و ثنا نمودہ اند"۔ (بستان المحدثین ص۱۳۰، ص۱۲۹ مطبع محمدی لاہور) اس کتاب جلیل کی جلد اوّل کی "قسم رابع" کے آخر میں ایک مستقل فصل، آیاتِ وقت ولادت مبارک پر ہے۔ اس کے الفاظ ذیل ملاحظہ ہوں:-

ومن ذلك ما ظهر من الآيات عند مولده وما حكته أمه ومن حضره من العجائب وكونه رافعا رأسه عند ما وضعته شاخصا ببصره الى السماء

وما رأته من النور الذی خرج معه عند ولادته وما رأته اذ ذاك ام عثمان ابن ابی العاص من تدلی النجوم وظهور النور عند ولادته حتی ما تنظر الا النور... وما جری من العجائب لیلة مولده صلعم من ارتجاج ایوان کسریٰ وسقوط شرفاته وغیض بحیرہ طبریة وخمود نار فارس وکان لہا الف عام لم تخمد

اور اسی طرح کے معجزات میں وہ آیات و عجائب بھی ہیں، جو آپ کی ولادت کے وقت ظاہر ہوئیں اور جنھیں آپ کی والدہ نے اور اُن لوگوں نے بیان کیا جو وہاں موجود تھے۔ اور وہ یہ ہیں کہ جب آپ دُنیا میں ظاہر ہوئے، تو آپ اپنا سر (گویا دعا کے لئے) بلند کیے ہوئے تھے، اور آسمان کی طرف نظر فرما رہے تھے۔ نیز وہ امر جسے عثمان بن ابو العاص کی والدہ نے دیکھا تھا کہ آپ کی ولادت کے وقت ستارے جھک کر آپ سے قریب ہو گئے تھے، اور آپ سے ایک ایسا نور عظیم ظاہر ہوا، کہ اُن کو کچھ نظر نہیں آتا تھا بجز اُس نور کے ..... اور جو عجائب آپ کی شب ولادت میں ظاہر ہوئے مثلاً ایوانِ کسریٰ کا زلزلہ اور اُس کے ستونوں کا گر پڑنا، اور بحیرہ طبریہ کا خشک ہو جانا، اور آتش عجم کا جو ہزار سال سے روشن تھی بجھ جانا۔

• یہ شہادتیں اُن بزرگوں کی تھیں، جو حدیث و سنت کی پرکھ

رکھنے والے اور فن حدیث کے جاننے والے تھے۔ اُنھوں نے ان روایات کو رد نہیں کیا، بلکہ قبول کر کے اپنے صفحات میں جگہ دی۔ باقی جن محدثین کرام نے اوّل باران روایات کو شائع کیا، اور اپنے مجموعہ تالیفات میں جگہ دی، یعنی بیہقی و حاکم، ابونعیم و طبرانی، وغیرہم۔ ان میں کوئی بھی کذب و غلط بیانی کے ساتھ متہم نہیں۔ صرف اتنا ہے، کہ ان بزرگوں کا معیار روایت اس قدر بلند نہیں، جتنا بخاریؒ و مسلمؒ وغیرہ کا تھا۔ یہ ہرگز مقصد نہیں، کہ ان روایات کو جزو دین بنا لیا جائے، اور ان کے رد و قبول کو کفر و اسلام کا معیار قرار دے دیا جائے۔ لیکن دوسری طرف یہ بھی زیادتی ہے، کہ ان روایات کو سرے سے نا قابل قبول سمجھ کر ان سے یکسر انکار کر دیا جائے اور اس انکار کو اپنی تحقیق و روشن خیالی کی دستاویز قرار دیا جائے۔!

حریف کی داد و تحسین! "ترک قابل مبارک باد ہیں کہ انھوں نے اپنی زبان کے لئے عربی کے قدیم و متروک رسم الخط کو چھوڑ کر لاطینی حروف اختیار کر کے۔ تُرک صدیوں تک یورپ میں اجنبی اور پردیسی سمجھے گئے اب وہ ترقی یافتہ قوموں کا رسم الخط اختیار کر کے ہمیشہ سے کہیں زائد یورپ کے قریب آ گئے ہیں! یہ اصلاح حقیر اور معمولی نہیں۔ یہ بہت بڑی اصلاح ہو گئی، اور یہ اصلاح وہی بڑا شخص کر سکتا تھا، جس کے ہاتھ میں اس وقت ترکوں کی قسمت کی باگ ہے" (ٹائمس، لندن، ۳۱ اگست ۱۹۲۶ء)

یہ لندن کے مشہور روزنامہ اور انگریزی قوم کے سب سے زیادہ

رعب دار اخبار ٹائمس کے ایک بڑے مضمون کا خلاصہ اقتباس ہے، جو ۳۱ اگسٹ کے ایڈیٹوریل صفحات میں شائع ہوا ہے۔ ترکوں نے ترکی رسم الخط کو (جو عربی و فارسی و اردو رسم الخط بھی ہے) چھوڑ کر اپنے جنونِ اصلاح میں جو فرنگی حروف تحریر کو اپنا رسم الخط بنا لیا ہے، اور جس کی تفصیلات روزانہ اخبارات میں بکثرت آچکی ہیں، یہ اُس "اصلاح" پر دربار فرنگ سے داد مل رہی ہے، یہ اس "تجدد" پر یورپ کی سرکار سے انعام مل رہا ہے! ارشاد ہو رہا ہے کہ اب تمھاری ترقی اور تمھارے کمالات میں کیا شبہ رہ سکتا ہے، اب تو "تم" "ہم" سے نزدیک اور "اپنے" سے دُور ہوئے جاتے ہو! اکبر مرحوم نے شائد کچھ اسی طرح کا منظر دیکھ کر کئی سال ہوئے فرمایا تھا ؎

رقیب سرٹیفکٹ دیں تو عشق ہو تسلیم
یہی ہے عشق تو اب ترک عاشقی اولیٰ

مگر اب ان غیرتمند عاشقوں کا زمانہ نہیں، اب تو رقیب کی زبان سے سرٹیفکٹ عطا ہونا خوش نصیبی کی معراج اور فخر کا اوج کمال ہے!

ناک کاداغ

ناک کا داغ

نظامِ عالم کو قایم کیے ہوئے بیشمار مدت گزر چکی ہے، دنیا اپنی انھیں نیرنگیوں اور بوقلمونیوں کے ساتھ ایک بیحساب زمانہ سے آباد ہے، بڑی بڑی سلطنتوں کی بنیادیں پڑ چکی ہیں، نامی گرامی حکماء پیدا ہو چکے ہیں، نامور کشورکشا گزر چکے ہیں، یہ سب کچھ ہے، لیکن "علم" اور "تمدن" کا جو مفہوم آج سمجھا جا رہا ہے اُس سے انسانی دماغ ابھی تک ناآشنا ہے۔ دُنیا مختلف قوموں میں بٹی ہوئی ہے، اور زمین مختلف اقلیموں میں بھٹی ہوئی ہے ہر قوم دوسری سے بیگانہ، ہر ملک دوسرے سے اجنبی۔ آمد و رفت کے وسائل محدود، رسل و رسائل کے ذرائع دشوار، بین الاقوامی تعلقات بمنزلۂ صفر۔ لکھے پڑھے ہوؤں کی تعداد ہر ملک میں قلیل۔ کتابوں کی یہ فراوانی جو آج ہے، کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں۔ گویا ہر ملک، دوسرے ملکوں سے بے نیاز و بے تعلق بجائے خود ایک مستقل عالم تھا، اسی لئے قدرتاً ہر ملک کے لئے ایک جداگانہ ہادی، اور ہر قوم کے لئے ایک علٰحدہ داعی۔

لیکن اب محاسبِ قدرت کے اندازہ میں وہ وقت آجاتا ہے، جب ہر ملک کے ڈانڈے دوسرے سے مل کر رہیں گے، ہر قوم دوسری قوم سے تعلقات پیدا کرے گی، بیگانگی و بے تعلقی

کی جگہ ایک سخت قسم کی دوستی یا دشمنی لے گی۔ کلوں کی ایجاد دور دراز سفر کو آسان کر دے گی، آلات کی مدد سے مشرق کی خبر، دم کی دم میں مغرب تک پہنچ جائے گی، چھاپہ کی کلیں نقوش کاغذی کے خزانے اُگلنے لگیں گی، اور کتابوں کے لکھنے والوں کی تعداد شاید پڑھنے والوں سے بھی بڑھ کر رہے گی!

محاسب فطرت کا اندازہ ۔ محاسب فطرت کے اندازہ میں جب کائنات اپنی عمر کی اس منزل تک پہونچ جاتی ہے، جب دنیا اپنی پختگی و تکمیل کا یہ درجہ طے کر لیتی ہے، جب یہ گھڑی آجاتی ہے، تو اس ملک میں جو اور سب ملکوں سے زیادہ بے علم اور اُجڈ تھا، اُس سرزمین پر جہاں علم و حکمت، تمدن و شائستگی کا سایہ بھی نہیں پڑا تھا، اُس فضا میں جس نے نہ کوئی ارسطو پیدا کیا تھا، نہ کوئی جالینوس۔ نہ کوئی ہومر پیدا کیا تھا نہ کوئی کالی داس۔ اُمیّوں کے خاندان میں، ان پڑھوں کے گھرانے میں، ایک یتیم اُمّی اُٹھا کھڑا کیا، کہ اپنے ملک و قوم ہی کو نہیں بلکہ ساری انسانی آبادی کو اپنے پروردگار کی راہ کی طرف بُلا ساری دُنیا کے بھٹکے ہوؤں کو سیدھی راہ دکھا، تارے بہت سے نکل چکے، شب انسانیت بسر ہونے کو آئی، اب تو مطلع کائنات پر آفتاب بن کر طلوع ہو، عامی و عالم، جاہل و حکیم، گورے اور کالے، مشرقی اور مغربی، نادان و دانا، سب کے ظلمت کدوں

اپنی نورانیت کے پرتو سے روشن کردے، عصائے موسیٰؑ، دمِ عیسیٰؑ، تختِ سلیمانؑ، نارِ ابراہیمؑ، حسنِ یوسفؑ، وغیرہ کے سارے معجزات جو مخصوص ملکوں اور مخصوص قوموں کے مقابلہ میں پیش کیے جاتے تھے، ختم ہو چکے، اب زمانہ نئی کروٹ لے رہا ہے، تیرے جلو میں وہ معجزات ہوں گے جو آفتاب سے بڑھ کر روشن ہوں گے! تو اُمّی ہے، اور دُنیا اب کاغذی نقوش پر جان دیگی، تو اَن پڑھ ہے اور دُنیا اب قدر صرف اسکولوں اور کالجوں، یونیورسٹیوں اور اکاڈیمیوں کی ہوگی، تو خط نہیں لکھ سکتا، اور دنیا میں اب پرسش صرف ڈگریوں اور ڈپلوموں امتحانوں اور کتبخانوں کی ہوگی، لیکن ہماری قدرتوں کا اعجاز، اور ہماری کارفرمائیوں کا تماشہ دیکھنا، کہ یہی قلم اور یہی دوات[۱] یہی کاغذ اور یہی سیاہی، یہی علوم اور یہی فنون، نٓ، وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ، یہی کتب خانے اور یہی چھاپہ خانے، یہی کتابیں اور یہی کتبے، یہی مقالات، اور یہی تحقیقات، یہی قلم اور دوات کی

---

[۱] نٓ کے معنی ہر مفسر نے اپنے مذاق کے موافق لکھے ہیں لیکن لغت میں اسکے ایک معنی دوات کے ہیں اور یہی ابن عباسؓ، حسنؒ وقتادہؒ سے بھی مروی ہیں۔ النون الدواۃ وھی فسر قولہ عزوجل نٓ والقلم عن الحسن و قتادہ (تاج العروس) عن ابن عباس قال ان اللّٰہ خلق النون وھی الدواۃ (ابن جریرؒ) عن الحسن فی قولہ نٓ قال وھو الدواۃ (ء) عن قتادہ قال النون الدواۃ) بغوی نے ضحاک کی جانب بھی یہی معنی منسوب کیے ہیں۔ بیضاوی، بغوی نیشاپوری، سبنے ایسے ہی معنی دوات لکھے ہیں اور خازن نے ایک شعر بھی سند میں نقل کیا ہے۔

پیدا کی ہوئی ساری مخلوقات تیرے حق میں گواہ ہو کر رہیگی۔ تیری ہی صداقت کا کلمہ پڑھے گی، تیری ہی بزرگی و برتری کے محضر پر مہر تصدیق ثبت کرے گی! بدنصیب ابوجہل اور کور بخت ابولہب آج تجھے رد کر رہے ہیں تو اپنی بے بصری کی بنا پر معذور ہیں، کل ہی وہ دن آتا ہے، جب انھیں کی ذریات جن لوگوں کو دانائی و فرزانگی کا امام تسلیم کرے گی، حکمت و دانش کا پیشوا تسلیم کرے گی، خود وہی زبان قال اور زبان حال دونوں سے مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ سے تیری گواہی دیں گے، اور بول اٹھیں گے، کہ تو اپنے پروردگار کے فضل و کرم سے مجنون اور دیوانہ نہیں، بلکہ خبطی اور دیوانے وہ ہیں جو اپنی جہالت سے تجھے جھٹلا رہے ہیں۔ عقل کے اندھے وہ ہیں، جو اپنی نادانیوں سے تیری نبوت میں شک کر رہے ہیں۔ دنیا جتنی آگے بڑھے گی، عقل و حکمت کو جتنی ترقی ہوتی جائے گی، تیرے لائے ہوئے دین کا چہرہ روشن سے روشن تر ہو جائے گا تیری عقل و فرزانگی کا آوازہ بلند سے بلند تر ہوتا جائے گا، رازی و غزالی، طوسی و فارابی ابن رشد و ابن سینا، تیری ہی حلقہ بگوشی پر فخر کریں گے، غزنوی و غوری ترک و سلجوق، مصطفےٰ کمال داماں اللہ کو تیری ہی غلامی پر ناز ہو گا!

زمانہ بدل جائے گا، اہل زمانہ کی طبیعتیں بدل جائیں گی، مشرق کی بساط الٹ کر مغرب کے ٹھاٹھ جم جائیں گے، روحانیت

کی جگہ مادیت کا سکّہ چلنے لگے گا، یہ سب کچھ ہوگا، لیکن تیری محنت و کوشش کا صلہ غیر محدود ہے۔ وَاِنَّ لَکَ لَاَجۡرًا غَیۡرَ مَمۡنُوۡنٍ تیری تبلیغ رسالت کا اجر کبھی ختم ہونے والا نہیں، تونے اپنی اصلاحات سے دنیا میں جو انقلاب برپا کر دیا ہے، اُس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہی ہوتا جائے گا تیرے غلاموں کے ذخیرۂ علم سے خوشہ چینی کر کر کے اہلِ مغرب بڑے بڑے نظامات فلسفہ تیار کریں گے، تیری منقبت نگاری کارلائل اور گوئٹے اپنے لئے باعث شرف سمجھیں گے تیرا ہلکا پرتو پڑ جانے سے ٹالسٹائے اور گاندھی، ذرہ سے آفتاب بن جائیں گے، تیری عظمت کا اعتراف آکسفرڈ اور کیمبرج کی یونیورسٹیاں کریں گی، تیرے منہ سے نکلے ہوئے کلموں کے زندہ و محفوظ رکھنے کے لیے ہالینڈ اور جرمنی کے بڑے بڑے دارالاشاعت وقف رہیں گے۔ تیرا نام ہر روز پانچ، پانچ مرتبہ برلن، پیرس اور لنڈن کے بلند میناروں سے پکارا جائے گا، تیرے پرستاروں کی عبارت و کلام کی تشریح و تحشی کو براؤن و نکلسن اپنے لئے سرمایۂ ناز سمجھیں گے! جو تیرے دین کے منکر ہوں گے، جو تیرے نام سے دشمنی رکھیں گے، خود انھیں کے قلم اور انھیں کی دوات، انھیں کے کاغذ اور انھیں کی سیاہی، انھیں کی عقل اور انھیں کے دماغ کو ہم تیری عظمت کے اعتراف، تیری دانائی کی شہادت، تیری کامیابی کی گواہی کے لیے وقف رکھیں گے!

مناقب کی جامعیت ۔ تو آج اُمی ہے، بیکس ہے، یتیم ہے، اور ظاہر بینوں کی نگاہ میں بے وقعت و بے اثر ۔ تیرا ابدی و دائمی معجزہ یہ ہے، کہ علوم و فنون ہی تیری عقل و دانائی پر گواہ ہوتے جائیں گے، اور اہل علم و ارباب فن ہی کا گروہ تیری کامیابی پر ایک دلیل ناطق ہوتا جائے گا، لیکن علوم و فنون کے دفتر یہیں تک پہونچ کر خاموش نہ ہو جائیں گے، بلکہ تیری عقل و دانش، تیرے اثر و کامیابی سے گزر کر جب تیرے اخلاق کی بلندی، تیری زندگی کی پاکی و پاکیزگی، تیری سیرت کی عظمت و بزرگی کا تذکرہ آئے گا، تو علم و فن کے دفتروں کی خاموش زبان ایک بار پھر ناطق ہو جائیگی وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ اور تاریخ، تیرے آفتاب جمال کی نورانیت کے سامنے کسی بزرگ، کسی حکیم، کسی فاتح، کسی رشی، کسی مصلح، کسی نبی کی روشنی کو نہ پیش کر سکے گی! تاریخ اپنی فہرست مشاہیر (ہیروز) کو اوّل سے آخر تک دوہرا جائے گی، اپنے اسمار الرجال کو ایک ایک کر کے سنا جائے گی، لیکن زندگی کے ہر شعبہ میں، اور ہر موقع پر اخلاق کی اس بلندی، ظرف کی اس وسعت، قلب کی اس فراخی، اور مناقب کی اس جامعیت کی کسی دوسری مثال کے پیش کرنے سے عاجز رہ جائے گی!

انیسویں اور بیسویں صدی کے ماہرین نفسیات کی تحقیقات

ہے، کہ نفس بشری تین اجزاء سے مرکب ہے، ایک عقل یا وقوف دوسرے جذبات و احساسات، تیسرے ارادہ یا سعی عمل ساتویں صدی کے ایک اُمّی کی لائی ہوئی کتاب کا اعجاز یہ ہے کہ اس نے تین مختصر و جامع فقروں میں دنیا کی مصلح اعظم[ؐ] کی ساری زندگی کا عطر کھینچ دیا، اور حیرت انگیز اعجاز، بلاغت و جامعیت کے ساتھ یہ تینوں حقیقتیں روشن کر دیں کہ

۱۔ نہ تو ان پیمبرؐ کی عقل میں کسی طرح کا خلل، اور دماغ میں کسی طرح کا فتور ہے، بلکہ ان پر تو عقل و دماغ کے پیدا کرنے والے کا خاص فضل ہے یعنی ان کی عقل تو مرتبہ کمال پر پہنچی ہوئی ہے، ان کی عقل کے مرتبہ شناس ہونے کے لیے تو خود بھی بہت عاقل ہونے کی ضرورت ہے (ما انت بنعمۃ ربک بمجنون)

۲۔ اور نہ یہ ارادہ و ہمت میں ضعیف ہیں، یہ تنجا الفتون کے ہجوم سے گھبرانے والے ہیں۔ یہ اپنے کام میں بدستور لگے رہیں گے اور ان کی اسی قوت ارادی کے جو عملی نتائج کو ثمرات نکلیں گے، وہ جلد کیا معنی دیر میں بھی ختم ہونے والے نہیں، وہ غیر محدود اور غیر منقطع ہیں (وان لک لاجرا غیر ممنون)

پھر اپنے جذبات کی پاکی و پاکیزگی، اور اپنے احساسات

کی بلندی و برتری کے لحاظ سے بھی تاریخ کائنات میں اگر کوئی ہستی بزرگ و عظیم کہی جانے کی حقدار ہے تو یہی ہے (وانک لعلی خلق عظیم)

دنیا میں اب تک جتنے مصلح اور بزرگ پیدا ہوئے ہیں سب نے اسی سہ گانہ نفسی زندگی کی کسی ایک ہی صنف یا شاخ تک اپنی اصلاحوں کا دائرہ محدود رکھا ہے، کوئی وجود باری پر بہتر سے بہتر عقلی دلائل قائم کر گئے، معرفت الہی کے دقیق سے دقیق اسرار کھول گئے، رموز الہیات کی بہترین شرحیں لکھ گئے، کوئی ایسے آئے، جو اپنے کلام کی شیرینی، زندگی کی سادگی، اور پیام کی تاثیر سے دلوں کو موہ گئے، بزم کائنات کے جذبات کو بیخود و بیقرار کر گئے، محفل گیتی کے احساسات سوز و گداز سے گرما گئے، اور کوئی ایسے بھی گزرے، جنھوں نے اپنی ہمتوں کا ہدف بجائے دل و دماغ کے جسموں کو رکھا اپنی زبردست قوت ارادی کی فوجوں کے ساتھ باطل کو ہر معرکہ میں شکست دی، اور جو اپنی بے پناہ قوت عمل کی شمشیرزنی کا نشان رزمگاہ عالم کے چپہ چپہ پر ثبت کر گئے۔ لیکن وہ بے نظیر ہستی، جو معرکہ بدر میں سپہ سالار بھی ہو، اور غار حرا میں خلوت نشین بھی، جو خدیجہؓ کا محبوب دلربا بھی ہو، اور بھوک سے پیٹ پر پتھر باندھ کر صبر کرنے والا بھی جو ایک کامیاب معاملہ فہم

تاجر بھی ہو، اور ساری ساری رات عبادت کے لیئے کھڑے ہوکر
کاٹ دینے والا بھی، جو ناصح بھی ہو، اور زندہ دل بھی، جو فقر
و توکل کا بھی بوریہ نشیں ہو، اور آئین جہانبانی کا معلم بھی، جو علم
و حکمت کا درس بھی دیتا ہو، اور عشق و محبت کے گُر بھی سکھاتا ہو،
جو ایک ہی وقت میں عقل و فہم کی درسگاہ کا اُستاد بھی ہو، جذبات
کے چمن کا سب سے زیادہ لطیف، شاداب اور سدا بہار پھول
بھی ہو، اور سعی و ارادہ کے میدان میں سب کا سردار بھی ہو،
ایسی جامع اور لاشریک لہٗ ہستی تو صرف اُسی مصلح اعظم
کی ہوئی ہے، جس کی تصدیق کسی وقتی معجزہ اور ہنگامی کرامات
پر منحصر نہیں، بلکہ جس کی سچائی پر (نٓ والقلم وما یسطرون)
دوات، اور قلم، اور ان کے لکھے ہوئے دفتر علوم و فنون
کی خاموش زبانیں ہمیشہ کے لئے گواہِ ناطق رہیں گی!

آج کا ماہر نفسیات اپنی محدود بشری معلومات کے لحاظ سے
کہہ سکتا ہے کہ ترتیب بیان میں جذبات کے ذکر کو ارادہ کے ذکر
پر مقدم ہونا چاہیئے تھا، لیکن اس بیچارہ کو اس کی خبر نہیں کہ
سیرت کی بلندی کے اصلی امتحان کا وقت تو ہر قسم کی عملی کامیابیوں
کے حصول کے بعد ہی ہو سکتا ہے، نہ کہ ان کے قبل۔ اس لئے
انتہائی عملی کامیابیوں کا ذکر، سیرت کی بزرگی پر مقدم ہونا لازمی
تھا۔ نفسیات کی عام درسی کتابوں میں لکھی ہوئی ترتیب میں اس

بظاہر خفیف اصلاح کے ذریعہ سے کتاب مبین نے یہ پورا مفہوم واضح کر دیا، کہ "اے پیمبرؐ! ابھی تو تم کمزوری اور مغلوبی، بےکسی اور بےبسی کی حالت میں ہو، ابھی یہ نادان اور بدنصیب تمھارے اوپر مضحکہ کر رہے ہیں، لیکن عنقریب وہ دن آرہا ہے، جب تمھارے کمالات عقلی کا انھیں اعتراف کرنا پڑے گا اور تمھاری تبلیغ کی عملی کامیابی کی یہ نوبت ہو گی، کہ بڑے سے بڑے خزانوں کی کنجیاں تمھارے ہاتھ میں ہوں گی، بڑی سے بڑی فوجوں کی سرداری تمھیں حاصل ہو گی، بڑی سے بڑی قوت وطاقت کے تم مالک ہو گئے اُس وقت تمھارے خلقِ عظیم کے جو ہر چمکیں گے اُس وقت یہ نظر آئے گا، کہ آج کی فروتنی و حلم، خاکساری و بُردباری، نرمی ورحمدلی، مغلوبیت کی مجبوری سے نہیں، بلکہ تمھاری سرشت ملکوتی اور فطرت لطیف میں داخل ہے، اور تمھاری سیرت کی بلندی و برتری کا پورا امتحان ان عملی کامیابیوں اور فیروزمندیوں کی معراج پر پہونچ کر ہو گا۔"

بشارت کا وقت۔ یہ بشارتیں اُس وقت نازل ہوتی ہیں، جب حق، چاروں طرف سے باطل کے نرغہ میں گھرا ہوا ہے[1]، جب مکہ کا ایک پاک نسب یتیم، اپنے گنتی کے

---

[1] محققین کی تحقیق میں سورۂ اقرا کے بعد سب سے پہلے یہی سورت نازل ہوئی ہے عن جابر بن زید قال اول ما انزل اللہ تعالیٰ من القرآن بمکۃ اقرا باسم ربک ثم نٓ والقلم (اتقان، سیوطیؒ، نوع سابع، صلا مطبوعہ کلکتہ)

چند رفیقوں کو چھوڑ کر، مکہ اور گرد و جوار کی ساری آبادی کے خلاف اپنی بیچارگی اور بے بسی کو پوری طرح محسوس کر رہا ہے، جب چشم ظاہر کے سامنے کوئی ایک علامت بھی اس کی تائید و موافقت میں موجود نہیں، اس لیے معاً بعد یہ ارشاد ہوتا ہے، کہ آج تو ان پیشگوئیوں کو کون تسلیم کرے گا، آج تو خود تمہارا ہی دل سارے ظاہری اسباب کامیابی سے مایوس ہو چکا ہے، فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ بِأَيِّكُمُ الْمَفْتُونُ! لیکن عنقریب تمھیں بھی نظر آجائے گا اور انھیں بھی تم دیکھ لو گے اور یہ بھی دیکھ لیں گے، کہ واقعۃً نادان اور لا یعقل اور سر پھرا ہوا کون ہے؟ آج یہ اپنے عقل و فہم کے غرہ میں تمھیں نادان سمجھ رہے ہیں، اِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ، لیکن کل ان نادانوں کو بھی نظر آجائے گا۔ کہ بھٹکا ہوا کون ہے، اور راہِ راست پر کون ہے! کس کا دماغ اوہام و خیالات فاسدہ میں پھنسا ہوا ہے، اور سر رشتہ حقیقت کس کے ہاتھ میں ہے! کائنات کا پروردگار خود ہی اس کا فیصلہ کر کے رہے گا، قیامت ہی کو نہیں، اس مادی[1] و عنصری دنیا میں بھی۔

---

[1] سو قریب ہے کہ تو بھی دیکھ لے گا اور یہ بھی دیکھ لیں گے، جس وقت تیرے نیک خلقوں کی کشش اور ہدایت کی نشانیاں دنیا میں انکو راہ پر لائیں گی، تیرا کمال انکی نظروں کے سامنے ظاہر اور جلوہ گر ہوگا اور موت کے بعد اچھی طرح دیکھ لیں گے۔" (شاہ عبدالعزیز دہلوی)

یہ فیصلہ عنقریب ہو کر رہے گا، نہ ہو، کہ اسے دور سمجھ کر اپنے پیمبر اور حالات مخالف کے ہجوم کو دیکھ کر کہیں تم ان نالائق جھٹلانے والوں کے کہے سُننے میں آجاؤ، فلا تطع المکذبین، ودّوا لو تدھن فیدھنون، اور نہ ہو کہ ان باطل پرستوں کی مروت، یا صلح جوئی اور مصالحت پسندی کے تقاضے سے اپنے فریضۂ حق گوئی میں کچھ کمی آنے دو، یہ لوگ تو دل سے چاہتے ہی یہ ہیں، کہ ادھر تم اپنے فرائض تبلیغ و رسالت میں نرم پڑو اور اُدھر وہ اپنی مشق ستم میں نرمی اختیار کریں۔ بلا لحاظ عواقب، بلا خیال نتائج، دعوتِ حق و تبلیغ رسالت میں لگے رہو، یہ تمہیں ضدی کہیں، جنگجو کہیں، غیر مصلحت اندیش کہیں، جو چاہیں کہیں، انکی مروت و خاطر میں خود نرم پڑ جانے کا خیال تک دل میں نہ لانا۔

ہر نور کے مقابلہ میں ظلمت، ہر ہدایت کے مقابلہ میں ضلالت ہر راستی کے مقابلہ میں کجی، فطرت کا دستور شروع سے چلا آرہا ہے، لطافت و پاکیزگی کے اس سرچشمہ، نیکی و خلوص کے اس سمندر، خوبی و محبوبی کے اس آفتاب کے مقابلہ میں لازمی تھا کہ دوسری طرف شرارت و نفاق، گندگی اور پلیدی، زشتی و خباثت کا ڈھیر بھی اسی درجہ کا ہو، اسی لئے فوراً ہی ارشاد ہوتا ہے، کہ کس کے ساتھ مصالحت کرو گے؟ کس کی جانب اتحادِ عمل کا ہاتھ بڑھاؤ گے؟ کیا ایسوں کے ساتھ جن کے یہ خصوصیات ہوں؟

کیا اُن کی طرف جن کے یہ اوصاف ہوں؟ جھوٹے لپاڑئیے، بات
فلا تطع کل حلاف مھین ھماز مشاء بنمیم مناع للخیر
معتد اثیم عتل بعد ذٰلک زنیم ان کان ذا مال و بنین
بات پر بے ضرورت قسمیں کھانے والے ذلیل و خوار، جنھیں اپنی
عزت نفس کا ذرا خیال نہیں، عیب لگانے والے، طعن کرنیوالے
ادھر سے اُدھر جا جا کر لگائی بجھائی کرنے والے، نیک کاموں
میں روڑے اٹکانے والے، اپنی عقل کے غرّہ پر اللہ کی باندھی
ہوئی حدوں کو توڑنے والے، گناہوں کی گندگی میں لتھڑے
رہنے والے، جھگڑے بکھیڑے کرنے والے، اور پھر جس قوم
وطبقہ میں شامل نہیں اُس کی جانب اپنی نسبت کرنے والے[1]
اور یہ ساری اکڑ کیوں؟ اس لئے کہ اپنے مال اور اولاد پر فخر
ہے، اپنی جائداد اور جتھے پر ناز ہے!

اسوۂ رسولؐ ۔ رسولؐ آج چشم ظاہر سے مستور ہیں، لیکن "اسوۂ رسول"
مستور نہیں۔ وہ قدم، جن پر پیشانیوں کا رگڑنا ہمارے لیے اوج
سعادت تھا، آج ہماری نظروں سے اوجھل ہیں، لیکن "نقش قدم"
موجود ہیں۔ صاحب خُلق عظیم آج "رفیق اعلیٰ" کی رفاقت میں
ہے، لیکن "خلق عظیم" کی امانت انسانوں کے سینوں اور کتبخانوں
کے سفینوں میں آج بھی محفوظ ہے۔ پیامبر کا پیام زندہ ہے، کام
زندہ ہے، نام زندہ ہے، اور آج خاک کا ہر پتلا اپنے ظرف اور

[1] - عبارت حاشیہ ملاحظہ ہو صفحہ ۲۶۷ پر۔

بساط کے مطابق، اُس گنج نور سے کسب فیض کر سکتا ہے، ٹھیک اسی طرح باطل پرستی کی بھی راہ آج بھی بند نہیں، جس طرح صاحبِ "خلقِ عظیم" کی عُلوی نسبت زندہ و قائم ہے، اُسی طرح "حلّاف مہین" کا سفلی سلسلہ بھی منقطع نہیں ہوا ہے۔ بے ضرورت حلف نامے شائع کرنے والے، غیر اللہ کی قسمیں کھانے والے، اسے کمال انشا پردازی کا نمونہ سمجھ کر اس پر فخر کرنے والے، اپنے فوری مقاصد کے حصول کے لیے اپنے ہاتھوں اپنی عزت و شرافتِ ظرف کا خون کر ڈالنے والے، بیگانوں کے سامنے اپنوں کی مخبری و جاسوسی کرنے والے نیک کاموں میں شرکت اور چندے سے مختلف حیلوں حوالوں سے روکنے والے، پردہ اور سود کے متعلق اللہ کی باندھی ہوئی حدوں کو اپنی روشن خیالی کے زعم میں توڑ ڈالنے والے، ان گناہوں کو گناہ نہ سمجھ کر ان پر فخر کرنے والے، لڑائی جھگڑوں کو طرح طرح کے پُر فریب طریقوں سے طول دینے والے، اپنی بڑائی کا نقارہ اپنے ہاتھ سے پیٹنے والے، پاک و پاکیزہ گروہوں کی جانب بلا استحقاق اپنی نسبت دینے والے، اور پھر یہ ساری زیادتیاں محض اپنے جتھے اور اپنے سرمایہ، اپنی پارٹی اور اپنے فنڈ

(عبارت حاشیہ صفحہ ٢٦٦)
الملتحق فی قوم لیس منہم (قاموس) الزائد فی القوم ولیس منہم (راغب) المنتسب الی قوم ھو معلق بہم لا منہم (ایضاً) فی کلام العرب الملصق بالقوم ولیس منہم (ابن جریر)
حضرت ابن عباسؓ اور سعید بن مسیبؒ سے بھی یہی معنی مروی ہیں۔

کے بَل پر کرنے والے، جب تک روئے ارض پر موجود ہیں، کون کہہ سکتا ہے، کہ صبح سعادت کی پوری نورانیت وضوفشانی کے ساتھ شب باطل بھی اپنی پوری تیرگی وسیاہی کے ساتھ ہو جو نہیں رہی!

ان بدنصیبوں کی بڑی شامت یہ ہوتی ہے، کہ انھیں جب اللہ کی نشانیوں پر توجہ دلائی جاتی ہے، جب انھیں ان کے کرتوتوں کے نتائج پر آگاہ کیا جاتا ہے، جب انھیں احکام الٰہی پڑھ کر سُنائے جاتے ہیں تو یہ بے توجہی سے منہ پھیر لیتے ہیں، واذا تتلی علیہم ایاتنا قالوا اساطیر الاولین۔ اور بجائے توجہ و التفات کے کہنے لگتے ہیں، کہ یہ تو وہی سُنی سُنائی پُرانی کہانیاں ہیں! پستی وگمرہی کا یہ آخری مرتبہ ہوتا ہے، جب نصیحت وموعظت بھی تلخ معلوم ہونے لگتی ہے، جب راستی سے بے تعلقی وبیزاری اس حد تک پہونچ جاتی ہے، جب حق وصداقت سے سارا رشتہ ٹوٹ کر پورا اعتماد صرف اپنی ذکاوت وذہانت اور اپنے جتھے اور اپنے سرمایہ پر رہ جاتا ہے تو اُس وقت عذاب الٰہی اس شکل میں نازل ہوتا ہے، کہ اس بدبخت کی ناک پر داغ سَنَسِمُہٗ علی الخُرطُومِ، لگا دیا جاتا ہے، اور اس کے چہرے کو داغ دار کر دیا جاتا ہے، اور اُس کی توہین ورسوائی کا سامان دنیا اور آخرت دونوں عالموں میں کر دیا جاتا ہے! آخرت میں تو ناک پر جس طرح داغ لگایا جائے گا، اُس کا حال وہیں معلوم

ہو سکتا ہے، البتہ دنیا میں ناک پر داغ لگنے کا مفہوم بالکل واضح ہے۔ ہر وہ شے جو انسان کو ایسا بدنام و رسوا کر دے، کہ پھر وہ رسوائی اُس سے دفع نہ ہو سکے۔ ہر وہ شے جو کسی کی سفیدی میں سیاہی لگا دے، ہر وہ شے جو کسی کے ایسے شرمناک جرم کو منظر عام پر لے آئے، جس کے بعد مجرم مُنہ دکھانے کے قابل نہ رہے[1] اس کے لیے وسم علی الخرطوم، اس کی "ناک کا داغ" ہے[2]۔ حافظ حقیقی ایسے ناک کے داغ سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے!

---

[1] فعلمہ بعلامۃ یعرف بہا (راغب) لزمہ عار لا ینمحی عنہ (ایضاً) بنبیّن امرہ بیاناً واضحاً حتی یعرفوہ فلا یخفی علیہم کما لا تخفی السمۃ علی الخرطوم (ابن جریرؒ) قال قتادہؒ معنی ذلک شین لا یفارقہ (ایضاً) سنلحق بہ شیئاً لا یفارقہ (خازن) ھو عبارۃ ان یذلہ غایۃ الاذلال (بیضاویؒ) خرطوم کی لفظ لائے ہیں جو لغت میں ہاتھی اور سور کی ناک کو کہتے ہیں، کمال حقارت اس کی منظور ہے۔ گویا وہ شخص انسانیت سے نکل کر خسیس ہونے میں مثل سور کے اور تکبر میں مثل ہاتھی کے ہو گیا ہے' (شاہ عبدالعزیز دہلویؒ) ہر جانور کی ناک اوپر کی طرف اُٹھی ہوتی ہے، لیکن ہاتھی اور سور کی ناک نیچے کی طرف جھکی اور لٹکی رہتی ہے۔ سو خرطوم کے ذکر میں اُس کی طرف اشارہ ہے کہ اس کی تمام ہمت پستی کی طرف رجوع تھی (ایضاً)

[2] مطلب یہ ہے کہ جن باتوں کے ذریعے سے وہ اپنی عزت قائم کرنا چاہتا ہے، وہی آخر اُس کی ذلت کا موجب بنجاتی ہیں" (مولانا محمد علی لاہوریؒ)

اعداءِ رسول کی ہجو

اعداء رسول کی ہجو

جامعہ عثمانیہ کے ایک نوجوان "ایم اے" کا حیدرآباد سے مراسلہ ذیل وصول ہوا ہے۔

" مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کی محققانہ کتاب سیرت عائشہ رضؓ میری نظر سے گزری، اس کے مطالعہ سے بیحد مستفید و محظوظ ہوا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے ادبی ذوق کے تذکرہ کے سلسلہ میں صہ ۲۹۳ پر یہ عبارت ملی۔

" مشرکین قریش نے جب آنحضرت صلعم کی ہجو میں قصائد کہے تو مسلمان شعراء نے ان کا کیونکر جواب لکھا، یہ ہم کو صرف حضرت عائشہ رضؓ کے ذریعہ سے معلوم ہوا"

اس کے بعد ام المومنین کے الفاظ، واوین کے درمیان اس طرح درج کیے گئے ہیں :۔

" ام المومنین بیان کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ قریش کی ہجو لکھو کہ یہ حملہ تیر کی زد سے بھی زیادہ ان پر کارگر ہوگا"

رسول اللہ صلعم کا یہ ارشاد مبارک بہ زبان عائشہ رضؓ نقل کیا گیا ہے، لیکن کتاب میں روایت کا ماخذ یا اس کا حوالہ درج نہیں ہے، جس سے، روایت کی صحت و نوعیت کا اندازہ ہو سکتا۔ براہ کرم اس سلسلہ میں حسب ذیل سوالات کا تشفی بخش جواب عنایت فرمایا جائے :۔

یہ روایت کہاں سے لی گئی ہے، اس کی صحت واہمیت کا کیا مرتبہ ہے! یہ لفظی ہے یا صرف مفہوم ادا ہوا ہے، خصوصاً کیا ارشاد نبوت ہیں "ہجو لکھو کے الفاظ ہیں" یا قریش کی ہجو کا جواب دو، مدافعت کرو، جیسے الفاظ ہیں، اور روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف مدافعت اور جواب تھا، تو یہاں یہ سوال ہے کہ جواب اور مدافعت کا ہجو ہونا ضروری نہیں، یہاں ہجو کا حکم ملتا ہے!

اگر روایت ہر طرح قابل یقین اور الفاظ بھی اصول روایت سے معتبر وصحیح ہیں، تو ارشاد ہو کہ ہجو کا حکم دینا اخلاق نبوی میں کیا محل ومناسبت رکھتا ہے، جسے انگریزی میں JUSTIFI کہتے ہیں؟ درآنحالیکہ ہجو کا جواب ہجو سے دینا معمولی سنجیدگی کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ ہاں نفس مدافعت احسن ہے، لیکن ہجو کو لازم نہیں۔ اس حکم کا واصبر علیٰ ما یقولون واهجرهم هجراً جمیلاً سے کس حد تک اور کس قسم کا تعلق ہے۔ یہی شبہ ہے جو عرض خدمت ہے۔ اعتراض ہرگز مطلوب نہیں، تحقیق وتشفی کی طلب ہے، کیونکہ اس مسئلہ کا تعلق ذات گرامی نبوت سے ہے، اس لئے بڑی خلش اور بےچینی ہے،

شبہ کی ساری بنیاد اسی مفروضہ پر ہے، کہ ہجو فی نفسہ مذموم ومعیوب ہے، اور جب یہ مقدمہ مان لیا گیا، تو ذہن کو قدرتاً یہ حیرانی ہوئی کہ ایک عیب کو پیمبر برحق کی جانب کیونکر منسوب کیجئے۔ لیکن

اصلی سوال یہ ہے، کہ خود یہ مفروضہ بھی صحیح ہے؟ ہجو کے بالذات اور علی الاطلاق معیوب ہونے پر کیا دلیل ہے؟ عقلی؟ نقلی؟ اور یہ دونوں بھی نہ سہی، عرفی سہی؟ ہجو کے معنی بھی اسی قدر ہیں نہ، کہ کسی چیز کی بُرائیاں، خرابیاں بیان کردی جائیں۔ اور اگر وہ چیز واقعتہً بُری ہے، تو اُس کے اظہار میں کیا بُرائی ہے؟ عقل نے یا عقلار نے اسے کب بُرا ٹھہرایا ہے؟ کیا بدی، بدکاری، بداخلاقی بداعمالی، کی ہجو بالاتفاق تمام عقلار نے نہیں کی ہے؟ کیا اطبار مضر صحت اشیار کی ہجو نہیں کرتے رہتے ہیں؟ کیا قانون کی ساری ضخیم کتابیں جرائم اور مجرموں کے مستقل دفاتر ہجو نہیں؟ کیا تاریخ نے کبھی ظالموں، جابروں، جلادوں، غاصبوں کو اصلی خط وخال میں پیش کرنے سے انکار کیا ہے؟ کیا کسی فلسفۂ اخلاق میں یہ تعلیم موجود ہے، کہ جھوٹ کو جھوٹ، زہر کو زہر، اور سیاہ کو سیاہ نہ کہا جائے کہ اس سے ان اشیار کی ہجو نکلتی ہے؟ غرض ہجو کو مطلقاً قابل ہجو، دُنیا کی کسی عقل نے کبھی اور کہیں بھی نہیں قرار دیا ہے۔

اب عقل سے نقل کی طرف آئیے۔ کیا کلام مجید میں کہیں علی الاطلاق ہجو سے روکا گیا ہے؟ کہیں مطلق ہجو کو کسی درجہ میں بھی معصیت قرار دیا گیا ہے؟ خود قرآن کا عمل کیا ہے؟ کیا اس نے بدی اور بدوں، بدکاری اور بدکاروں، گناہ اور گناہگاروں کے تذکرے کے موقع پر سکوت سے کام لیا ہے، یا اس کے برعکس

علی الاعلان ان دونوں کی مذمت اور پردہ دری کی ہے؟ قرآن کریم کا اسوۂ تو اس باب میں اتنا صاف اور واضح ہے، کہ اس نے صرف اجمالاً ہی فاسقوں، ظالموں، کافروں، مشرکوں کی ہجو پر کفایت نہیں کی ہے، بلکہ شیطان اور شیطان صفت انسانوں، فرعون، اور قارون اور ہامان اور ابولہب کے نام لے لے کر اُن پر لعنت کے تیر برسائے ہیں، اور نفسیات بشری کا ہر طالبعلم جانتا ہے، کہ ان بدکاروں کے اعمال شیطانی کی طرف سے نفرت دلانے کا یہی طریقہ بہترین اور موثر ترین تھا۔ پھر کیا رسول کریم صلعم کا یہ طریقہ تھا، کہ آپؐ بدی اور بدوں کے ذکر پر خاموشی اختیار فرما لیتے تھے، اور جرائم اور مجرموں دونوں کو اُنکے حال ہی پر چھوڑ دیتے تھے؟ قوی نہ سہی، کوئی ضعیف روایت بھی حضورؐ کی بابت اس مضمون کی منقول ہے؟

عقل و شریعت، دونوں کے بعد اب دُنیا کے عرف عام کو، اور دوسری قوموں کے اکابر اور مقتداؤں کو لیجئے۔ توریت میں مجرموں اور عصیاں شعاروں پر لعنت و ملامت کا کوئی درجہ اُٹھ رہا ہے؟ انجیل کی تعلیم انتہائی حلم و آشتی کی سمجھی جاتی ہے، اور حضرت مسیحؑ کی شیریں زبانی مشہور و متعارف ہے، اس انجیل میں بھی ریاکار فریسیوں اور مکار علماء و مشائخ کی پردہ دری میں کوئی کسر اُٹھ رہی ہے؟ ہندوؤں میں رامچندر جی کی زبان اور

زبانِ عمل، دونوں نے راؤن اور راکششوں کی کچھ بھی مروت ملحوظ رکھی ہے؟ سری کرشن جی کی مشہور و معروف کتاب گیتا اوّل سے آخر تک بدکاری اور بدکاروں، شرارتوں اور شریروں کا ایک مسلسل ہجو نامہ نہیں تو اور کیا ہے؟ دُنیا کے جس گوشہ میں بھی، جس ملت اور جس فرقہ کے مصلحین پیدا ہوئے ہیں، سب نے بدی اور بدوں کی ہجو کرنی ہی ضروری سمجھی ہے، اور تو اور، خود گاندھی جی باوجود اپنے میٹھے بول اور "عدم تشدد" کے ناقص فلسفہ کے، فرنگی اداروں اور لامذہبانہ خیالات کی کیسی کیسی شدید ہجویں کر چکے ہیں۔ اور انگریزی حکومت ہند کو شیطانی حکومت اور ابلیسی حکومت وغیرہ کے القاب سے یاد کر چکے ہیں (یہ بالکل الگ سوال ہے کہ وہ ہجو صرف اداروں کی کرتے ہیں، نفس ہجو ہیں تو بہرحال وہ سب کے ساتھ ہی شریک ہیں)۔

غرض جہاں تک نفس ہجو، ہجو علی الاطلاق کا تعلق ہے، یہ مفروضہ کہ وہ ہر حال میں معیوب و قابل ہجو ہے، عقل، نقل، عرف، عادۃ کسی معیار سے بھی قابل قبول اور پاسند نہیں۔ جو شے منافی کمال اخلاق کہی جاسکتی ہے وہ اپنے ذاتی انتقام کے موقع پر ہجو کرنا یا کرانا ہے۔ منافی اخلاق یہ بھی نہیں، جس شخص کی عزت پر حملہ ہوا ہے، اُسے پورا حق ہے، کہ اُسی درجہ کا جوابی حملہ وہ حملہ آور پر کرسکے۔ دُنیا کا کوئی صحیح فلسفۂ اخلاق اسے منافی اخلاق نہیں قرار دیتا، البتہ کمالِ اخلاق کے منافی یہ ضرور کہا جاسکتا ہے۔

سو یہ صورت مسئلہ زیر بحث میں، پوری نہیں، اور صورت ہی کہاں پیدا ہوتی ہے؟ حضورؐ کا تعامل اپنے ذاتی معاملات میں یہ تھا، کہ کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ حدیث صحیح کے الفاظ ہیں کان لاینتقم لنفسہ فی شئ الا ان تنتہک حرمات اللہ فینتقم فیہا للہ۔ عفو، حلم، و درگزر کی روایتوں سے صحاح کے ورق لبریز ہیں، ذاتی طور پر اگر آپؐ کو کسی سے انتہائی رنج ہو سکتا تھا، تو وہ ابوسفیان، اور آپؐ کے محبوب چچا اور صحابی حمزہؓ کے قاتل وحشی اور ہندہ تھے۔ پھر ان لوگوں سے آپؐ نے کچھ بھی انتقام لیا؟ بس جہاں تک ذاتی پرخاش و عداوت کی بناء پر ہجو کا سوال ہے (اور یہی ایک شئے لے دے کے منافی کمال کہی جا سکتی تھی) حضورؐ کی بابت کوئی سوال پیدا ہونا کیا معنی، شبہ سوال اور شائبۂ سوال بھی نہیں پیدا ہوتا۔ ام المومنین والی روایت میں حضورؐ کی زبان سے الفاظ خواہ محض "جواب دو" منقول ہوں یا "جواب میں ہجو کہو" یا کچھ اور، (اور بعینہ حضورؐ کے الفاظ محفوظ ہونے کا دعویٰ تو مشکل ہی سے کسی حدیث کے متعلق کیا جا سکتا ہے) بہرحال و بہر صورت ذاتی پہلو تو کوئی آس پاس بھی نہیں پیدا ہوتا۔ یہ "ہجو" تو عین اہل حق کے دفاع میں تھی، اور اہل حق کا تحفظ موذیوں کے شر وایذا

سے تو اعظم مطلوبات اخلاق میں ہے۔

حضورؐ نے جس موقع پر اور جن لوگوں کے مقابلہ پر، ہجو کے موثر و کارگر حربہ سے کام لیا، وہ بھی بالکل ظاہر اور غیر اختلافی ہے، جرائم پیشہ دشمنان حق، دشمنان اخلاق، دشمنان دین، دشمنان قانون کا ایک پورا مرتب و منظم جتھا تھا، جو ہر ممکن طریق پر مسلمانوں کے ساتھ، مسلمانوں کے دین کے ساتھ، اللہ کے احکام و قوانین کے ساتھ دشمنی سالہا سال سے کر رہا تھا۔ مسلمانوں پر اس کی ستم رانیاں اور جفا کاریاں حد و شمار سے متجاوز ہو چکی تھیں، مار دھاڑ، کشت و خون، قتل و غارت، حبس و جلا وطنی، سب ہی کی نوبتیں تو آچکی تھیں، چھوٹے چھوٹے بچے اور معذور و ناتوان بوڑھے تک کسی کو ان انسان نما درندوں کے مظالم سے امان نہ تھا اور جان و مال کے ساتھ عزتوں پر بھی حملے جاری تھے۔ دو چار دن نہیں، چند ہفتے یا چند مہینے بھی نہیں، سالہا سال تک مسلمانوں کو محض صبر و ضبط کی تعلیم ملتی رہی، اور رسول اسلام کا عمل

واصبر علی ما یقولون واہجرھم ہجرا جمیلا

کی ہدایت پر رہا۔ جب اندازہ دان فطرت کے اندازہ میں مسلمان خوب مجاہدے کر چکے، ان کے قلوب منجھتے منجھتے خوب نکھر چکے، ان کی نیازمندی اور اخلاص پروری کا سونا خوب تپ کر کھرا ظاہر ہو چکا۔ جب حکم ملا کہ اب دوسرا طریق علاج اختیار کرو،

جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیہم اور اشدآء علی الکفار اور قاتلوا الذین یلونکم من الکفار ولیجدوا فیکم غلظۃً اور قاتلوا المشرکین کآفۃً وغیرہا۔ اب بیسیوں احکام اسی شدت اور غلظت، اور جہاد و قتال کے نازل ہونے لگے، اور جہاں پہلے انگلی ہلانا منع تھا وہاں اب تلوار اٹھانا فرض ہو گیا! —— اس کا اندازہ طبیب حاذق ہی کر سکتا ہے کہ کب تبرید اور ٹھنڈائی پلانے کا موقع ہے اور کب گرم گرم دوائیں دے کر مادّہ نکالنے کا وقت ہوتا ہے۔

انتقام کی فرضیّت کا موقع۔ جب انتقام کی یہ صورتیں بالکل جائز، بلکہ بعض اوقات فرض ہو گئیں، تو محض زبانی انتقام تو نسبتاً بہت ہی ہلکے اور کم درجہ کی چیز تھی۔ یہ چیز تھی ہلکی، لیکن ساتھ ہی ضروری۔ مال و جان کی حفاظت کے ساتھ عزت کا تحفظ بھی نہایت ضروری تھا، اور اس کا فیصلہ رسول اللہ صلعم ہی بہتر فرما سکتے تھے کہ تحفظ عزت کی کیا کیا صورتیں مؤثر ہو سکتی ہیں، اور ان کے کیا کیا حدود قائم کرنے چاہیے۔ عرب کے اشعار عرب میں وہی کام کرتے تھے، جو آج متمدن دنیا میں اخبارات کرتے ہیں۔ آج ٹیگور ہوں یا گاندھی، صدر جمہوریہ امریکہ ہوں یا وزیر اعظم برطانیہ: پریس میں جب انکی تحریکات اور ان کے خیالات مسخ کر کرکے پیش کئے جاتے ہیں، تو اس کا جواب وہ پریس ہی

کے ذریعہ سے دیتے ہیں، اور اسے کوئی بھی خلاف وقار یا خلاف متانت نہیں سمجھتا۔ بس یہی اُس وقت رسول خدا صلعم نے بھی کیا۔ شعر کا جواب شعر سے، ہجو کا جواب ہجو سے دلایا۔ اور اس جواب کی تفصیلات کی حدود کا تصفیہ حضورؐ ہی بہتر کرسکتے تھے۔ ہم اور آپ اتنی دور بیٹھ کر، اور ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد بھلا کیا اندازہ کرسکتے ہیں!

جواب کا فلسفہ خود حضورؐ کی زبان سے اسی روایت کے اندر موجود ہے، قال فاهجوا قريشا فانه اشد عليها من رشق بالنبل (صحیح مسلم) آپؐ نے فرمایا کہ تم بھی قریش کی ہجو کہو، کہ یہ شے اُن پر تیر کی زد سے بھی بڑھ کر مؤثر ہوگی۔

یہ نہیں ارشاد ہوا کہ ہجو نگاری کوئی فی نفسہ محمود شے ہے، بلکہ جن لوگوں کی اصلاح اور جن کے شر و فتنہ سے بچنا مقصود تھا، اُن کے حق میں ارشاد ہوا، کہ یہی طریق جواب سب سے زیادہ مؤثر و کارگر ہے۔ طبیب سنکھیا کو زہر قاتل کہتا ہے، پھر بھی جب ضرورت محسوس ہوتی ہے تو اُسی سے علاج بھی کرتا ہے۔ آج بھی اخباری لوگ سب سے زیادہ اخبار ہی سے ڈرتے ہیں۔ جنکی فطرت اس قدر مسخ ہوچکی ہے کہ وہ دوسروں کی پگڑی اچھالنے میں بے باک ہوجاتے ہیں، وہ ڈرتے صرف اس سے ہیں کہ کہیں خود اُن کی پگڑی نہ اُچھلنے لگے۔ یہی حال قریش کے بہادر بزدلوں کا

تھا۔ دوسروں کی عزت اُتارنے سے روکنے والی کوئی شے اُن کے لئے تھی ہی نہیں، بجز اس خوف کے، کہ کوئی اُن کی بھی عزت اُتارنے والا موجود ہے۔ اسلام کے مطب میں شریف و رذیل دونوں کے امراض کا علاج شافی موجود ہے۔ شریفوں کا اُن کے مزاج و طبیعت کے موافق، رذیلوں کا اُن کے مزاج و افتادِ طبع کے مناسب۔

حسانؓ شاعر تھے، آج کسی مُرید کے سامنے اُس کے شیخ کو بُرا کہا جائے، تو وہ آپے سے باہر ہو جائے۔ یہاں حسانؓ کے پیر کی نہیں، پیمبر کی ہجو ہو رہی تھی، جو "محمد" (تعریف کیا گیا) تھا، اُسے معاذ اللہ "مذمم" (مذمت کیا گیا) کی شکل میں پیش کیا جا رہا تھا۔ حق تھا کہ شاعر کی زبان بھی بے قابو ہو جاتی، اور جو کچھ بھی جی میں آتا، زبان پر لے آتا۔ اور اُس وقت کی عربی تہذیب اسے بالکل جائز بھی رکھتی۔ لیکن اعجازِ نبوت کا کمال یہ تھا، کہ جو اشعارِ ہجو منقول ہو کر پہونچے ہیں، اُن میں کہیں ایک لفظ بھی نہ فحش ہے، نہ ایسا، جو اُس وقت کیا آجکل کے مذاق اور مصنوعی تہذیب پر بھی گراں گزرے۔ اسی روایتِ عائشہؓ میں، مسلم میں ۱۲۔۱۳ اشعار نقل ہیں، شروع کے تین شعر ملاحظہ ہوں۔

هجوت محمدا فاجبت عنه ٭ وعند الله فی ذالك الجزاء

تم نے محمدؐ کی ہجو کی، پس میں نے اُس کا جواب دیا۔ اللہ کے ہاں میرے اس کام کا اجر ہے،

هجوت محمداً برًّا تقيًّا ؛ رسول الله شيمته الوفاء

تم نے ہجو محمدؐ کی کی جو نیک اور پرہیزگار، خدا کے پیغمبر ہیں، اور اُنکی سرشت وفاداری ہے،

فان ابی و والدہ وعرضی ؛ لعرض محمد منکم وقاء

میرے باپ اور باپ کے باپ، اور میری عزت وحرمت، محمدؐ کی عزت وحرمت کے لئے تمھارے مقابلہ میں سپر ہے!

اللہ اللہ! یہ "ہجو" ہو رہی ہے! "ہجو" کا نام سُنتے ہی، آنکھوں کے سامنے اگر سوّدا و انشا کی ہجویں پھرنے لگیں، یا آج کل کے بعض ہجو پیشہ ایڈیٹروں کے کارنامے اور دل ان سے تھرانے لگے، تو ایک حد تک معذوری ہے۔ اور کچھ عجب نہیں، کہ نیک طینت مراسلہ نگار کا ذہن بھی، ہجو، کے لفظ سے ہجو نگاری کے انھیں گندے نمونوں کی طرف منتقل ہو گیا ہو۔ لیکن یہ ہجو بھی آخر پیمبرؐ کے دربار کی تھی! جو "حمد" کیا گیا تھا، اس کے متعلقات ومنتسبات میں کسی شے میں بھلا، ذم، کا پہلو کہاں سے نکل سکتا ہے! اس ہجو کی پاکیزگی پر دوسروں کی منقبت سرائیاں اگر رشک کریں، تو حیرت نہ کیجئے!

معنی ہجو، مفہوم ہجو، موقع ہجو، کی ان وضاحتوں کے

بعد، آخری شبہ' لفظ، ہجو کی بابت رہ سکتا ہے۔ اور کہا جاسکتا ہے' کہ سب کچھ سہی پھر بھی لفظ ہجو کیوں ایسے پاک موقع پر استعمال کیا گیا۔ جواب میں عرض ہے' کہ خیر یہ تو حدیث ہے' جس میں صحت لفظی کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا قرآن مجید کا تو لفظ لفظ' حرف حرف محفوظ ہے۔ اس میں سیئہ (برائی) کے عوض کا جہاں جہاں ذکر ہے' بعینہ وہی لفظ' مثل کے اضافہ کے ساتھ "سیئۃ مثلھا" کہہ دوہرا دیا گیا ہے' حالانکہ ظاہر ہے کہ اس لفظی سیئہ کو حقیقت سیئہ سے کوئی واسطہ نہیں۔ کافروں کے عاجل تمسخر (مسخر) کے مقابلہ میں مومنین کے بھی آجل "سخریہ" ہی کا ذکر ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ حق تعالیٰ نے' خود اپنے متعلق کافروں اور مجرموں کے جواب میں بعینہ اسی قسم کے الفاظ دوہرا دیے ہیں۔ "کید" (انھم یکیدون کیدا واکید کیدا) "مکر" (ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین) "خدع" (یخادعون اللہ وھو خادعھم) "استہزاء" (اللہ یستھزی بھم) اور "نسیان" (الیوم ننسٰھم) یہ سب الفاظ تصریحاً استعمال ہوئے ہیں۔ جب اللہ کے لیے اپنے موقع و محل پر' مکر و کید' خدع' و استہزاء کے الفاظ اس کے معروف معنی کے بالکل عکس

مفہوم میں آسکتے ہیں، تو رسولؐ کے لیے ایسے ہی مناسب مواقع پر لفظ ہجو پر کیوں گرفت کی جائے؟

مراسلہ نگار کا اصل سوال بحمد اللہ مع اطراف و جوانب کے حل ہو چکا۔ لیکن یہ ساری تصریحات خشک عقلی پیرایہ میں رہیں۔ آخر میں ایک بات خالص صوفیانہ مذاق کی سن لی جائے، جو ایک زندہ عارف کے افادات سے ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ کسی نے حضرت عائشہؓ کی چوری کی۔ انھوں نے بد دعا کرنا چاہی آپؐ نے فرمایا کہ بد دعا کرنے سے اس کی عقوبت میں تخفیف ہو جائے گی اس سے عارفوں نے نتیجہ یہ نکالا ہے، کہ خود اگر انتقام کسی درجہ میں لے لیا جائے، تو غضب خداوندی میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ اور جب یہ معاملہ عقوبت عام مومنین کے ستانے والوں کے ساتھ ہے، تو رسولؐ کے ساتھ گستاخی کرنے والوں کے لیے کیا کچھ سزائیں نہ ہونگی۔ پس اس صورت حال کا اندازہ کر کے اگر حضورؐ نے اپنے دشمنوں سے کسی قدر انتقام لے لیا ہو، تو اس میں عین انھیں کی ہوا خواہی ہے۔

بہ زبانِ اقبال

لطف و قہر او سراپا رحمتے
آں بہ یاراں دیں بہ اعدا رحمتے

اُسوۂ حسنہ

اُسوۂ حسنہ

امانت الٰہی۔ بزمِ کائنات اپنی ساری دلفریب زینتوں اور دلکش آرائشوں کے ساتھ سج چکی، طلسم خانۂ فطرت اپنی تمام ندرتوں اور نیرنگیوں کے ساتھ تیار ہو چکا، نگار خانۂ موجودات کا ایک ایک نقش آب و رنگ کی جگمگاہٹ سے چمک اُٹھا اُس وقت مَاكَانَ وَمَا يَكُونُ کا سب سے زیادہ بے بہا، سب سے زیادہ عزیز الوجود گوہر" امانت الٰہی" کے نام سے کثرت کے بازار میں پیش ہوا، اور وحدت کے خلوت کدہ سے آواز آئی کہ" ہے کوئی جو اس گوہر شرف کا حامل بن سکے؟ ہے کوئی جو اس بارِ امانت کو اُٹھا سکے؟ عالمِ ملکوت میں سناٹا چھا گیا، عالمِ ناسوت پر لرزہ پڑ گیا، پہاڑ تھر تھرا گئے، سمندر کی موجیں رُک گئیں، ماہتاب ماند پڑ گیا، آفتاب کی ہمت نے جواب دے دیا، اونچے آسمان نے اپنے دوشِ ناتوان کو اس کا اہل نہ پاکر آنکھیں نیچی کرلیں، پھیلی ہوئی زمین اپنے عجز و درماندگی کے احساس سے سمٹ کر رہ گئی۔ اُس وقت ضعیف و ناتواں کمزور و حقیر، ظلوم و جہول خاک کا پتلا آگے بڑھا، اور اپنی ہمت کے بازوؤں کو پھیلا کر یہ بارِ عظیم اپنے سر لے لیا۔

صبح محشر۔ خاک نژاد آدم کی بے شمار نسلیں پیدا ہوئیں، اور

رخصت ہوگئیں، پھیلیں اور بڑھیں، اُبھریں اور مٹیں، یہانتک کہ عالمِ عنصریات کی شبِ دراز ختم ہوتی ہے، اور صبحِ محشر کا طلوع ہوجاتا ہے۔ کمزور و جلد باز، خطا کاروں نسیاں شعار، انسان طلب ہوتا ہے، اور اُس کا ہر فرد "امانت" کا حساب سمجھانے حاضر ہوتا ہے۔ افراد کی تعداد حدِ شمار سے خارج ہے، ریاضی کا ہر عدد، سب کی گنتی بتانے سے قاصر ہے۔ اچھے اور بُرے، فاسق و فاجر مومن و کافر، عالم و جاہل، شاہ و گدا، امیر و فقیر، حکیم و شاعر، عابد و زاہد، ولی و درویش، سب ایک ایک کرکے صف در صف حاضر ہو رہے ہیں، لیکن کسی ایک کا بھی نامۂ عمل فطرت کے محاسبہ پر پورا نہیں اُترتا، کسی ایک کا بھی دامنِ امانت، خیانت کے داغ سے پاک نظر نہیں آتا۔ کسی ایک کی بھی فردِ اعمال ایسی نہیں جو دعوے کے ساتھ پیش ہوسکے، ہر سمت حسرتیں، ندامتیں، پشیمانیاں اور پریشانیاں ہیں، زاریاں اور بیقراریاں، افسردگیاں اور غمگینیاں ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ وہ نفوسِ قدسیہ تک، جو دوسروں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے خلق ہوئے تھے اور جو عرش کا پیام لے کر فرش پر آئے تھے آج اپنی اپنی حالت میں گرفتار ہیں اور زبانوں پر نفسی نفسی کا وظیفہ جاری ہے۔

گستاخ و شوخ چشم انسان، اُس وقت بھی تمرد و خیرہ سری سے باز نہیں رہتا، اور سوال کر بیٹھتا ہے، کہ ایسی ناقص ہستیوں کے

وجود میں لانے کا کیا ثمرہ تھا، جن میں سے کوئی ایک بھی معیارِ کمال پر پوری نہیں اُترتی؟ اس بے شمار انبوہ کو خلعتِ وجود سے مشرف کرنے کا کچھ بھی حاصل تھا، جس کی ایک فرد بھی اپنے مقصدِ آفرینش کو پورا نہ کر سکی؟ حریمِ قدس سے آواز آتی ہے کہ دیکھو اے جاہل انسان، اور اپنی جہالت کا اقرار کر۔ سُن اے نادان آدم زاد اور اپنی نادانی پر شرما۔ یہ پیکرِ نورانی جو تیرے سامنے عرصۂ محشر میں موجود، اپنی ذات کی طرف سے فارغ و مطمئن اور دوسروں کے نجات دلانے کی کوشش میں مصروف و سرگرم نظر آرہا ہے، تیری ہی طرح ایک انسان تھا، تیری ہی طرح اس کا خمیر بھی آب و گل سے تھا، تیری ہی طرح خاک کے ذرّوں سے اپنے جسدِ عنصری کی ترکیب رکھتا تھا، لیکن ہمارا عبدِ کامل تھا، ہماری امانت کا پورا امین، اور اپنے عہد کو نباہنے والا، قیدِ عناصر میں داخل ہونے سے قبل ہر وقت ہماری حمد و ثنا میں مشغول رہا، تو ہم نے احمد (بہت تعریف کرنے والا) کے نام سے پکارا، اور اس کا صلہ یہ دیا، کہ جب عالمِ آب و گل میں پابند بنا کر اسے بھیجا، تو اُس کا لقب محمدؐ (بہت تعریف کئے گئے) رکھا۔ دیکھ اے غافل انسان کہ آج نہ صرف ہم اپنے اس سب سے اچھے اور سب سے پیارے بندہ کو کیا درجہ نصیب کرتے ہیں، بلکہ جس کسی نے اس کی پیروی کی بھی کوشش کی، اس کے لیے بھی آج ہمارے ہاں کیا کیا سرفرازیاں

اور سر بلندیاں موجود ہیں۔

دنیا کی تاریخ اُٹھا کر دیکھ جائیے، حکیموں اور داناؤں کے سوانح حیات پڑھ جائیے درویشوں اور عالموں کے کارناموں پر نظر کر جائیے، حضرات انبیاء علیہم السّلام کی دعوتوں سے واقفیت حاصل کر لیجئے، دنیا کی بڑی سے بڑی اصلاح، بڑے سے بڑے انقلاب بڑے سے بڑے اجتہاد کا مطالعہ کر جائیے۔ ہر اصلاح، ہر دعوت ہر تبلیغ، کسی نہ کسی ملک، کسی نہ کسی قوم، کسی نہ کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص و محدود آپ کو ملے گی۔ حضرت مسیحؑ صرف بنی اسرائیل کے گلّوں کی بھیڑوں کو بچانے کے لئے آئے تھے۔ حضرت ہودؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت صالحؑ سب کا روئے سخن صرف اپنی اپنی قوم کی جانب تھا۔ دنیا کے اس عالمگیر کلیہ سے اگر کوئی استثناء ہو سکتا ہے، تو وہ محمدؐ عربی (روحی فداہ) کی دعوت و پیام کا تھا۔ رسولؐ اسلام علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی دعوت کسی ایک ملک کسی ایک قوم، کسی ایک زمانہ کے لئے نہیں، ہر ملک، ہر قوم، ہر زمانہ کے لئے ہے، تمدن انسانی کی ہر سطح کے تناسب حالت بشری کے ہر درجہ کے لئے موزوں، اور معاشرت قومی کی ہر شان کے شایاں۔

کمال اور ختم نبوت۔ سیّد المرسلین کا ایک لقب خاتم النبیین بھی ہے۔ ختم نبوت کے معنی بالکل واضح ہیں۔ جب ایک پیام اس قدر

جامع و مکمل آچکا کہ اب اس میں کسی ترمیم و اضافہ کی گنجائش ہی نہیں باقی، تو کسی جدید پیام کا آنا سرے سے بے معنی ہو جاتا ہے۔ پیام کی ہمہ گیری کے معنی ہی یہ ہیں، کہ آیندہ کے لئے سلسلۂ پیامات منقطع۔ عرب کے اُمّی کے لائے ہوئے پیام نے علی الاعلان اپنا دعویٰ ساری دُنیا کے سامنے پیش کر دیا، کہ میں ہر امکانی ضرورتِ زندگی کے لئے مکمل ہدایت نامہ ہوں اور آج تک بڑے سے بڑا مخالف بھی اس دعوی کو کسی دلیل سے جنبش نہ دے سکا۔

پیام و پیامبر اس قدر جامع و مکمل پیام کے لئے ضروری تھا کہ اس کے لانے والے کی ذات بھی ہر حیثیت سے کامل و مکمل ہو، اللہ کا بھیجا ہوا پیام، لکھا لکھایا، مرتب کتاب کی شکل میں بھی کسی پہاڑ یا درخت پر آسمان سے اتر سکتا تھا، لیکن حکیم مطلق کی مشیت نے "پیام" اور "پیامبر" دونوں کو ایک دوسرے کے لئے بطور لازم و ملزوم قرار دیا، اور دونوں کو ایک دوسرے کی تصدیق کا ضامن۔ لیکن ترتیباً پیامبر کا وجود پیام پر مقدم ہے۔ دُنیا کا یہ آخری ہادی و رہنما پورے چالیس برس اپنے ہمجنسوں کے درمیان رہ لیا، جب جا کر اس پر پیامِ حق نازل ہونا شروع ہوا، اور اس کے بعد تیئیس سال کی مدت اور، اُس نے اپنے ہی جیسے انسانوں کے درمیان گزار دی۔ اسکی پاک پاکیز

زندگی اس وقت بھی دشمنوں کے لئے ایک کھلے ہوئے چیلنج کی طرح موجود رہی، کہ کوئی اٹھے اور اس میں عیب نکالے، کوئی بڑھے اور اس پر حرف گیری کرے، ابوجہل اور ابولہب جیسے دشمن اٹھے اور بڑھے، لیکن اس مقدس سیرت، اس پاکیزہ زندگی اور اس پاک معاشرت میں ایک بات بھی قابل گرفت نہ پا سکے۔

محمدؐ بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرشتہ بنا کر نہیں بھیجے گئے کسی دوسرے عالم کی مخلوق کی حیثیت سے نہیں اتارے گئے حوائج بشری سے بے نیاز ہو کر نہیں مبعوث ہوئے۔ انسان بنا کر بشریت کے تمام اوصاف و لوازم، تمام احتیاجوں اور ضرورتوں کے پابند بنا کر اس ظلمت کدہ گیتی کو مطلع انوار کرنے کے لئے بھیجے گئے۔ شادیاں آپ نے کیں، ایک نہیں کئی کئی، اولادیں آپ کے متعدد ہوئیں، بعض زندہ رہیں، اور بعض نے حضورؐ کے سامنے وفات پائی۔ دوست بھی حضورؐ کے بہت سے تھے، اور دشمن بھی تھے۔ مخلصین کا بھی ایک گروہ تھا، اور منافقین کا بھی۔ عسرت کا بھی زمانہ گزرا اور خوشحالی کا بھی۔ لڑائیاں بھی بہت سی ہوئیں اور امن کا زمانہ بھی گزرا۔ محاربات میں کبھی فتح بھی ہوئی، اور کبھی اس کے برعکس۔ خلقت کے ردّ و انکار کا بھی تجربہ فرمایا، اور مقبولیت و ہر دلعزیزی کا بھی۔ غرض انسانی زندگی

میں گرم و سرد، نشیب و فراز کے جتنے موقع پیش آسکتے ہیں سب سے ہوکر وہ پاک وطاہر زندگی گزری، اور اس طرح بے داغ گزری، کہ آج محض اس کا مطالعہ سارے عالم کے لئے ایک مستقل درس بن سکتا ہے۔

جامعیت۔ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک کی یہ جامعیت صرف اس لیے تھی، کہ ہر فرد بشر اس نمونہ کو اپنے پیش نظر رکھے، اور جہاں تک اس کا ظرف وبساط اجازت دے انھیں قدموں کے نقش پر چلے۔ گلستان دہر میں بار ہا روح پرور بہاریں آچکی ہیں، لیکن موسم ربیع کا یہ گلدستہ ایسا ہے جو ہر ملک ہر زمانہ، ہر قوم کے مشام جاں کو معطر رکھے گا۔ آج دنیا کی سب سے بڑی شامت یہی ہے، کہ اس نے سب سے زیادہ کامل ومکمل نمونہ کی طرف سے قطع نظر کرلی۔ غیروں کا ذکر نہیں، خود ہم کلمہ گویان اسلام کی بدبختی یہی ہے کہ ہم نے آفتاب ہدایت کی طرف سے آنکھیں بند کرکے اپنے تئیں یا تو اندھیرے میں ڈال رکھا ہے، اور یا اگر روشنی کی طلب ہے بھی تو ٹمٹماتے ہوئے چراغوں اور لالٹینوں پر قناعت ہے۔

ہم میں سے آج کتنے بدبخت مسلمان ایسے ہیں، جو خوبی وکمال کا معیار یورپ کے طور وطریق کو سمجھ رہے ہیں۔ قومی تعلیم اس لئے ضروری ہے کہ یورپ میں اس کا رواج ہے، معاشرت کو اعلیٰ

معیار پر اس لئے لانا چاہیئے کہ یورپ کا طرز یہی ہے، سودخواری اس لئے بہتر ہے کہ یورپ اسی ذریعہ سے ترقی کر رہا ہے۔ یہ ہمارے دماغوں کا ایک عام طرز استدلال ہو گیا ہے۔ اس سے اُتر کر وہ طبقہ ہے، جو مذہبی سمجھا جاتا ہے۔ ان بیچاروں کی شامت یہ ہے کہ بجائے سرکار رسالتؐ سے اکتساب فیض کرنے کے انھوں نے ساری جستجو، اور تگ و دو محض کسی عالم یا درویش تک محدود کر رکھی ہے۔ حالانکہ کوئی اُمتی کتنا ہی بلند پایہ ہو، ظاہر ہے کہ رسولِ خدا صلعم کی نعلین مبارک کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔

اگر آج ہم اس بڑے "امین" کے نقش قدم پر چلتے ہوتے تو ہم میں خیانت و بد دیانتی کا گزر نہ ہوتا، اگر آج ہم اُس "رؤف و رحیم" کے پیرو ہوتے، تو ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کی جانب سے بے اعتمادی و بدگمانی نہ ہوتی، اگر آج ہم اُس غارِ حرا کے بیٹھنے والے کے آثار مبارک کو اپنا سرمہ چشم بنایا ہوتا، تو ہمارے باطن میں کسی قسم کی گندگی باقی نہ رہ جاتی۔ اگر آج ہم فاتح بدر کی عظمت دل سے کرنے والے ہوتے تو مخالفین کے مقابلہ میں ہمیں شکستیں نصیب نہ ہوتیں۔ اگر آج ہم رحمتہ اللعالمینؐ کے پیام پر سچے دل سے ایمان رکھتے ہوتے، تو اپنی جیسی مخلوقات کے ساتھ

ہمیں بیگانگی و مخالفت نہ ہوتی ۔ اگر آج اپنے سچ بولنے والے اور سچ کے برتنے والے ہی کے طریقہ پر ہم قائم ہوتے، تو جھوٹ کا ہماری آبادیوں میں نام و نشان ہی نہ ہوتا ۔ اگر آج ہم کو اسم پاک احمدؐ کی لاج ہوتی تو اللہ کی حمد و ثنا سے ہمیں اس قدر گریز نہ ہوتا، اگر آج ہم کو اسم گرامی محمدؐ سے عمداً کوئی واسطہ ہوتا، تو اپنی موجودہ پستی و بدنامی سے یہ مراحل دور ہوتے ۔ آج جب کہ سارے ملک میں میلاد مبارک کی محفلیں آراستہ ہو رہی ہوں گی، کیا یہ بہتر نہ ہو گا ان کے ساتھ ساتھ ہم اپنے خلوت خانۂ قلب میں بھی کچھ دیر کے لئے ذکر پیمبر و یادِ رسولؐ کی محفل گرم کریں !

تقدیسِ رسولؐ

تقدیسِ رسولؐ

پچھلے ہفتہ ایک کرم فرما کی طرف سے مراسلۂ ذیل موصول ہوا:۔

مخدومی و معظمی! السّلام علیکم و رحمۃ اللہ

کئی روز سے کتاب "رحلتِ مصطفیٰؐ"[1] دیکھ رہا ہوں۔ صفحہ ۹۲ پر عبارتِ ذیل پڑھ کر قلب کو جو تکلیف ہوئی، اُس کا اظہار کیونکر کروں:۔

"غرضکہ لاش رکھی رہی یہاں تک کہ شکمِ مبارک پھول گیا، چھنگلیا میں کجی دکھائی دی، ناخنوں کا رنگ تبدیل ہو کر سبز ہو گیا"

معلوم نہیں کہ یہ واقعہ کہاں تک صحیح ہے؟ بعض صحابہ کرامؓ، اولیائے کاملین اور شہدائے اُمت کی لاشوں کو دیکھا گیا، کہ صدہا سال کے بعد بھی جوں کی توں قبروں میں رکھی ہوئی پائی گئیں حتیٰ کہ کفن تک میلا نہ لگا۔ چہرہ، بشرہ سے انحطاط کی علامات کا پایا جانا تو درکنار بلکہ برعکس اس کے یک گونہ بشاشت اور تازگی پائی گئی۔ برخلاف اس کے وہ ذاتِ اقدس جس کی شان تو دراصل یہ تھی کہ

بعد از خدا بزرگ توئی قصّہ مختصر

اُس کی لاشِ مبارک میں یوں تغیر پیدا ہونا کسی طرح جی کو نہیں بھاتا۔ اُمید کہ آنجناب اپنے موقر جریدہ سچ کے ذریعہ اس روایت کی صحت یا عدمِ صحت کے متعلق اپنی تحقیقاتِ بالغہ سے اس ناچیز کو سرفراز فرمائیں گے۔

فقط والسّلام۔

---

[1] مؤلفہ مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی مدیر روزنامہ ہند کلکتہ۔

جو تکلیف مراسلہ نگار کے قلب کو ہوئی، یقیناً صدہا دوسرے مسلمانوں کو بھی ہو چکی ہو گی، اور جس کتاب کا یہ اقتباس ہے اُس کی تنہا یہی ایک عبارت تکلیف دہ نہیں، متعدد دوسری عبارتیں ایسی ہی، یا اس سے بھی کچھ بڑھ کر ملتِ اسلامیہ کے لئے دلخراش ہیں۔ مصنف (مولوی عبدالرزاق خان ملیح آبادی) خود بھی مسلمان ہیں، اور اس لئے ان کی نیت یقیناً رسولؐ کی توہین اور اُمتِ رسولؐ کی دل آزاری کی نہ ہو گی، لیکن بعض لوگ قلم کے اس قدر بے احتیاط اور تمیز و تہذیب کے عام مقتضیات سے اس قدر بیگانہ ہوتے ہیں، کہ انکی تحریریں، اُن کے ارادہ کے بغیر، دوسروں کے لئے جگر خراش ہو کر رہتی ہیں۔ حضورؐ کی وفات کے سلسلہ میں اس قسم کی کریہ اور کرخت سرخیاں قایم کرنا، کہ "بچھونے پر لوٹتے تھے" "زبردستی دوا پلائی گئی" "عباس، دوڑو" "گردن جھک گئی" "آنکھیں پھٹ گئیں" "منہ پیٹنے کھڑی ہو گئیں" کوئی شائستہ و باادب قلم کیونکر گوارا کر سکتا ہے؟ اور پھر سب سے بڑھ کر، کمال متانت تحریر کا مظاہرہ تو صـ۳۶ پر ذیل کے فقرہ میں کیا ہے جس کے نقل کرنے میں بھی اذیت ہو رہی ہے:—

"سب (ازواج مطہرات) کے ہاں باقاعدہ جاتے تھے، حتیٰ کہ اس آخری بیماری میں بھی جب کہ چل نہیں سکتے تھے، کپڑے میں لد کر سب کے گھر پہونچتے تھے"

رسولؐ اور پھر سید المرسلینؐ کا مرتبہ تو خیر بہت بڑا ہے، یہ زبان دنیا کا کوئی باادب، شریف، و تمیزدار انسان اپنے باپ اور چچا کے حق میں بھی استعمال کرسکتا ہے؟ پس ایسے مصنف کے قلم نے اگر وہ عبارت بھی لکھ ڈالی، جو مراسلہ میں نقل ہوئی ہے، تو یہ رنج دِہ اور افسوسناک کتنی ہی ہو، لیکن خلافِ توقع بالکل نہیں۔

خیر، اب نفس مسئلہ کو لیجیے۔ مراسلہ نگار کے فحوائے کلام سے معلوم ہوا کہ وہ جسد مبارک میں تغیر ہی کو فی نفسہٖ منافی شانِ نبوّت سمجھتے ہیں، یہ عقیدہ کسی قدر محتاج تصحیح ہے۔ حدیث میں بے شبہ آیا ہے، کہ قبور میں اجساد انبیاء کرام محفوظ رہتے ہیں، اور زمین انھیں نقصان نہیں پہونچاتی۔ سنن نسائی میں ہے،

عن اوس بن اوس عن النبی صلعم.... قال ان اللہ عزوجل قد حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء علیہم السّلام۔ اوسؓ بن اوس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر یہ حرام کردیا ہے کہ وہ اجساد انبیاء کو کھا سکے۔ (کتاب الجمعہ باب ۵) اور سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز میں ہے۔

عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلعم... انّ اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء
حضرت ابو الدرداءؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا، کہ اللہ نے زمین پر حرام کر رکھا ہے کہ اجساد انبیاء کو گزند پہونچا سکے۔

اور اسی کے قریب ایک دوسری روایت بھی سنن ابن ماجہ ہی کی کتاب الاقامۃ میں ہے، یہ تین روایات صحاح کی ہوئیں، ان کے علاوہ سنن دارمی، مسند احمد وغیرہ میں اور بھی روایات موجود ہیں۔ پھر مشاہدہ بھی اسی کا مؤید ہے۔ انبیاء علیہم السّلام کیا معنی، صالحین و شہداء تک کی نعشیں محفوظ پائی گئی ہیں، لیکن غور کرنے کی بات یہ ہے کہ مواعید رسولؐ نیز مشاہدہ سے جو شے ثابت ہے وہ ہے کیا؟ وہ صرف تحفظ اجسام مبارکہ بعد دفن ہے۔ صرف زمین کے گزند پہونچانے سے اُن کی محفوظیت مانوذ نسبت ہے، نہ یہ کہ اجسام مبارکہ، قبل وفات، یا بعد وفات، سرے سے کسی تغیر ہی کو نہیں قبول کرتے، امراض کا اثر آخر اجسام مبارکہ پر ہوتا ہی رہا ہے اور خود حضورؐ کے جسد انور پر ہوا ہے۔ پس اگر اسی قبیل کا کوئی اثر جسد اطہر پر بعد وفات، مشاہدہ میں آیا ہو تو یہ ذرا بھی منافی شان نبوت نہیں اور اس کے لئے نہ کوئی امتناع عقلی ہے، نہ شرعی۔

لیکن امکان کا ثابت ہو جانا، وقوع کے مستلزم نہیں اور اصلی سوال یہی ہے کہ آیا ایسا واقعہ ہوا بھی ہے؟ محدثین کبار نے حیات مبارک و وفات مبارک کے ادنیٰ ادنیٰ جزئیات ضبط کر دیے ہیں یہاں تک کہ بعض محدثین نے جنازۂ نبویؐ، غسل شریف وغیرہ پر مستقل ابواب قائم کئے ہیں، لیکن یہ روایت کسی محدث نے بھی درج کی ہے؟ بطور روایت قوی کے نہ سہی، بہ طور روایت ضعیف کے بھی؟ اصحاب صحیحین نے نہ سہی، اصحاب سنن نے سہی؟

انھیں بھی چھوڑ دیئے ان سے کمتر درجہ کے محدثین نے بھی؟ حضورؐ سے متعلق کسی ایسی روایت کا کیا وزن، عالم نہیں، عامی کی نظر میں بھی، رہ سکتا ہے جسے بڑے، چھوٹے، محقق، غیر محقق، کسی ماہر حدیث نے بھی نہ قبول کیا ہو؟

ضخیم دفاتر و اسفار حدیث کو بھی چھوڑ دیئے، کتب سیر پر آ جیئے سب کو معلوم ہے کہ اہل سیر و مغازی کا معیار احتیاط، حضرات محدثین سے بہت فروتر ہے اور اہل سیر نے بہ کثرت اُن روایات و حکایات کو اپنے ہاں لے لیا ہے، جنھیں حضرات محدثین مردود و غیر مقبول قرار دے چکے تھے۔ اب گزارش ہے، کہ اس روایت کو اہل سیر میں سے بھی کس نے لیا ہے؟ ابن اسحٰق تو اس وقت ناپید ہے لیکن اس کی یادگار ابن ہشام موجود ہے۔ اور سیرت کے موجودہ ذخیرہ میں وہی سب سے زیادہ مستند تسلیم کی جاتی ہے، پھر کیا اُس میں یہ روایت موجود ہے؟ اس سے بھی قطع نظر کیجیے، سیرت نبوی پر اور جتنی مشہور، متداول و مستند کتابیں ہیں، روض الانف (سہیلی) مواہب لدنیہ (قسطلانی) شرح مواہب (زرقانی) وغیرہ۔ سب کا جائزہ لے ڈالیے کہیں بھی یہ روایت آپ کو نظر نہ آئے گی

مصنف نے یہ روایت یقیناً اپنے دل سے نہیں گڑھ لی ہے سند وہی ہے۔ لیکن سند نہ کسی بڑی چھوٹی حدیث کی کتاب کی، نہ اعلیٰ و ادنیٰ کسی سیرت کی کتاب کی، بلکہ طبقات ابن سعد کی، جو نہ حدیث کی کتاب ہے نہ سیرت نبوی کی، بلکہ جیسا اُس کے نام سے ظاہر ہے

محض صحابہ وتابعین پر ہے، اور حضورؐ کے حالات ابتداءً محض ضمناً اور گویا سلسلۂ بیان قائم کرنے کو درج کردیے گئے ہیں! ایسی کتاب روایت کا، جو سرے سے اُس فن اور اُس موضوع پر ہے ہی نہیں، شہادت میں جو درجہ ہو سکتا ہے، ظاہر ہے۔ پھر ابن سعد گو اپنی ذات سے بڑے ثقہ اور مستند شخص ہیں، لیکن محققین نے اُن کے حال میں یہ تصریح کردی ہے، کہ روایات وہ ضعیف الروایت لوگوں سے بھی قبول کرلیتے ہیں۔ ھو ثقة لکنہ یروی عن الضعفاء۔ اسی کے ساتھ یہ اہم حقیقت بھی واضح رہنا چاہیے، کہ طبقات ابن سعد، چند سال قبل تک دنیا کے لئے ناپید تھی۔ یورپ کے بعض عربی دانوں نے اس کا پتہ لگایا، اور حکومت جرمنی نے دنیا کے مختلف حصوں سے اُسکے مختلف حصے نقل کراکے منگایے، اور انھیں جمع کراکے شایع کیا۔ نقل۔ مقابلہ، تصحیح، تہذیب کے یہ سارے مراحل انھیں ہاتھوں سے طے پائے، جنھیں اسلام وپیمبر اسلامؐ سے محبت وعقیدت ہونا الگ رہا اگر کچھ تھا تو تعصب وعناد ہی تھا، اُس قوم کی دیانت و احتیاط کا یہ عالم ہے، کہ اپنی آسمانی کتاب میں مسلسل تحریف سے بھی نہیں چوکتی! ایسے بے احتیاط لوگوں اور دشمنان دین کی شایع کی ہوئی کسی کتاب پر بھی آنکھ بند کرکے اعتماد ہو سکتا ہے، اور مجرد اس کی کوئی روایت قابل قبول ہو سکتی ہے، جب تک اُس کی تائید دوسرے ذرایع سے بھی نہ ہولے؟ ان سب سے بھی قطع نظر، جو دو روایتیں ابن سعد نے درج کی ہیں،

ان دونوں میں آخری راوی، یعنی کسی صحابی، کسی چشم دید گواہ کا سرے
سے ذکر ہی نہیں! ایسی بے سروپا روایت، بے دھڑک نقل کردی
اور پھر اپنی کتاب میں یہ تصریح کردینے کی، کہ
"ہم نے وہی روایتیں لی ہیں، جو ہماری تحقیق میں صحیح ثابت ہوئیں"
(صفحہ ۱ دیباچہ)
جرأت صرف "رحلت مصطفےٰ" کا مصنف ہی کرسکتا تھا!

احادیث وسیر کی مستند روایات تو سب اس پر متفق ہیں، کہ
جو زندگی میں پاک و پاکیزہ تھا، وہ وفات کے بعد بھی ویسا ہی
پاک و پاکیزہ رہا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے
عین جس وقت روح مبارک نے ملاء اعلیٰ کی جانب صعود کیا ہے
ایسی خوشبو پھیلی، کہ میں نے تمام عمر ایسی خوشبو نہیں سونگھی تھی! ابن
ہشام، جو اہل سیر میں سب سے زیادہ مستند ہیں، ابن اسحٰق کے حوالے
سے لکھتے ہیں، کہ غسل کے وقت (اور ظاہر ہے کہ غسل کا وقت، یقیناً
جسد مبارک کے وقت سے متاخر ہی تھا) جسد مبارک میں اس قسم
کی آلائشیں بھی نہیں دیکھی گئیں جو عموماً میتوں میں نمودار ہوتی ہیں
ولم یُر من رسول اللہ صلعم شئی مما یُری من المیت
(غسل کے وقت) جسم اطہر سے کوئی ایسی چیز نہیں ظاہر ہوئی، جو مردوں
سے ظاہر ہوا کرتی ہے!

اتنا ہی نہیں، بلکہ غسل دینے والے حضرت علیؓ تھے، ان سے
مقولہ عین غسل کے وقت کا نقل کیا ہے،

وعلیؓ یقول بابی انت وامّی ما اطیبک حیاً ومیتاً

میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ زندگی میں بھی کیسے پاک وصاف تھے، اور وفات پر بھی کیسے پاک وصاف ہیں!

تغیّرِ جسد والی روایت میں اگر خدانخواستہ صداقت کا کوئی جزو بھی ہوتا، تو وہی لوگ جن سے وہ روایت منقول ہے، امیرالمومنین حضرت علیؓ کو اُسی وقت جھٹلا نہ دیتے؟

حضرت علی مرتضیٰؓ کے یہ الفاظ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ماثبت بالسنۃ میں بھی نقل کئے ہیں، اور اہل سیر کی شہادت سے بھی بڑھ کر یہ کہ خود محدث ابن ماجہ نے بھی تابعی سعید بن المسیب کے حوالے سے علی مرتضیٰ رضی اللہ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں،

عن علی ابن ابی طالب قال لما غسل النبی صلعم ذھب یلتمس منہ ما یلتمس من المیت فلم یجدہ فقال بابی الطیب طبت حیاً وطبت میتاً (کتاب الجنائز، باب ۱۰)

جب آنحضرت صلعم کو غسل دیا گیا تو تلاش کی گئی اُس چیز کی جو میّت میں تلاش کی جاتی ہے (آلائش وغیرہ) سو وہ کچھ بھی نہ ملی، اس پر علیؓ پکار اُٹھے میرے باپ آپ پر قربان آپ کیسے پاک وصاف ہیں زندگی میں بھی، اور موت میں بھی!

اور محدث جلیل قاضی عیاض مالکیؒ، شفا میں کسی قدر تغیر کے ساتھ علی مرتضیٰؓ کا قول یوں نقل کرتے ہیں، غسلت النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام

فذهبت لانظر ما یکون من المیت فلم اجد شیئاً فقلت طبت حیاً و میتاً۔ پھر جب حضورؐ کی وفات کے کچھ دیر کے بعد ابوبکر صدیقؓ نے آکر جسم اطہر کو بوسہ دیا ہے، تو انھوں نے بھی یہی الفاظ کہے! (شفاء، باب ۲ فصل ۳) اور ملا علی قاریؒ نے شرح شفاء میں ابن عمرؓ کی حدیث اسی معنی میں، محدث بزار کے حوالہ سے پیش کی ہے۔

اتنی صراحتوں کے ہوتے ہوئے، وہ لغو روایت اس قابل ہی نہیں رہ جاتی کہ اسے چند لمحوں کے لئے بھی قابل اعتناء خیال کیا جائے۔

افسوس ہے کہ شہاب خفاجی کی شرح شفا (نسیم الریاض) ان سطور کی تحریر کے وقت پیش نظر نہیں، لیکن ایک معتبر صاحب علم کی تحریر میں صاحب نسیم الریاض کا یہ قول اس لغو روایت سے متعلق دیکھنا مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ھذہ زلۃ قبیحۃ لا ینبغی التحدث بہا، یہ مزخرف و لغو روایت ہرگز اس قابل نہیں، کہ اسے بیان بھی کیا جائے۔

اور غالباً نسیم الریاض ہی میں یہ واقعہ بھی درج ہے کہ وکیع بن جراح نے اوّل اوّل جب یہ لغو روایت مکہ میں بیان کی ہے، تو اُس وقت کی حکومت نے انھیں قتل کر ڈالنے کا ارادہ کیا۔ پھر انھوں نے مدینہ میں پناہ لی یہاں اُن کی سنگساری کا تہیہ کیا گیا، اس پر وہ بھاگ کر کوفہ پہونچے۔ وکیع کی یہ خاص سرگزشت اپنے جزئیات کے ساتھ صحیح ہو یا نہ ہو، بہرحال اتنا تو اس سے نکلتا ہی ہے، کہ سلف میں اس یاوہ گوئی پر سخت نکیر ہو چکی ہے، اور اسلامی حکومت اگر آج قائم ہوتی، تو شاید اس آزادی و بے باکی کے ساتھ آج بھی ان خرافات کی اشاعت ممکن نہ تھی!

احمد ندیم قاسمی کی معرکہ آرا تصنیف

گرداب

یہاں کے مسائل الگ تھے۔ ماحول الگ تھا۔ لوگوں کی ذہنیتیں الگ تھیں۔ یہاں پتلونوں کی جمی ہوئی لکیروں اور بالوں کی متناسب لہروں کے تذکرے تھے۔ تصنع تھا۔ تکلف تھا۔ ریا تھی۔ اور ان کے ساتھ ساتھ علم و فن کے چرچے تھے۔ یہاں نت سازشوں کے راز فاش ہو رہے تھے۔ مُصفّا چہروں کے پیچھے سما کا پلیگ تعفن پھیلا رہا تھا۔ اور لباسِ حریر کے نیچے زخمی روحیں بلک رہی تھیں!

لیکن بہرحال یہاں بھی انسان ہی بستے تھے۔ میں نے جو کچھ دیکھا۔ جو کچھ سُنا اور جو کچھ محسوس کیا وہ کہانیوں کی شکل میں پیش کر ہوں۔ میں یہ دیکھ کر دم بخود رہ گیا۔ کہ یہاں رہتے ہوئے ناسور پر بھی غازے کی تہیں جما دی جاتی ہیں تا کہ فیشن کے مذہب کا پو پورا احترام ہو سکے۔ قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ

ملنے کے پتے

ادارۂ اشاعت اردو عابد روڈ حیدرآباد دکن

سیّد عبدالرزاق تاجر کتب عابد روڈ حیدرآباد دکن